عربی ادبیوں

ہندوستان کا حصہ

شمس تبریز خاں

عربی ادب میں ہندستان کا حصّہ

عہد سلطنت دہلی میں ۱۲۰۶ء تا ۱۵۲۶ء

از

شمس بریزخاں

Marfat.com

13846

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

عربی ادب میں ہندستان کا حصہ

مصنف: شمس تبریز خاں

ناشر: شمس تبریز خاں

سنہ اشاعت: ۱۹۸۹ء

طابع: نظامی پریس لکھنؤ

تعداد: چھ سو ۶۰۰

کتابت: مقیم احمد بھاگلپوری

قیمت 50/-

ملنے کے پتے:-

۱۔ شمس تبریز خاں شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

۲۔ دانش محل امین الدولہ پارک امین آباد لکھنؤ

۳۔ نصرت پبلشرز حیدری مارکٹ امین آباد لکھنؤ

۴۔ مکتبہ دین و ادب، امین آباد

۵۔ انوار بکڈپو امین آباد لکھنؤ

۶۔ مکتبۂ حرا ۱ مکارم نگر لکھنؤ

۷۔ خورشید بکڈپو امین آباد لکھنؤ

۸۔ مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی

۹۔ کتاب منزل۔ سبزی باغ۔ پٹنہ

۱۰۔ الفرقان بکڈپو مغربی نیا گاؤں، لکھنؤ

Marfat.com

انتساب

افصح العرب والعجم، صاحبِ جوامع الکلم، سید المرسلین وخاتم النبیین

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام نامی سے:

جن کی ذات بابرکات اسلامی تہذیب وثقافت اور عربی علوم وفنون کا سرچشمہ ہے۔

اور

کلام الٰہی کے بعد جن کی احادیث شریفہ بلاغت ومعنویت کا اعلیٰ معیار اور مثالی نمونہ ہیں۔

ہماری جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

شمس تبریز خاں

Marfat.com

یہ کتاب
فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی
حکومت اتر پردیش
لکھنؤ
کے مالی تعاون سے
شائع ہوئی۔

Marfat.com

فہرست

	صفحہ
دیباچہ	۱
باب ۱	
عرب و ہند کے ہمہ گیر تعلقات	۵
اسلامی روایات میں ہندستان کا تصور	
عرب و ہند کے تجارتی تعلقات	۶
عربی میں ہندی کے دخیل الفاظ	۱۱
عرب و ہند کے ثقافتی تعلقات	۱۲
ہندستانی کتابوں کے عربی تراجم	۱۳
برامکہ کی علمی سرپرستی	۱۵
اسلامی فتوحات	۱۶
خلافت عباسیہ	۲۰
منصورہ کی ہباری سلطنت	۲۱
ملتان کی عرب حکومت	۲۲
فتوحات سے پہلے جنوبی ہند میں مسلم آبادیاں	۲۳
باب ۲	
ہندستان عربوں کی نظر میں	۲۶
ہندستان سے متعلق قدیم ترین عربی لٹریچر	۲۷

	صفحہ
باب ۳	
ہندستان میں عرب حکومتیں اور عربی ادب	۳۹
ربیع بن صبیح بصری	۴۴
ابو معشر سندھی صاحب المغازی	۴۶
ابو معشر کے شیوخ و تلامذہ	۴۷
اسرائیل بن موسیٰ بصری	۵۰
امام اوزاعیؒ	"
عبدالحمید کشی السندی	۵۱
شیخ ابو علی السندی	۵۲
دیبل اور منصورہ کے محدثین	۵۳
قصدار کے محدثین	۵۵
سندھ کے ادبا و شعراء	"
ابو عطاء سندھی	۵۶
ابو ضلع سندھی و کشاجم سندھی	۶۰
ابن الاعرابی	۶۱
ہارون بن موسیٰ ملتانی	۶۲

Marfat.com

	صفحہ
باب ۴	
عربی ادب غزنوی عہد میں	۶۴
عربی دفتری زبان	۷۳
غزنوی عہد میں ممتاز عربی نگار	۷۶
رابعہ بنت کعب	۷۷
احمد حسن میمندی	"
ابونصر العتبی	۷۸
شیخ اسمٰعیل لاہوری	۸۱
سراج الدین لاہوری	
مسعود سعد سلمان لاہوری	۸۲
علامہ البیرونی	۸۶
البیرونی کا علمی طرزِ تحقیق	۹۰
منتخب تصانیف	۹۴
سید علی ہجویریؒ	۹۶
باب ۵	
سلطنت دہلی کے عہد میں	۱۰۰
عربی ادب	
غلام بادشاہوں کا زمانہ	"
شمس الدین التمش	۱۰۱
ناصر الدین محمود	۱۰۴
غیاث الدین بلبن	۱۰۵
عہد سلطنت کا نصاب و نظام تعلیم	۱۰۶

	صفحہ
عہد سلطنت کی دہلی	۱۱۱
عہد سلطنت پر تبصرہ	۱۱۲
عہد ممالیک کے علماء و مشائخ	۱۱۴
حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ	"
حضرت فرید الدین مسعودؒ	۱۱۶
حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانیؒ	۱۱۸
حضرت صدر الدین ملتانی	۱۲۰
عہد ممالیک کے چند ممتاز علماء	۱۲۱
برہان الدین محمود بلخی	۱۲۲
کمال الدین زاہد	"
منہاج سراج جوزجانی	۱۲۴
سدید الدین عوفی	۱۲۶
علامہ حسن صغانی لاہوری	۱۲۸
صغانی بحیثیت محدث	۱۳۰
لسانی خدمات	۱۳۷
باب ۶	
عربی ادب عہد خلجی میں	۱۴۱
حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا	۱۴۴
دبستانِ علم و عمل	
کمال و جامعیت	۱۴۷
تبحر علمی اور حدیث میں مہارت	۱۴۸
حضرت امیر خسروؒ	۱۵۲

Marfat.com

	صفحہ
خسرو کا عربی کلام	۱۵۶
اعجاز خسروی	۱۵۷
صفی الدین ارموی	۱۶۳
باب ۷	
عربی ادب عہد تغلق میں	۱۶۸
محمد تغلق	۱۶۹
فیروز شاہ تغلق	۱۷۲
نصیر الدین چراغ دہلویؒ	۱۷۵
مولانا شمس الدین یحییٰ	۱۸۱
مولانا فخر الدین زرادی	۱۸۳
مولانا معین الدین عمرانی	۱۸۴
خواجگی دہلوی	۱۸۵
ضیاء الدین سنامی	〃
عہد تغلق کے دیگر ممتاز علماء	۱۸۷
سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی	۱۹۰
عبد المقتدر کندی	۱۹۴
انتخاب لامیۃ الہند	۱۹۷
مولانا احمد تھانیسری	۱۹۸
انتخاب دالیہ تھانیسری	۲۰۰
مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری	۲۰۱
مخدوم بحیثیت محدث	۲۰۵
تصانیف اور مکتوبات	۲۰۶
باب ۸	
عرب ادب لودھی عہد میں	۲۱۰
سلطان بہلول لودھی	۲۱۱
سکندر لودھی	۲۱۳
ابراہیم لودھی	۲۱۶
لودھی عہد کے ممتاز علماء	۲۱۷
ادباء	
عبد اللہ طنبتی	۲۱۹
عزیز اللہ طنبتی	〃
رفیع الدین شیرازی محدث	〃
سید عبد الوہاب بخاری	۲۲۰
حکیم بہوہ بن خواص خان	۲۲۱
مولانا جمالی دہلوی	۲۲۳
ہندستان کے قدیم ترین عربی کتبات	۲۲۶
مآخذ و مصادر	۲۲۹

Marfat.com

دیباچہ

حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد! یہ عربی زبان وادب کی داخلی خوبی وعمدگی، اظہار و ابلاغ کی بے مثال صلاحیت اور فصاحت وبلاغت اور ترسیلِ معانی کی مسلمہ اہلیت وصیانت اور ایک ابدی وآفاقی دین (اسلام) کی سرکاری زبان ہونے کی حیثیت واہمیت ہے کہ عربی آغازِ اسلام ہی میں مغرب میں اسپین سے لے کر مشرق میں ملیشیا وانڈونیشیا تک پھیل چکی تھی اور آج بھی اس کی حکمرانی اور جہانگیری برقرار ہے بلکہ اس میں نئے علاقے بھی شامل ہو رہے ہیں اور ایک عالمی زبان بن رہی ہے۔

سندھ اور پنجاب پر عربی حکومت کے دور میں ان علاقوں میں عربی سرکاری اور عوامی زبان بن گئی تھی، پھر غزنوی دور میں سرکاری زبان عربی رہی، دہلی سلطنت میں ہندوستان کی سہولت کو دیکھتے ہوئے فارسی زبان اپنائی گئی، مگر اہلِ علم ونظر، گہرے، متصوفانہ، یا دانشورانہ خیالات کا اظہار عربی میں کرتے تھے، اور اس دور کا کوئی بڑا فارسی زبان داں اور عالم ایسا نہ تھا جو عربی سے نابلد ہو بلکہ بہت سے لوگ مسعود سعد سلمان، شہاب ہمیرہ، اور امیر خسرو کی طرح عربی اور فارسی پر یکساں قدرت رکھتے تھے، اس طرح اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں اس ملک میں فروغ پانے والے عربی ادب کی عمر بھی اتنی ہی ہے اور وہ کمیت و

کیفیت میں کسی عجمی ملک سے پیچھے نہیں بلکہ اس نے عربی زبان وادب اور عربی میں علوم دینیہ کی قیادت بھی کی ہے۔ برصغیر ہندوپاک کے عربی ادب کی اہمیت کے بارے میں پروفیسر ایچ۔ اے۔ آرگب لکھتے ہیں کہ :

"ہند میں عربی کے علماء نے اپنی توجہ متکلمانہ تصانیف پر مرتکز رکھی جس کا کم و بیش دینی علوم ہی سے قریبی تعلق تھا، اور خالص ادب بلکہ تاریخ پر بھی خامہ فرسائی کی جسارت انھوں نے بہت ہی کم کی، لیکن اس کے باوجود یہ سمجھ لینا غلط ہوگا کہ ان کی تصانیف غیر اہم ہیں، یا ان کی اہمیت صرف چند ممتاز تصانیف ہی تک محدود ہے نہ صرف یہ کہ ان کی تصانیف اسلامی ہند کی سرگرم مذہبی زندگی کے لیے لازمی پس منظر کا کام دیتی ہیں، بلکہ ان کا اثر تمام اسلامی دنیا میں براہِ راست اور بالواسطہ دونوں طرح سے محسوس کیا گیا ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، اور سید محمد مرتضیٰؒ جیسے علماء کا اسلامی دنیا کے جدید فکری رجحانات کی تشکیل میں بنیادی حصہ ہے اور مغربی ایشیا کے ممالک پر ہندی تصوف بھی کچھ کم اثر انداز نہیں ہوا ہے۔"[1]

افسوسناک بات یہ ہے کہ ہمارے مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے علماء کے علمی کارناموں پر زور دینے کے بجائے ان کے حالات و واقعات پر زیادہ توجہ کی ہے جس کی وجہ سے ان مرحومین کے بہت سے علمی کارنامے سامنے نہ آسکے۔ ہندوستان کے عربی ادبیات کا بڑا حصہ ضائع بھی ہوا، تاہم متقدمین میں میر خورد کی "سیر الاولیاء" شیخ عبدالحق دہلوی کی "اخبار الاخیار"، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی کتابیں، مفتی غلام سرور کی "خزینۃ الاصفیاء" مولوی فقیر محمد کی "حدائق الحنفیہ" مولوی رحمٰن علی کا "تذکرہ علمائے ہند" اور پھر سب سے بڑھ کر مولانا عبدالحی حسنی کی "نزہۃ الخواطر" اور "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" سے ہندستانی عربی ادب کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

---

[1] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ۔ از: ڈاکٹر زبید احمد (مقدمہ)

Marfat.com

نئے تذکروں میں شیخ محمد اکرام کی "کوثریات" ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی "ہندوپاک کی ملتِ اسلامیہ" اور پھر ڈاکٹر زبید احمد کی جامع کتاب "عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ"، ڈاکٹر محمد اسحاق کی کتاب "علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ" اور اخیر میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے شائع شدہ "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند" اور مولانا اسحاق بھٹی کی "برصغیر پاک وہند میں علم فقہ" اور "فقہائے ہند" مفید کتابیں ہیں جن سے اس مقالہ کی تیاری میں بڑی مدد ملی، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، مولانا شبلی لائبریری ندوۃ العلماء لکھنؤ، رضا لائبریری رام پور، خدا بخش لائبریری پٹنہ سے بھی استفادہ کیا گیا۔ مقالہ نگاران مؤقر لائبریریوں کے ارکان کا بھی ممنون ہے۔

لیکن مقالہ نگار سب سے زیادہ اپنے فاضل و محترم استاذ اور نگرانِ مقالہ پروفیسر محمد رضوان علوی صاحب زید مجدہ کا ممنون و شکر گذار ہے کہ مختلف مرحلوں پر ان کی روایتی شفقت و عنایت، علم پروری و انسان دوستی، رہنمائی و ہمت افزائی کام آتی رہی اور ان کے زیر سایہ یہ مقالہ پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

اخیر میں مقالہ کی چند خصوصیات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ اسے تذکرہ و تراجم کی کھتونی اور فہرست بنانے کے بجائے ممتاز عربی نگار یا عربی داں علماء ہی کے مختصر حالات پر اکتفا کیا گیا ہے اور ان کے علمی خصوصاً عربی زبان کے کارناموں کا تعارف کرانے اور ان کی قدر و قیمت اور اہمیت متعین کرنے کی حقیر کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ان مشاہیر کی عربی نظم و نثر کے بعض نمونے بھی پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے مگر طوالت کے خوف سے ان میں سے اکثر کے ترجمے نہیں دے گئے جو دیگر تذکروں میں موجود بھی ہیں۔

پس منظر کے طور پر اس عہد کے سیاسی و معاشرتی اور ثقافتی حالات کی مختصر تاریخ اور بادشاہوں کی علمی سرپرستی کا حال بھی لکھ دیا گیا ہے۔ حوالوں

Marfat.com

کے سلسلے میں امکانی کوشش کی گئی ہے کہ وہ اصل ماخذ کے ہوں، بعض جگہ ترجمہ شامل کرنے کی غرض سے ان کے اردو تراجم سے بھی مدد لی گئی ہے مگر اصل کتاب پیش نظر رکھی گئی ہے۔ اس مقالہ کا ایک بڑا مقصد یہ بھی رہا ہے کہ اہل فکر و نظر ہندستان کے عربی ادب کے ان نمائندہ نمونوں اور شاہکاروں کی طرف توجہ کریں اور از سر نو ان کی بازیافت کی کوشش کریں کہ وہ اس طرح عربی زبان و ادب اور دین و تمدن کے ساتھ ہندوستان کی بھی خدمت کر سکیں گے۔

والسلام

شمس تبریز خان

شعبۂ عربی۔ لکھنؤ یونیورسٹی

باب (۱)

عرب و ہند کے ہمہ گیر تعلقات

تاریخی شواہد کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عہدِ قدیم میں ہندوستان کے سب سے زیادہ اور ہمہ گیر تجارتی، علمی و ثقافتی اور سیاسی تعلقات مشرقِ وسطیٰ اور عرب ممالک ہی سے رہے ہیں۔ خشکی کے راستے عرب و ہند کے تجارتی قافلے افغانستان ایران و عراق سے ہو کر مصر و شام پہنچتے اور سمندر کے راستے خلیج عرب اور بحر عرب کے بحرِ ہند سے ملے ہونے کی وجہ سے عرب جہاز راں عراقی بندرگاہوں سے چل کر سندھ گجرات اور کیرالا ہوتے ہوئے لنکا، مشرق بعید اور چین تک جاتے تھے۔ اس تجارتی لین دین نے ثقافتی تبادلہ اور تہذیبی میل جول کو ترقی دی۔ جس کے نتیجہ میں ہندستانی و عربی زبانوں میں ایک دوسرے کے الفاظ داخل ہوتے گئے، اور دونوں قومیں ایک دوسرے کے خیالات و حالات سے واقف ہوتی گئیں۔

اسلامی روایات میں ہندستان کا تصور :

ظہورِ اسلام کے بعد عرب و ہند کے تعلقات میں تیز رفتار ترقی اور استحکام پیدا ہوا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث کے ذریعے ہندوستان سے اپنے خاص اور قلبی تعلق کا اظہار فرمایا، اور ہندوستان میں حضرت آدم علیہ السلام کے نزول، اور ان کے ساتھ حجرِ اسود کی آمد، جنت کے پتوں کے ذریعہ خوشبو دار ہندستانی پودوں کے اُگنے، اعصائے موسوی اور تابوت کے اترنے، پیشانیٔ آدم سے نورِ محمدیؐ کے چمکنے، اور بوذنامی پہاڑ پر کشتیٔ نوح علیہ السلام کی تیاری اور حضرت آدم علیہ السلام کی نمازِ جنازہ، حضرت شیث علیہ السلام کے ذریعہ پڑھی جانے کی روایتیں آپؐ سے منقول ہوئیں۔ مولانا آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) نے

Marfat.com

بڑی تفصیل کے ساتھ ان روایات کو نقل کیا ہے[1] جنھیں پڑھ کر عام مسلمان کے دل میں ہندستان کی عظمت و محبت اور ہندستانی مسلمانوں کے حب الوطنی کے جذبات و احساسات میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کا اس محبوب سرزمین سے تعلق ظہورِ آدمؑ اور ابتدائے آفرینش ہی سے قائم ہو جاتا ہے۔

عرب و ہند کے تجارتی تعلقات : عرب و ہند کی ایک دوسرے سے واقفیت اور بحری و برّی راستوں کی دریافت اور درآمد و برآمد کی ضرورت نے پہلے ایک دوسرے کے تجارتی اور پھر ثقافتی تعلقات بڑھانے میں دلچسپی پیدا کی، اور دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے، اور خدا کا شکر ہے کہ اپنے ماضی کے روایتی تعلقات کے ساتھ وہ اب تک رشتۂ مودت میں بندھے ہوئے ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"ہندستان اور عرب دنیا کے وہ ملک ہیں جو ایک حیثیت سے ہمسایہ اور پڑوسی کہے جا سکتے ہیں۔ ان دونوں کے بیچ صرف سمندر حائل ہے جس کی سطح پر ایسی وسیع اور لمبی چوڑی سڑکیں نکلی ہیں جو ایک ملک کو دوسرے سے باہم ملاتی ہیں۔ یہ دونوں ملک ایک سمندر کے دو آمنے سامنے کے خشکی کے کنارے ہیں۔ اس جل تھل سمندر کا ایک ہاتھ اگر عربوں کے ارضِ حرم کا دامن تھامے ہے تو اس کا دوسرا ہاتھ ہندوؤں کے آریہ ورت کے قدم چھوتا ہے"

دریا کنارے کے ملک فطرۃً تجارتی ہوتے ہیں۔ یہی پہلا رشتہ ہے جس نے ان دونوں قوموں کو باہم آشنا کیا، عرب تاجر ہزاروں برس پہلے سے ہندستان کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں کے بیوپار اور پیداوار کو مصر و شام کے

---

[1] سبحۃ المرجان فی آثار ہندستان ص ۷ — ۵۰ (علی گڑھ ۱۹۷۶)

Marfat.com

ذریعے یورپ تک پہونچاتے تھے، اور وہاں کے سامان کو ہندوستان، جزائر ہند چین اور جاپان تک لے جاتے تھے[۲]۔

جغرافی محلِ وقوع کی وجہ سے عرب ہند کے آپسی تعلقات، قدیم تاریخ کے ہر دور میں قائم رہے ہیں۔ چنانچہ سندھ و عراق کے تعلقات سومیری عہد (۳۰۰۰ — ۲۵۰۰ ق م) اکادی عہد (۲۴۰۰ — ۲۱۰۰ ق م) بابلی تہذیب (۱۸۰۰ ق م) میں موہن جو داڑو اور پھر ہڑپا سے قائم تھے، اسی طرح فینیقیوں (۱۲۰۰ ق م) ہتیوں اور آریوں میں، پھر عہد سکندری و بطلیموسی میں عرب و مصر کے درمیان گوناگوں تعلقات استوار رہے: LEONARD — CORDON - اور LOST OITIES نے COTTRELL. CHILD - نے اپنی کتاب — WHAT HAPPEND IN — HISTORY - میں زمانہ ماضی میں عرب و ہند کے تعلقات پر تفصیل سے لکھا ہے[۳]۔

یہ ایک ایسا اہم تاریخی موضوع ہے جس پر ہند و عرب کے محققین مؤرخین کو خاص توجہ دینی چاہیئے، اور جس کے بہت سے پہلو ابھی پردۂ خفا میں ہیں، عرب و ہند دونوں آزاد اور غیر جانبدار اور تیسری دنیا کے باہمی تعلقات کے علمبردار ہیں، اس لئے عرب و ہند کے فضلا، کو طویل تاریخ کے گمشدہ اوراق کو منظرِ عام پر لانا چاہیئے۔

انڈس ویلی کی تہذیب کی عمر ۲۰۰۰ ق م بتائی جاتی ہے اس طرح ہند و عرب تعلقات کی عمر چار ہزار سال ہو جاتی ہے۔ جدید ہندستانی مؤرخین

---

(۱) "عرب و ہند کے تعلقات" از مولانا سید سلیمان ندوی۔ ص ۶ (الہ آباد ۱۹۳۰ء)

(۳) تاریخ الصلات بین الہند والبلاد العربیہ للدکتور: اسمٰعیل الندوی (ملخصا) (بیروت ۱۹۶۸م)

تاریخی شواہد کی بنا پر اب یہ لکھنے لگے ہیں کہ وادیٔ انڈس (INDUS VALLEY) کے قدیم ترین ہندستانی اور قدیم عرب ایک دوسرے سے متعارف اور تجارت میں مشغول تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس کی واضح شہادت موجود ہے کہ وہ نہ صرف ہندستان کے دوسرے حصوں سے بلکہ مغربی ایشیا کے دور دراز ممالک سے بھی تجارت کرتے تھے، انڈس دیلی کے تاجر عراق سے بری و بحری دونوں راستوں سے تجارت کرتے تھے"[1] یہی مؤرخین سومریں کی عربوں کے ساتھ تجارت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کی تجارت خلیج فارس اور بحر احمر کے راستے عربوں اور رومیوں کے ساتھ تھی، نیز اور عربوں کی ہندستان سے بحری تجارت نامعلوم زمانے سے قائم تھی۔ بہت سے عرب تاجر ہندستان کے مغربی ساحل پر آباد ہو گئے تھے"

ممتاز احمد پٹھان لکھتے ہیں:

"سندھ کے عرب دنیا سے تعلقات خصوصاً عراق، یمن اور عمان سے تاریخ کی ابتداء ہی سے چلے آرہے ہیں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سمیری لوگ جنھوں نے بعد میں بابل کی سامی تہذیب کی بنیاد رکھی، وادیٔ سندھ سے ہجرت کر کے عراق چلے گئے تھے، سندھ، بلوچستان، فارس اور خوزستان کے بعض علاقوں کے مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ سے لے کر فرات تک سمیریوں کی بہت بڑی سلطنت تھی۔ انھوں نے مغربی ایشیا کو تہذیب سکھائی اور دوسری چیزوں کے علاوہ لکھنے کے فن خطِ کوفی سے متعارف کرایا، ہل اور پہیہ جو انسانی تہذیب اور ثقافت کی بنیاد ہیں سب سے پہلے انہی لوگوں کی وجہ سے ان دو دریاؤں کی سرزمین میں

---

[1] INDIAN HISTORY & CULTURE J. FUSIC. I.R. MEHTA. P.P. 20, 72, 144 (DELHI — 1975)

Marfat.com

ہوئے،"[1] وہ مزید لکھتے ہیں:

دراصل سندھ اور عرب دنیا کے تجارتی اور ثقافتی تعلقات، عربوں کی فتوحات سے بہت پہلے قائم تھے، عرب جہاز دیبل (کراچی) تھانہ، کھمبے اور ہندستان میں مالابار کی ساحلی بندرگاہوں میں آتے تھے، عربوں کی تجارتی سرگرمیاں انھیں اس سے بھی آگے، لنکا، کار دمنڈل اور جزائر بحر ہند تک لے گئیں عرب پاکستان و ہند کے ساحلی علاقے اور انڈونیشیا کے مجموعۃ البحر. ائر اور چین کے ساحلی سمندر سے آشنا تھے، عربوں کا مستعد بحری بیڑا منڈیوں میں ہر طرح کی اجناس تجارت لاتا تھا، خاص طور پر یمن میں جو اسلام کے عروج سے قبل عرب دنیا میں تجارتی سرگرمیوں کا مرکز تھا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ عرب، مصر مشرقی افریقہ سندھ، ہندستانی ساحل، لنکا اور جزائر شرق الہند کی ساری سمندری تجارت پر قابض تھے، عربوں نے مشرق کے علاقوں کی بحری تجارت فینیقیوں سے ورثے میں پائی، جن کی تجارتی سرگرمیاں ان کے عراق اور بحیرۂ روم پر سیاسی غلبے کے بعد ختم ہو گئیں، ان کی جگہ یونانیوں اور رومیوں نے لی، جو قدیم زمانوں میں وسیع سلطنتوں کے بانی تھے، جب بحیرۂ روم میں یونانیوں اور رومیوں کا طوطی بولتا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عرب بحر ہند پر چھائے ہوئے تھے۔

مؤثر بحری تجارت کو برقرار رکھنے کے لئے عربوں نے مالابار کے ساحل پر اور لنکا کے جزیرے میں تو آبادیاں اور تجارتی کوٹھیاں قائم کیں[2]۔ عرب نوآبادیوں کا ایک مرکز جزائر مالدیپ تھے جنھیں عرب جزیرۃ المحل کہتے تھے۔ اس جزیرہ کے

---

[1] تاریخ ادبیات، مسلمانانِ پاکستان و ہند۔ ص ۲۷ (لاہور ۱۹۷۲)

[2] ایضاً ص ۲۸

باشندوں نے اسلام قبول کر لیا، اور آج تک وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

کاروبار منڈل میں بھی عرب نو آبادی تھی، اور وہ وہاں سے عود و عنبر کی تجارت کرتی تھی، اسلام کے بعد بھی عربوں اور مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں وسیع پیمانے پر جاری رہیں۔ مشہور مستشرق برنارڈ لیوس Bernard Lewis لکھتا ہے:

"اسلامی ایمپائر کی تجارت بہت وسیع تھی، خلیج کی بندرگاہوں، سیراف، بصرہ، ابلہ اور اس کے بعد عدن اور بحر احمر کی بندرگاہوں سے مسلم تجار سیلون۔ ایسٹ انڈیز اور چین کو ریشم، مصالحے، خوشبوئیں۔ لکڑی۔ ٹن اور دوسری اشیاء درآمد کرتے تھے، اور دوسرے متبادل راستے سے ہند و چین کو وسط ایشیا ہو کر جاتے تھے۔"[1]

ڈاکٹر زبید احمد نے رالنسن کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"اگرچہ ہند و عرب کے درمیان سیاسی تعلقات کا آغاز بہت دیر سے یعنی ساتویں صدی عیسوی میں ہوا تاہم یہ ممالک جو نسل اور زبان کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، بہت ہی قدیم زمانہ یعنی ساتویں صدی قبل مسیح کے آغاز سے تجارت کے ذریعہ باہم مربوط تھے۔ اور ممکن ہے کہ روابط ماقبل تاریخ زمانے سے قائم ہوں"[2]

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

"عہدِ قدیم میں ہند اور مغربی ممالک کے درمیان تجارت کے جو تین راستے تھے، ان میں سے دو عرب میں سے گذرتے تھے، پہلا راستہ دریائے سندھ کے دہانے سے دریائے فرات تک جاتا تھا، اس مقام تک جہاں سے انطاکیہ اور مشرقی بحیرۂ روم کو جانے والی سڑکیں الگ ہوتی تھیں، مگر اس سلطنت کے زوال کے ساتھ یہ

---

[1] The Arabs in History, London. 1958. p. 87

[2] رالنسن، ہند و مغربی دنیا کے باہمی روابط، باب اول بحوالہ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۲۔

Marfat.com

راستہ بھی ترک کر دیا گیا۔

دوسرا راستہ جو پہلے راستہ سے بھی زیادہ اہم تھا، ہند کے ساحل سے لیکر حضر موت تک اور پھر وہاں سے بحیرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ شام تک اور پھر یورپ تک جاتا تھا، ایک راستہ تو براہِ راست شامی ساحل سے یورپ تک تھا اور دوسرا براہِ مصر و اسکندریہ[1]"

بین الاقوامی تعلقات ایک

عربی میں ہندی کے دخیل الفاظ :

دوسرے پر اثرات اور تہذیبی تبادلہ کا اظہار و علامت وہ الفاظ ہوتے ہیں، جو مختلف زبانیں اور قومیں ایک دوسرے سے لیتی ہیں، چنانچہ بطور نمونہ یہاں چند ہندی الفاظ درج کئے جاتے ہیں جو عربی میں داخل ہو گئے ہیں:

قرنفل (کرن پھول) فل فل (پیپل) ہیل (الائچی) زنجبیل (زرنجبیرا) جائفل (جاپھل) نارجیل (ناریل) لیمو (نیبو) تنبول (تامبول) صندل (چندن) مسک (مشکا) اطریفل (تری پھل) قسط (کٹ) ہلیلج (ہڑ) بلیلج (بہیڑ) نیلوفر (نیلوپل) نیلج (نیل) انبج (آم) شطرنج (چترنگہ) رخ (رتھ)۔ کافور (کپور) عود ہندی، قسط ہندی، تمر ہندی[2]" فوفل (کوئل) شنجرہ (شکھر: توتیا) بلادر (بھلانکہ) قرفس (کرپاس) شیت (چھینٹ) قرمز (کرمچ) موز (موشہ: کیلا)[3]

بعض عرب علماء قرآن کے لفظ "طوبیٰ" کو بھی جنت کے معنی میں ہندی کا ایک لفظ سمجھتے ہیں[4]۔ ہندوستانی فولاد کی تلوار عربی میں مہند کہلائی عرب میں

---

[1] عربی ادبیات بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ گیارہواں ایڈیشن ۲/۲۶۴

[2] لغات جدیدہ: مولانا سید سلیمان ندوی ص ۲۲، ۲۲، اعظم گڑھ ۳۷ء نیز ارض القرآن سید سلیمان ندوی ج ۲ ص ۱۲

[3] عرب و ہند کے تعلقات ص ۶۹ ... [4] تاج العروس لفظ "طوبیٰ"

Marfat.com

خوبصورت عورتوں کے نام ہندر کھے جاتے، اور شعراء فرضی محبوباؤں کو ہند کے نام سے یاد کرتے تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"عربوں کے ہندستانی سواحل پر دریائی آمدورفت کا یہ اثر ہوا کہ عربی سفرناموں اور جغرافیوں میں اور عرب اور فارسی ملاحوں کی زبانوں پر جہاز اور متعلقات جہاز کے ہندی نام زبانوں پر چڑھ گئے تھے۔ ان میں سے ایک لفظ "بارجہ" ہے بیرونی نے بتایا ہے کہ یہ اصل میں ہندی لفظ "بیڑہ" ہے جس کو عرب "بارجہ" کہتے ہیں، اور (ہ عربی میں ج سے بدل جاتی ہے) اور اس کی جمع بوارج ہندستانی بحری ڈاکوؤں کو کہنے لگے، نامور عالم محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے ہند کے نظام ہندسہ کی عربی میں تشریح کی تھی اور اس کے بعد یہ رفتہ رفتہ تمام عرب ممالک میں رائج ہوگیا[1]۔"

علم الہیئۃ میں عربوں نے ہندستانی کتاب سندھ پر بہت توجہ کی، پہلے اس کا ترجمہ الفزاری (م ۱۵۴ھ) نے پھر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے کیا، پھر البیرونی نے جوامع الموجود لخواطر الہنودنی حساب التنجیم کے نام سے اس پر جامع بحث کی۔

علم طب میں چرکا اور سسرتا نامی کتابوں کے عربی ترجمے آٹھویں صدی عیسوی میں ہوئے، ابن الندیم نے اس سلسلے میں پندرہ ہندی مصنفوں کے نام لکھے ہیں۔ سمیات میں چانکیہ (شاناق) کے رسالے کا فارسی ترجمہ ابو حاتم بلخی نے خالد برمکی کے لئے ۲۰۰ھ میں کیا، پھر عباس ابن سعید الجوہری نے ۲۱۰ھ میں اس کا ترجمہ کیا[2]۔

---

[1] عربی ادبیات بحوالہ برٹانیکا ۸۲ ۔ [2] ایضاً ص ۳۷

Marfat.com

ہندوستانی کتابوں کے عربی تراجم :

عمران برمکی نے بغداد کے "بیت الحکمت" کے لئے سندھی علماء کا ایک وفد بھیجا، ان میں منکا، بھلا، کنکہ راجا وغیرہ تھے، مترجمہ کتابوں میں سوریہ سدھانتا آریہ بھٹ، برہمگپت، کھنڈا کھنڈک، اور ادتھ شاستر، سدھانت (سندھند) کا ترجمہ محمد بن ابراہیم الفزاری نے کیا۔ کنکایا گنگا کے ذریعہ کتاب النموذار فی الاعمار، اسرار الموالید، قرانات کبیر وصغیر عربی میں منتقل ہوئیں سدھانت کے مترجمین میں محمد بن موسیٰ الخوارزمی اور حبش بن عبد اللہ بغدادی وغیرہ کے نام بھی آتے ہیں۔[1]

"ہندوؤں کی مشہور رزمیہ نظم "مہابھارت" کو ابو صالح بن شعیب نے عربی میں ترجمہ کیا اور اس کا دوسرا ترجمہ ابو الحسن علی الجبلی نے ۴۱۵ھ میں نبو بویہ کی خواہش پر کیا[2]" ابن ندیم نے ہندستان سے عربی میں ترجمہ کرنے والوں میں منکہ اور ابن دھن کے نام لئے ہیں، اور ترجمہ شدہ کتابوں میں سسرد، سیرک، سندستاق، نوتشل، روسا، اور ہندوستانی جڑی بوٹیوں پر ایک کتاب کے نام گنائے ہیں[3]

منکہ نے جن کتابوں کا ہندی سے عربی میں ترجمہ کیا ان میں مقالات عشرہ اور عقاقیر ہند کا نام بھی ہے کہ وہ فارسی میں ترجمہ کرتا ہوا در عرب مترجمین کی وہ مدد کرتا ہو)

---

[1] تاریخ الحکماء للقفطی، (اردو) ص ۳۶۲ (دہلی ۱۹۴۵ء)

[2] تاریخ ادبیات ص ۵۲

[3] الفہرست ص ۳۵۶ - ۳۵۴ (قاہرہ)

ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی لکھتے ہیں:

"منصور عباسی کے عہد میں سندھ سے ہندو پنڈتوں کا ایک وفد دربارِ خلافت میں حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے سنسکرت کی دو علمی کتابیں، برہم سدھانت اور کھنڈ کھادیک، خلیفہ کی نذر کیں، پھر یہ دونوں کتابیں پنڈتوں کی امداد سے عربی میں ترجمہ کی گئیں..... ان میں سے کم از کم ایک نے جس کا نام منکہ تھا عربی زبان میں مہارت پیدا کر کے اسلامی علوم کا بھی مطالعہ کیا، اور متعدد کتابیں بھی سنسکرت سے عربی یا فارسی (پہلوی) میں ترجمہ کیں، برمکیوں نے بغداد میں جو ہسپتال قائم کیا تھا۔ اس کا افسر اعلیٰ یہی منکہ تھا"۔[۱]

ابن ندیم (م ۳۸۵ھ) منکہ کو اسحاق بن سلیمان ہاشمی کے رفقا میں بتاتا ہے، جو ہندی سے عربی میں ترجمے کرتا تھا۔ اور ابن دھن کو بیمارستان برامکہ کا انچارج اور ہندی سے عربی میں ترجمہ کرنے والا بتایا ہے۔[۲] ابن ندیم نے ہندستانی مترجمین کی تعداد ایک درجن سے زائد بتائی ہے۔ جس سے سنسکرت سے عربی میں تراجم کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مشہور فلسفی ابن مسکویہ کی طرف ایک کتاب "جاودانِ خرد" بھی منسوب ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ "آداب العرب والفرس" میں اس نے "جاودانِ خرد" سے استفادہ کیا ہے، اس نے مقدمہ میں صراحت کی ہے کہ اس مجموعہ میں ایران، عرب، یونان و روم اور ہندستان کے حکیمانہ خیالات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ ندر عرشی از مالک رام و ڈاکٹر آدرش ص ۱۰۱ (دہلی ۱۹۶۵ء)

۲۔ الفہرست ص ۳۴۲-۳۴۳

برامکہ کی علمی سرپرستی :

عرب و ہند کے درمیان ثقافتی تعلقات کے قیام میں ہندوستان کے خاندان برامکہ کا بڑا ہاتھ تھا، جو عباسیوں کے علم پرور وزراء کی حیثیت سے نمایاں ہوئے اور پھر رشک و حسد اور شک و شبہ کے شکار ہو گئے[1]۔ یہاں ان کا اجمالی تعارف مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے پیش کیا جاتا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"عام طور سے یہ کہ برامکہ مجوسی تھے، یعنی آتش پرست ایرانی تھے، بلخ میں نوبہار نام منوچہر کا بنایا ہوا ایک آتش کدہ تھا، اسی آتش کدہ کے یہ پیر مغاں تھے۔ جب مسلمانوں نے ۳۱ھ (۶۵۱ء) میں بلخ کو فتح کیا تو یہ آتش کدہ بھی اسی آندھی میں سرد ہو گیا، مگر کچھ دنوں کے بعد پھر اس کے شعلے بھڑکے اور آخر ۸۶ھ (۷۰۵) میں مشہور مسلمان سپہ سالار خراسان قتیبہ نے ہمیشہ کے لئے اس ملک کو اسلام کے دائرہ حکومت میں داخل کر لیا، اس آتش کدہ کے پجاری جو قدیم بادشاہوں کے زمانہ سے بلخ اور اس کے آس پاس کی مرقوفہ آبادی کے مالک و حاکم تھے، ان میں سے کچھ لوگ خود اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے، دمشق چلے آئے، اور پھر جب عربوں کی حکومت کا مرکز ۱۳۲ھ میں دمشق سے بغداد کو منتقل ہوا تو وہ بھی بغداد چلے آئے اور رفتہ رفتہ سلطنت و حکومت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کو طے کرتے ہوئے وزارت کے منصب تک پہنچے، اور کبھی کل دنیائے اسلام پر شاہی کی[2]۔"

البیرونی ان کی علم دوستی کے بارے میں لکھتا ہے:

"عربوں کے دورِ حکومت میں ہندستان کے معاملے سے جس نے سب سے زیادہ دل چسپی لی وہ یحییٰ بن خالد برمکی اور برامکہ کی جماعت ہے جس کی دل چسپی

---

[1] برامکہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری "البرامکہ"

[2] عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۰۳۔

اور اہتمام ہندستان کے معاملہ کے ساتھ اور وہاں کے پنڈتوں اور ویدوں کو ہندوستان سے بغداد بلوانے میں مشہور ہے۔[1]

منصور اور ہارون رشید کے دور میں برامکہ ہندستانی ویدوں اور پنڈتوں کو لے کر بغداد پہنچے اور حتی الامکان سنسکرت لٹریچر کا ضروری حصہ عربی میں ترجمہ کرلیا۔ اور اس طرح مذہب و اخلاق ہیئت و حساب، طب، نجوم، قصے کہانیوں اور سیاست و معاشرت سے متعلق بہت سی مفید کتابیں عربی زبان میں منتقل ہوگئیں۔[2]

اسلامی فتوحات:

سری لنکا میں حضرت آدم علیہ السلام کے نزول اور پھر ہندستان ہوکر حجاز جانے کی روایات نے عربوں اور پھر مسلمانوں کے اندر ہندستان سے قلبی تعلق پیدا کردیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ سے غزوۂ ہند کے مجاہدین کی مغفرت کی بشارت سن کر بھی صحابہ و تابعین کے دلوں میں فتح ہند کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں گجرات اور سندھ کی طرف اولین مہمات روانہ کی گئیں اور اس طرح ہند میں فتوحات کا آغاز ہوگیا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

"محمد بن قاسم کے پہلے ہی حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں صحابہ کرام نے شام و مصر، عراق و یمن، ترکستان حدود و ماوراء النہر اور بلاد مغرب کے فتح کے بعد ہندوستانی حدود کو بھی فتح کرلیا تھا"[3]

---

[1] ایضاً ص ۱۱۹ بحوالہ الفہرست ص ۳۴۵ (لیپزک ۱۸۷۱ء)

[2] مولانا سید سلیمان ندوی نے ان تراجم کا تفصیلی حال لکھا ہے، عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۳۲-۱۸۵

[3] البدایۃ والنہایۃ ۹ /۸۷

ہندوستان میں اسلامی غزوات کی ابتداء حضرت الحکم بن ابی العاص ثقفی رضؓ کے ذریعہ ہوتی ہے جنھیں ان کے بھائی عثمان بن ابی العاص رضؓ (امیر بحرین وعمان) نے ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ کی خلافت میں تھانہ اور بھڑوچ بھیجا تھا۔ انھوں نے واپسی پر حضرت عمر رضؓ کو اس کی اطلاع دی تو انھوں نے تنبیہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

"یا أخا ثقیف حملت دودا علیٰ عود وانی احلف اللہ أن لو اصیبوا لأخذت من قومك مثلهم"[۱]

اے ثقفی بھائی! تم نے ایک کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر میں ڈال دیا ہے۔ بخدا اگر انھیں کچھ ہو گیا تو میں تمہاری قوم کے اتنے ہی آدمی فدیہ میں پکڑ دوں گا۔

پھر حضرت عمر رضؓ ہی کے دور ۲۳ھ میں حضرت حکیم بن عمرو تغلبی رضؓ مکران سندھ آئے، اور صحار عبدی رضؓ نے یہاں سے جا کر انھیں یہ رپورٹ دی کہ:

"ماؤها وشل ولصها بطل وسهلها جبل ان كثر الجند جاعوا وان قلوا ضاعوا"[۲]

اس کا پانی خراب اور وہاں کے چور سینہ زور ہیں اور وہاں کی زمین سنگلاخ ہے فوج اگر زیادہ ہو تو بھوکی رہے گی اور کم ہوئی تو ضائع ہو گی۔

یہ سن کر حضرت عمر رضؓ نے ہندوستان کے لئے کوئی فوج نہیں بھیجی اور سندھ کے لئے بھی ممانعت کر دی۔ حضرت عثمان رضؓ کے عہد ۳۰ھ میں ربیع بن زیاد حارثی نے سجستان اور سندھ کے علاقے میں فہرج کو فتح کیا اور ڈھائی سال

۱ے فتوح البلدان (باب فتح السند) معجم البلدان (باب بحرین)

۲ے تاریخ الکامل لابن کثیر ۳/۲۴ دار الفکر، بیروت (۱۹۷۸ء)

تک بزرنگ میں قیام کیا۔ اس عرصے میں امام حسن بصریؒ ان کے ساتھ میر منشی اور مفتی کی حیثیت سے رہے۔[1]

امیر معاویہ رضؓ کے عہد میں مہلب بن ابی صفرہ الازدیؒ ۴۴ھ میں بنو اور لاہور پہنچ گئے، سنان بن سلمہ الہذلی رضؓ نے ۴۸ھ میں مکران اور ۵۰ھ میں قیقان اور بدھ فتح کئے، اور ۵۲ھ میں قصدار میں شہید ہوئے، پھر ولید بن عبدالملک کے زمانے میں راجہ داہر کی سرزنش کے لئے حجاج نے اپنے چچا زاد بھائی اور داماد محمد بن قاسم کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سندھ بھیجا، وہ مکران ہوتے ہوئے دیبل (کراچی) پہنچے، جہاں راجہ داہر کے نائب کو شکست دی، اور وہاں ایک مسجد قائم کی۔ اور چار ہزار مسلمانوں کو بسایا پھر کچھ کے قریب خود راجہ داہر کو شکست دی۔ اور اس کی فتوحات سندھ کا راستہ کھل گیا، ملتان کی فتح کے بعد ۹۵ھ میں حجاج کے انتقال کی خبر ملی۔ پھر ۹۶ھ میں ولید کی وفات کے بعد سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے یزید ابن ابی کبشہ السکسکیؒ کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا جہاں سے انھوں نے محمد بن قاسم کو قید کر کے والیٔ عراق صالح بن عبدالرحمٰن کے پاس بھیج دیا، جن کے بھائی کو حجاج نے خارجی ہونے کی بنیاد پر مروا دیا تھا۔ انھوں نے انتقام میں محمد بن قاسم جیسے فاتح کو بے دردی سے شہید کر دیا۔

نیرنگیٔ تقدیر دیکھئے کہ خود یزید بن ابی کبشہ کل ۱۸ دن سندھ کا گورنر رہا اور ۹۶ھ میں وہ بھی انتقال کر گیا، وہ تابعی تھے۔ اور ان سے مروی احادیث صحیح بخاری امام محمدؒ کی کتاب الآثار اور مستدرک میں موجود ہیں۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایام خلافت میں عمرو بن مسلم باہلی نے ۹۹ھ میں

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۳۔ ۴۵۱ (مصر ۱۹۰۱ء) نیز تاریخ ہند از سید ہاشمی فرید آبادی ۲/۱، حیدرآباد ۹

[2] علم حدیث میں برصغیر پاک و ہند کا حصہ: ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۲۸ (دہلی ۱۹۸۳) ترجمہ: شاہد حسین رزاقی

کچھ فتوحات کیں، اور کچھ استحکام پیدا کیا، مگر وہ حضرت عمرؒ کی وفات (۱۰۱ھ) کے ساتھ ہی معزول ہو گئے۔

ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ - ۱۲۵) نے اپنے عہدِ خلافت میں جنید بن عبدالرحمٰن مری کو والیٔ سندھ بنایا، جنھوں نے برہمن آباد، کیرج، مارواڑ، ماندور، اور بھروچ وغیرہ فتح کیے اور اچھے حکمراں ثابت ہوئے۔

سید ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں:

"جب جنید اس عہدے پر مامور ہوا تو ابن قاسم کی کشور کشائی کی یاد تازہ ہو گئی[1]"

سندھ کے عرب حکمرانوں میں حکم بن عوانہ کلبی کا نام بھی ہے، جنھیں ہشام اموی نے سندھ کا گورنر بنایا تھا۔ انھوں نے سندھ کے عمومی ارتداد و بغاوت کے بعد مسلمانوں کے لئے سمندر کے کنارے "محفوظہ" اور "منصورہ" نام کی دو بستیاں قائم کیں جو ان کے لئے محفوظ چھاؤنی ثابت ہوئیں۔

وہ سندھ ہی میں سنہ ۱۲۱ھ میں سندھی بغاوت فرو کرنے کی مہم میں شہید ہوئے (۲) ان کے بعد محمد بن قاسم کے صاحبزادے عمرو والی ہوئے، جنھیں یزید بن الولید نے سنہ ۱۲۵ھ میں معزول کر دیا، انھوں نے منصورہ کو مزید آباد کیا۔ اور ایک بڑی مسجد بنائی وہ بھی اچھا حکمراں تھا، مگر عربوں کی باہمی نزاع کے سبب اسے کچھ زیادہ کام کرنے کا موقع نہ ملا۔

منصور بن جمہور کلبی (۱۲۹ - ۱۳۲ھ) کا زمانہ باہمی خانہ جنگی میں گذرا، ابو مسلم خراسانی نے عباسی دور کی ابتدا میں موسیٰ بن کعب تمیمی کو اس کے مقابلے پر بھیجا جس سے اس نے شکست کھائی (۳) اور اس طرح اس کے ساتھ سندھ

---

(۱) تاریخ ہند ۱/۲۱۴ (۲) نزہتہ ۱/۲۵ - ۱۲۰ (۳) ایضاً ص ۱۳۴

Marfat.com

میں بنی امیّہ کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔

خلافت عبّاسیہ

سنہ ۱۳۲ھ / سنہ ۷۵۰ء میں عباسی خلافت قائم ہوئی جس کی بنیادیں ابو جعفر منصور کے عہد میں مضبوط ہوئیں اور فتوحات کا آغاز ہوا۔

موسیٰ بن کعب تمیمی (۱۳۴ - ۱۴۱ھ) نے سندھ میں عباسی اقتدار کو استحکام بخشا، اس نے منصورہ کی آبادی میں دلچسپی لی اور بڑی مسجد بھی بنوائی[1] اس کے بعد عمر بن حفص العتکی (۱۴۲ - ۱۵۱ھ) جو منصور کے بڑے فوجی افسروں میں تھے، سندھ کے والی ہوئے، مگر محمد بن عبداللہ، نفس زکیہ کی بیعت کے سبب ولایت سے معزول کر کے افریقہ کی مہمات پر بھیج دیئے گئے، جہاں قیروان میں سنہ ۱۵۱ھ میں شہید ہوئے۔

ہشام بن عمر تغلبی (۱۵۱ - ۱۵۷ھ) کے زمانہ میں فتوحات بھی ہوئیں، اور ہندوستانی اہل علم کا وفد سنسکرت کتابوں کے ترجمہ کے سلسلہ میں بغداد بھیجا گیا، جسے اسوقت کے حالات میں ایک بڑا ثقافتی کارنامہ سمجھنا چاہیئے (۲) کشمیر اور ملتان کی فتح بھی اس کا فوجی کارنامہ تھا[3]

اس کے بعد عرصے تک نزاریوں (حجازیوں) اور یمنیوں میں خانہ جنگی رہی، جسے داؤد بن یزید مہلبی (۱۸۵ - ۲۰۵ھ) نے نزاریوں کو زیر کر کے ختم کیا، اس کے زمانہ میں ہند و عرب کے علمی تعلقات بھی مضبوط ہوئے[4]

عمران بن موسیٰ برمکی (۲۲۱ - ۲۲۶ھ) بڑا فوجی ماہر تھا اس نے میدون

---

[1] نزہتہ الخواطر ۱/۳۴ [2] موسوعۃ التاریخ الاسلامی لبلاد السند والپنجاب للطرازی ۱/۲۶۲ (جدہ ۱۹۸۳ء)

[3] نزہتہ ۱/۳۸ نیز تاریخ ہند از فرید آبادی ۱/۲۱۸ [4] موسوعۃ تاریخ الہند للطرازی ۱/۲۸

Marfat.com

اور جاٹوں کو زیر کیا تھا، اس نے نزاری یمانی خانہ جنگی میں یمانیوں کا ساتھ دیا تو عمر بن عبدالعزیز ہباری نے اسے قتل کر کے سندھ کی ولایت خود سنبھالی۔

منصورہ کی ہباری سلطنت

عمر بن عبدالعزیز ہباری (۲۴۰ - ۲۷۰ھ) کے ذریعے قائم شدہ ہباری سلطنت سندھ میں پونے دو سو سال یعنی ۴۱۶ھ تک قائم رہی، جب سندھ پر سلطان محمود غزنوی کا قبضہ ہو گیا، عمر ہباری صحابیٔ رسول ہبار بن الاسود رضؓ کی چوتھی پشت میں تھے، خلیفہ متوکل علی اللہ کے عہد میں انھوں نے سندھ پر قبضہ کیا جسے خلیفہ نے بھی تسلیم کر لیا، یہ خاندان اگرچہ خود مختار تھا، مگر خطبے میں عباسی خلفاء ہی کا نام لیوا تھا، خلیج فارس میں بھی بڑھتے ہوئے شیعی اقتدار کے زیر اثر اس خاندان کے آخری حکمراں بدعقیدہ یا شیعہ ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۶ھ میں اس کا خاتمہ کر دیا،

مورخین کے کہنے کے مطابق منصورہ میں شیعی حکومت ۳۰۲ھ سے ۴۱۶ھ تک رہی، بہر حال ہباری حکام نے منصورہ (بھکر) کو تمدنی و ثقافتی لحاظ سے بہت ترقی دی، اس کے دوسرے ممتاز حکمراں عبداللہ بن عمر ہباری (۲۷۰ - ۳۰۱ھ) کے عہد میں ایک سندھی راجہ مسلمان ہوا اور اس کے لئے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی گئی جو کسی ہندوستانی زبان میں قرآن مجید کی پہلی تفسیر تھی ہے

ہباری دار الحکومت منصورہ کی تمدنی کیفیت کے متعلق بشاری مقدسی لکھتا ہے:- "منصورہ سندھ کا مرکز اور دار الحکومت ہے، دمشق کے مشابہ ہے، مکانات لکڑی اور مٹی کے ہیں، جامع مسجد پتھر اور اینٹ سے بنی ہے، اور بڑی

ہ موسوعۃ التاریخ السند للطرازی ۱/ ۲۹۹

ہے، اور ساکھو کی لکڑی کے پایوں پر قائم ہے اور جامع عمان کی طرح ہے۔ اسلام کو وہاں بہت رونق حاصل ہے، اور علم واہل علم بہت ہیں، اور مفید تجارتیں بھی ہیں، دیبل کے لوگوں کی زبان سندھی اور عربی ہے، وہاں اکثر لوگ محدثین کے مسلک پر ہیں، میں نے قاضی ابو محمد منصوری کو داؤدی مذہب کا امام پایا، وہ صاحب تدریس وتصنیف ہیں اور ان کی متعدد اچھی کتابیں ہیں، اہل ملتان شیعہ ہیں، اذان اپنے طور پر دیتے ہیں، حنفی فقہا سے کوئی بڑا شہر خالی نہیں، لیکن مالکی، معتزلی اور حنابلہ کا کوئی دخل نہیں، وہ لوگ صراط مستقیم اور پسندیدہ مذہب پر عامل ہیں، اور صلاح وتقویٰ سے متصف ہیں،،[1]

بشاری کے قریب تین سو سال بعد یاقوت بن عبداللہ حموی رومی مورخ (م ۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء) منصورہ کے بارے میں لکھتا ہے، وہاں حنفی مسلک کا غلبہ ہے اور وہاں کے ایک قاضی ابوالعباس داؤدی، سلک کے تھے اور وہ صاحب تصانیف بھی تھے،،[2]

وہ مزید لکھتا ہے،، منصورہ سندھ کا مرکز اور بڑا شہر ہے اور بڑی خوبیاں رکھتا ہے اور وہاں ایک بڑی مسجد ہے جس کے پائے ساکھو کے ہیں، وہاں دریائے مہران کی ایک خلیج بھی ہے، حمزہ کا کہنا ہے کہ برہمن آباد کو اب منصورہ کہتے ہیں، مسعودی کہتا ہے کہ وہ منصور بن جمہور اموی عامل کی طرف منسوب ہے، وہاں کے لوگوں میں مروت، صلاح ودین داری وتقویٰ اور تجارت کا شوق ہے[3]

ملتان کی عرب حکومت میں سومرہ اور بنو سامہ یا بنی مبنہ

ملتان ومنصورہ پہلی ہی صدی میں اسلامی فتوحات کے دائرے میں آگئے۔

---

[1] حسن التقاسیم ۴۸۱ (لیڈن ۱۸۷۶ء) [2] معجم البلدان ۳/۲۶۷ (بیروت ۱۹۷۷ء) [3] ایضاً ۵/۲۱۱

136846

Marfat.com

اور دونوں پر ایک ہی حاکم حکمراں رہا، مگر تیسری صدی کے وسط میں اس پر بنو سامہ کی مستقل حکومت قائم ہوئی، جو قریشی نسل کے تھے، خلیفہ معتضد کے زمانے میں ۔ (۲۷۹-۲۸۶ھ) میں اس خاندان کے ایک امیر محمد بن قاسم نے عمان کے قرامطہ کو زیر کر کے اپنی حکومت قائم کی مگر ۳۱۷ھ میں ابو طاہر قرمطی نے ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عمان پر دوبارہ قبضہ کر لیا، اس کے اثرات سندھ اور ملتان بھی پہونچے چنانچہ ۳۷۵ھ میں بشاری مقدسی وہاں شیعی حکومت کے قیام کی اطلاع دیتا ہے[1]۔

آخری قرمطی حاکم ابوالفتوح داؤد تھا جس پر سلطان محمود نے ۳۹۶ھ میں حملہ کیا اور بالآخر ۴۰۱ھ میں گرفتار کیا، اس طرح ملتان پر شیعی قرمطی حکومت ۲۵ رسال تک رہی[2] مگر غزنویوں کے بعد سومرہ کی حکومت میں باطنیت موجود رہی البتہ بنو سامہ سنی مسلمان تھے، جن کے حکمراں جام کہلاتے تھے، لیکن ان کے بارے میں بھی بہرحال مؤرخین میں اختلاف ہے، مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:-

غزنویوں کی کمزوری کے عہد میں جس مقامی قبیلہ نے سندھ پر قبضہ کیا وہ سومری کہلاتے ہیں، پھر محمد شاہ تغلق کے عہد میں ۷۵۲ھ میں جو دوسرا مقامی قبیلہ برسر حکومت آیا اور جو ۹۲۷ھ تک قائم رہا، وہ سمہ کہلاتا ہے، ان دونوں قبیلوں کی اصلیت کے متعلق مؤرخین میں سخت اختلاف ہے[3]۔

فتوحات سے پہلے جنوبی ہند میں مسلمانوں کی آبادیاں

یہ کہنا کہ ہندوستان میں اسلام فتوحات و غزوات کے ذریعے آیا ایک رخے

---

[1] احسن التقاسیم: ۴۸۱ [2] موسوعۃ تاریخ السند للطرازی ۱/۳۰۰، الکامل لابن الاثیر ۹/۱۸۶ ـ [3] عرب و ہند صفحہ ۳۵۸

اور یک طرفہ بیان کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں مسلمان تبلیغ و تجارت کے پرامن راستوں کے ذریعہ فتوحات سے پہلے پہونچ چکے اور ہندوستانیوں کے دلوں کو فتح کر چکے تھے، اور بڑی بڑی آبادیاں اور مسجدیں قائم کر چکے تھے، اس تاریخی حقیقت کی طرف جدید مسلم مورخین میں مولانا سید سلیمان ندوی نے خصوصی توجہ کی ہے، اور اپنی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" کا پانچواں باب "ہندوستان میں مسلمان فتوحات سے پہلے" کے عنوان سے لکھا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ شمالی ہندوستان سے پہلے جنوبی ہند میں مسلمانوں کی نو آبادیاں قائم ہو چکی اور اس کا سلسلہ درحقیقت تجارتی آمد و رفت سے وابستہ ہے، اس علاقے میں نہ صرف یہ کہ باہر سے مسلمان آکر آباد ہوئے بلکہ خود ملک کے باشندوں نے بھی اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تھا اس اثر اور نتیجہ کے پیدا ہونے کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں اور تاریخ کی کتابوں اور سفرناموں میں لکھی ہوئی ہیں، ان کا مشترک مفہوم یہ ہے کہ یہ اثر دو طرفہ کوششوں کا نتیجہ تھا، ایک طرف تو عرب تاجروں کی آمد و رفت اور دوسرے سراندیپ کے نقش قدم کی زیارت کو آنے والے صوفیوں اور درویشوں کی کرامت،

فرشتہ نے لکھا ہے کہ چونکہ اسلام کے پہلے ہی سے عرب ان جزیروں میں تاجرانہ آتے تھے، اور یہاں کے لوگ عرب جایا کرتے تھے، اس لئے سراندیپ کے راجہ کو اسلام اور مسلمانوں کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا، اور صحابۂ کرام ہی کے زمانہ میں سنہ ھ میں وہ مسلمان ہو گیا[1]

مسلم آبادی رکھنے والے علاقوں میں انھوں نے سراندیپ کو پہلا

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات ۲۹۵ - ۲۶۰ بحوالہ تاریخ فرشتہ ۲/ ۳۱۱

مقام دیا ہے، اس کے بعد مالدیپ، ملیبار (کیرالا) کولم (ٹراونکور) (یہاں مسلمانوں کا ایک محلہ آباد ہو گیا تھا، اور ان کی ایک جامع مسجد بھی تھی) معبر یا کارومنڈل، مسلمانوں کا پانچواں مرکز گجرات (کاٹھیاواڑ، کچھ اور کوکن کا علاقہ تھا) صیمور۔ (بمبئی) میں عربوں اور مخلوط النسل مسلمانوں کی آبادی مسعودی کی آمد و رفت کے وقت ۳۰۳ھ میں دس ہزار کی تھی، تھانہ کھمبایت، گوا، منگلور، کالی کٹ سے لیکر مدراس اور حیدرآباد کے ساحلی علاقوں میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں اور ثقافتی سرگرمیاں قائم تھیں۔[1]

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات صفحات ۳۵۱ - ۴۰۲

Marfat.com

باب دوم

ہندوستان عربوں کی نظر میں

پہلے باب میں قدیم ہندوستان سے عربوں کے تجارتی اور ثقافتی تعلقات کے بارے میں لکھا جاچکا ہے، اس باب میں ہندوستان کے بارے میں عرب سیاحوں، جغرافیہ نویسوں، مورخوں اور ادیبوں کے بیانات و تاثرات کا جائزہ لینا ہے، کہ انھوں نے ہندوستان کو کس نظر سے دیکھا اور اپنے موئے قلم سے اسکی کیسی تصویر کھینچی ؟

ہندوستان کے متعلق عربی لٹریچر کے مطالعہ سے یہ تأثر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ عرب اس ملک کو بحیثیت مجموعی پسند کرتے تھے، اس کی جغرافیائی وسعت، پیداواری صلاحیت کے ساتھ اس کے فلسفہ و حکمت کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنوبی اور مشرقی ایشیاء کے کسی ملک سے ان کا ایسا تعلق خاطر نہ تھا جیسا کہ ہندوستان سے تھا، اور اس میں کئی باتوں کا دخل تھا۔

ایک تو یہ کہ بحر عرب اور بحر ہند ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور جزیرہ نمائے عرب کے بعد ہندوستانی برصغیر Sub-Continent ہی ایک سیاح اور مسافر کے سامنے آتا ہے، اس لئے عرب اپنے بحری سفر میں ناگزیر طور پر ہندوستانی ساحلوں پر لنگر انداز ہوتے ہوئے، خلیج، بنگال، پھر مشرق بعید اور چین جاتے تھے، قریبی پڑوسی ہونے کے ناتے ان کا ہندوستان سے قربت Nearness محسوس کرنا ایک قدرتی امر تھا۔

Marfat.com

دوسرے ہندوستان کے موسموں کا اعتدال، اس کے باشندوں کا ذہنی وجسمانی طور پر عربوں سے یکسانیت، تجارتی سہولت، اور یہاں کے علوم وفنون کی کشش نے عربوں کو ہندوستان سے بہت قریب کر دیا، اور انھوں نے ہندوستان کو ہر زاویئے سے دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی، مؤرخین نے اس کی تاریخ پر توجہ کی، جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں نے جغرافی اور تمدنی معلومات بہم پہونچائیں، ادیبوں اور اہل نظر نے یہاں کے علوم وفنون مذہب وتہذیب اور حکمت وفلسفہ سے بحث کی اور ہندوستان سے اپنی پوری دلچسپی کا ثبوت دیا ہے۔ ۱؎

ہندوستان سے متعلق قدیم ترین عربی لٹریچر

چونکہ اسلام سے پہلے ہی سے عرب وہند کے درمیان تجارت اور آمدورفت کا سلسلہ موجود تھا، اس لئے عربی شعر وادب میں ہندوستان اور ہندوستانی چیزوں کا بہت پہلے سے تذکرہ ملتا ہے، جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے اپنی تاریخ کی ابتدا سے اب تک ہندوستان سے اپنی ہمہ جہت دلچسپی برابر برقرار رکھی ہے، اور اسے تحریری شکل بھی دی ہے،

عرب جاہلیت کی ادبیات میں ہندوستان کا ذکر خیر طرح طرح سے کیا گیا ہے اہل عرب حسن ہندی سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنی عورتوں کے نام ہند رکھنے لگے، ہندوستانی تلواروں کو سیف ہند کہنے لگے، ہندوستان کا بالواسطہ

۱؎ حضرت عمرؓ نے ایک بار ایک عرب تاجر سے ہندوستان کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ — بحرھا دُرّ وجبلھا یاقوت وشجرھا عطر (الاخبار الطوال: ابن قتیبہ دینوری ۳۳۶) (ہندوستان) کا سمندر تمام تر موتی، اسکے پہاڑ یاقوت اور اس کے درخت سراپا عطر وخوشبو ہیں۔

Marfat.com

ذکر ہندوستانی ایشیا کے ساتھ بھی قدیم عرب شعراء کے کلام میں جا بجا ملتا ہے، مشک، کافور، عود ہندی، زنجبیل، فلفل و قرنفل ساج (ساگوان) قسط (کٹھ) وغیرہ کے نام بکثرت آتے ہیں۔

اسلام کی آمد کے بعد عرب و ہند کے درمیان تعلقات میں مزید استواری اور بہتری پیدا ہوئی، اور متعدد احادیث میں حضرت آدمؑ کے نزول ہند کے ذکر سے ہندوستان سے مسلمانوں کو ایک ربط خاص پیدا ہو گیا۔ قاضی اطہر صاحب لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی خبروں سے اچھی طرح واقف تھے، اور متعدد مواقع پر آپؐ کی زبان مبارک پر اس کا ذکر آیا ہے[1]

ہندوستان کی سب سے قدیم تاریخ "چچ نامہ" ہے جسے منہاج المسالک، فتح نامہ، اور تاریخ ہند و سندھ بھی کہا جاتا ہے، یہ بعد کے تمام مورخین کا مرجع رہی ہے، اس کی قدامت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکا ہے، بعض مؤرخین اسے پہلی صدی ہجری کی تالیف بتاتے ہیں، چودھری نبی احمد سندیلوی لکھتے ہیں؛ اس تاریخ کی بابت یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سنہ ۱۱ھ سے بہت قبل مرتب کی گئی ہے۔ مترجم (محمد علی بن حامد بن ابوبکر کوفی، پیدائش ۵۵۵ ھ) نے ناصر الدین قباچہ کے عہد میں ۶۱۳ ھ ۱۲۱۶ء اوچہ میں بیٹھ کر چاچ نامہ کا ترجمہ کیا[2]۔

قاضی اطہر صاحب لکھتے ہیں:- "السرور (سندھ) کے خطیب و قاضی اسماعیل بن علی ثقفی سندھی (مولود سنہ ۷ھ) کے آباء و اجداد میں سے کسی عالم نے ایک کتاب "تاریخ السند و غزوات المسلمین علیہا و فتوحاتہم"

---

[1] عرب و ہند عہد رسالت میں از قاضی اطہر مبارکپوری ص ۱۵۱ (دہلی سنہ ۱۹۶۵ء)

[2] تذکرہ مؤرخین: نبی احمد سندیلوی ص ۲، ۱۰ (بنارس سنہ ۱۹۳۶ء)

Marfat.com

عربی زبان میں لکھی تھی، شاید کشف الظنون میں تاریخ السند سے مراد یہی کتاب ہو، غالباً یہ کتاب تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی تھی، مگر اس کا بھی صرف نام ہی نام باقی ہے، اس کا دوسرا نام منہاج الدین بھی تھا۔[۱]

ہندوستان کے ادیان و مذاہب پر سب سے پہلی کتاب "ملل الہند والأدیا نہا" آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں لکھی گئی، اس کے بعد پھر ہندوستانی علوم وفنون سے دلچسپی رکھنے والوں میں خاندان برامکہ سرفہرست ہے، جس کے ایک ممتاز فرد یحیٰ بن خالد برمکی (م ۸۰۵ء) نے "ہندوستان سے طبی جڑی بوٹیاں لانے اور ہندوؤں کے مذاہب قلم بند کرنے کے لئے ایک وفد بھی بھیجا تھا، مذکورہ بالا کتاب اسی وفد کے لیڈر نے مرتب کی تھی۔[۲]

خراسان کے سامانی گورنر نصر بن احمد کے وزیر جیہانی نے المسالک والممالک میں ہندوستان کے متعلق بہت کچھ لکھا۔ عبداللہ بن محمد ابن النشہری (م ۲۹۳ھ - ۹۰۵ء) نے بھی ہندوستانی مذاہب پر تنقید لکھی تھی، جو اب نایاب ہے اسی طرح "عیون المسائل والجوابات" ابوقاسم بلخی (م ۳۱۷ھ - ۹۲۹ء) اور "شرائع الأدیان" ابوزید بلخی (م ۹۳۴ء) "المقالات فی اصول الدیانات" المسعودی (م ۹۵۶ء)، "مقالات اہل الملل والنحل" قاضی صاعد اندلسی (م ۱۰۷۰ء) میں جو اب نایاب ہیں ہندوستانی مذہب و فلسفہ کے متعلق متنوع مواد ملتا ہے۔[۳]

ہم یہاں مختصراً ہندوستان پر لکھنے والے چند عرب مصنفین کی کتابوں

---

[۱] اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ص ۱۸ (دہلی سنہ ۱۹۶۹ء) ۹۳۹ء میں ڈاکٹر بوتا کی تحقیق کے ساتھ دہلی سے شائع ہو گئی ہے [۲] عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان از پروفیسر رشید احمد فارقی ص ۱۵ (دہلی ۱۹۷۳ء) [۳] ایضاً ۱۶

Marfat.com

کا تعارف کراتے ہیں، جن کی عرب و ہند تعلقات کے سلسلہ میں بڑی اہمیت ہے۔

جاحظ۔

(م ۲۵۵ھ - ۸۶۸ء) عربی کا صاحب طرز ادیب اور وسیع الاطلاع عالم تھا۔ بصرہ کا ہونے کی وجہ سے ہندوستانی اور مشرقی تاجروں کے ذریعہ اسے ان ممالک کی اچھی طرح واقفیت حاصل تھی، جس کا نمونہ اس کا رسالہ "فخر السودان علی البیضان" (گوروں پر کالوں کی فضیلت) ہے جس میں اس نے ہندوؤں کی خصوصیات بیان کی ہیں، ہندو بت پرستی سے متعلق اس نے ایک کتاب "الاصنام" بھی لکھی تھی[1] اس نے فخر السودان جیسے مختصر رسالے کے دو تین صفحات میں ہندوستان کے علوم وفنون، اور تہذیب و معاشرت وغیرہ پر جس اعتماد و بصیرت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے۔

ابن خرداذبہ

(م ۳۰۰ھ (تقریباً) نے جو عباسی دور میں ایران میں سرکاری خبر رسانی کا نگراں اور معتمد عباسی (م ۲۷۹ھ) کا مشیر تھا، عربی میں عالمی جغرافیہ کی قدیم ترین کتاب نویں صدی عیسوی کی ابتداء میں "المسالک والممالک" کے نام سے لکھی، جو بعد کے جغرافیہ نویسوں، یعقوبی، اصطخری، مسعودی اور ادریسی کا مرجع رہی۔ اس نے ہندوستان کے ساحلی شہروں کے ساتھ ہندوستان کی مختلف ذاتوں اور ان کے عقائد کا بھی بیان کیا ہے، سندھ و ہند کے بحری و بری راستوں اور جغرافیہ سے بھی خصوصی بحث کرتا ہے۔

---

[1] [illegible] رسائل الجاحظ ۸۱، ۸۲ [illegible] ۱۹۴۲ء

سلیمان تاجر اور ابوزید سیرافی

سلیمان سیراف کا رہنے والا ایک تاجر و سیاح تھا، جو خلیج عرب سے لیکر چین بندرگاہ کینٹن کا تجارتی سفر کرتا تھا۔ اس نے ۲۳۷ ہجری / ۸۵۱ء میں اپنا سفرنامہ لکھا جس میں ساحلی شہروں ان کی حکومتوں اور جزیروں کے متعلق عام تمدنی معلومات فراہم کی ہیں خاص طور پر ہندوستان اور چین کی تہذیب و تمدن پر لکھا اور ان کا باہمی موازنہ کیا ہے۔ ۳۲/ سال بعد ۲۶۲ھ میں ابوزید سیرافی نے سلیمان کی کتاب "سلسلۃ التواریخ" کا تکملہ لکھا، اور اس کتاب پر بہت قیمتی اضافہ کیا۔ اسے فرنچ مستشرق Reinaud نے فرنچ ترجمہ اور حواشی کے ساتھ ۱۸۴۵ء میں سلسلۃ التواریخ کے نام سے شائع کیا تھا۔

تاریخ یعقوبی

احمد بن ابی یعقوب یعقوبی (م ۲۸۷ھ) مشہور مورخ ہے، اس نے اپنی کتاب کی فصل ملوک الہند میں ہندوستانی راجاؤں کا تعارف کرایا ہے۔ مگر انکے حدود مملکت بتانے میں اس سے غلطی ہوئی ہے، ہندوستانی علوم و فنون پر اس نے اچھی بحث کی ہے[1]

اس کے بعد کے بڑے مورخین جیسے طبری، ابوالفداء اور ابن اثیر وغیرہ نے ہندوستان کے سلسلے میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔

الاعلاق النفیسہ لابن رستہ

اس کی یہ کتاب ۲۹۰ھ/ ۹۰۳ء کے قریب لکھی گئی، لوگوں کا کہنا ہے کہ

---

[1] تاریخ الیعقوبی ص ۸۳ / ۹۳ دار صادر بیروت)

Marfat.com

یہ سات ضخیم جلدوں میں تھی، جس کا آخری حصہ موجودہ گیا ہے، اس نے ہندوستان سے لیکر چین تک کے سمندروں کی کیفیت اور ان کے موسمی تغیرات پر تفصیل سے لکھا ہے، اور مذاہب ہند کی تفصیل دی ہے[1]

مسالک الممالک، اصطخری

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اصطخری نے ہندوستان کا سفر ۳۴۰ھ میں کیا تھا، اس کی یہ جغرافی کتاب دسویں صدی عیسوی کے وسط میں لکھی گئی، اس نے عالم اسلام کو بیس اقلیموں میں تقسیم کر کے ان کا تعارف کرایا ہے، سندھ اور ہند کے بعض مشہور شہروں کے فاصلوں کے علاوہ تمدنی امور سے بھی بحث کی ہے، اور راجستھان، گجرات اور مہاراشٹر میں مسلمانوں کی بستیوں کی موجودگی کی اطلاع دی ہے، اس نے ایشیا کے بہت سے ممالک کی سیاحت کے بعد ان کا مستند جغرافی نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، جن میں ہندستان بھی شامل ہے۔

اصطخری نے ابن حوقل بغدادی سے ہندوستان میں ملنے کا ذکر کیا ہے، ابن حوقل بہت بڑا سیاح تھا جس نے ۳۳۱ھ سے ۳۵۸ھ تک یورپ، افریقہ اور ایشیا، کی سیر کی تھی، اور ان براعظموں کا نقشہ پیش کرنے کی سعی کی تھی، اس نے ہندوستان کے نقشہ نویسی پر خصوصی توجہ کی تھی، اصطخری نے بھی جغرافی نقشے تیار کیے تھے۔

مروج الذہب للمسعودی

مسعودی (م ۳۴۶ھ) نے کتاب کا مکمل نسخہ ۳۴۵ھ/ ۹۵۶ء میں

---

[1] الاعلاق، لیڈن ۱۸۹۱ء

تیار کیا تھا، یہ ایک طرح کی دائرۃ المعارف ہے، مگر تاریخ وجغرافیہ اور فلکیات سے زیادہ اعتنا کیا ہے، مسلمان اور یونانی جغرافیہ نگاروں کی معلومات کا خلاصہ پیش کر دیا ہے، اس کے مقدمے میں اقوام عالم کی اجمالی تاریخ آگئی ہے، اس نے سندھ، گجرات اور مہاراشٹر وغیرہ کی سیاحت کی تھی، اس لئے ہندوستانی تاریخ وجغرافیہ سے متعلق اس کے بیانات بہت مستند حیثیت رکھتے ہیں، ایک مستند مؤرخ ہونے کی وجہ سے اس کی تاریخی تحقیقات کا پایہ بہت بلند ہے۔ ان تمام عربی تحریروں میں جو ہندوستان کی تاریخ وتمدن کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ اس کی تحریر بہت اہمیت اور وقعت رکھتی ہے۔ اس نے اس کتاب کی پہلی جلد میں تفصیل اور بقیہ تین جلدوں میں اجمال کے ساتھ ہندوستان کے تعارف کی کوشش کی ہے[1]

اس نے اپنی دوسری تاریخ کتاب "التنبیہ والاشراف" بھی پہلی کتاب کی نظر ثانی کے وقت مرتب کی، اس میں ہندوستان کے مشہور دریا گنگا اور جمنا کے بارے میں بہت تحقیق سے لکھا ہے مگر ہندوستان کا ذکر سرسری ہے[2]

اس نے "اخبار الزمان" نامی اپنی ضخیم کتاب میں جس کا ایک حصہ مصر سے شائع ہوا تھا، بحر ہند کے جزیروں کا تعارف کرایا ہے کتاب کا بیشتر حصہ نایاب ہے،

احسن التقاسیم للمقدسی

محمد بن احمد بشاری مقدسی نے ۳۷۷ھ میں یہ کتاب مکمل کی، جو عربی میں جغرافیہ کی اہم کتاب ہے، وہ ایک محتاط جغرافیہ نویس اور سیاح تھا، اس

---

[1] مروج الذہب ۱/۳۲-۳۶ (قاہرہ سنہ ۱۳۰۳ھ) [2] التنبیہ والاشراف (بیروت ۱۹۸۱ء)

Marfat.com

نے عالم اسلام کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرنے کے ساتھ سندھ اور
پنجاب سے متعلق بھی مفید معلومات فراہم کی ہیں اور اس کے لئے مستقل باب
قائم کیا ہے اور تمام ضروری تفصیلات پیش کی ہیں، فتوحات سندھ و ہند کی
سابقہ کتابیں اس کے پیش نظر رہی ہیں، اس لئے اس نے اپنی کتاب میں ان
سب کا ضروری عطر و خلاصہ تیار کر لیا ہے، منصورہ دیبل اور ملتان کے بارے
میں اس نے چشم دید معلومات و مشاہدات نقل کی ہیں، اس طرح اس کی کتاب
اپنے موضوع پر سب سے مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے[1]

فہرست ابن ندیم

محمد بن اسحاق الندیم (م ۳۸۵ ھ) نے اپنی فہرست ۳۷۷ھ میں
لکھنے کے بعد اپنی وفات تک اس میں اضافے کئے، اس میں اس نے ان تین
درجن سے زائد ہندوستانی کتابوں کے عربی تراجم کا ذکر کیا ہے، جو مختلف
علوم و فنون سے متعلق تھیں، اور براہ کے ذریعہ ترجمہ کی گئیں تھیں، اس طرح
وہ کتابیں بھی گویا ہندوستانی اہل علم کے اشتراک و تعاون سے وجود
میں آئیں۔

فہرست کے مرتب کے لکھنے کے مطابق ابن ندیم نے اپنی فہرست
۳۷۷ھ میں مرتب کی اور اس کے ایک سال کے بعد ۳۷۸ھ میں وفات پائی،[2]

آثار البلاد و اخبار العباد، قزوینی

زکریا بن محمد قزوینی کی کتاب "آثار البلاد" میں ہندوستان کے مختلف

---

[1] احسن التقاسیم ۸۱ - ۴۷۹ (لیڈن ۱۸۷۷ء) [2] الفہرست (بیروت ۱۹۷۸ء)

Marfat.com

شہروں سے متعلق معلومات ملتی ہیں، مگر وہ بالواسطہ ہیں، اس نے بھی سندھ و ملتان، گجرات اور بحرِ ہند کے متعلق معلومات خاص طور پر فراہم کی ہیں[1]،

عجائب الہند، بزرگ بن شہریار:-

بزرگ بن شہریار نے اپنا سفر نامہ ۳۰۰ھ میں لکھا، اس نے ہندوستان سے چین تک کے بحری راستے میں پڑنے والے ممالک کے عجائب و غرائب پر روشنی ڈالی ہے، اس میں اس نے صرف بحری عجائب ہی نہیں، تہذیبی عجائب سے بھی بحث کی ہے۔ جو اس کے لئے نامانوس تھے، جنوبی ہند، و گجرات کے مذہب اور معاشرت سے خصوصی بحث کی ہے۔

نزہتہ المشتاق، ادریسی:-

شریف ادریسی (ابو عبید اللہ محمد) نے ۵۴۸ھ/ ۱۱۵۴ء میں اپنی کتاب مرتب کی، اس کی بیشتر معلومات سابق جغرافیہ نویسوں کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، اور ان میں غلطیاں بھی ہیں،[2]

طبقات الامم: قاضی صاعد اندلسی:-

قاضی صاعد بن احمد اندلسی (م ۴۶۲ھ/ ۱۰۷۰ء) کی یہ کتاب دراصل مختصر انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جو دنیا کی آٹھ مہذب اور علم دوست اقوام، یعنی ہندوستانی، ایرانی، کلدانی، عبرانی، یونانی، رومی، مصری اور اہل عرب کے فلسفہ، وسائنس سے بحث کرتی ہے، مصنف چونکہ ایک ہمہ داں اور ہمہ گیر ذہن کا مالک تھا، اس لئے اس نے اقوام عالم کی علمی خدمات پر مبصرانہ نگاہ ڈالی اور ان کی قدر و قیمت کا تعین کیا ہے،

---

[1] طبع بیروت ۱۹۷۹ء [2] ہندوستان سے متعلق حصہ ڈاکٹر مقبول احمد نے وصف الہند و ما یجاورہا کے نام سے علی گڈھ سے شائع کر دیا ہے

Marfat.com

اس نے قدیم ہندوستان کی علمی وفکری سرگرمیوں کو قدر وتحسین کی نظر سے دیکھا ہے، اور ہندوستان کے نجوم وفلکیات سے خاص بحث کی ہے[1]

فتوح البلدان: بلاذری:-

احمد بن یحییٰ البلاذری وہ فاضل جغرافیہ نویس ہے، جس نے پوری تحقیق کے ساتھ دنیا میں اسلام کی اولین فتوحات پر لکھا ہے، اس نے ہندوستان میں اسلامی فتوحات پر بھی تفصیل سے لکھا ہے[2]

الملل والنحل: شہرستانی:-

عبدالکریم شہرستانی (م ۵۴۹ھ) کی یہ کتاب دنیا کے اقوام وملل کے مذاہب وافکار اور علوم وفنون کی دائرۃ المعارف اور قاموس ہے مگر ہندو ماخذ سے براہ راست واقفیت نہ ہونے کے سبب ہندو مذہب کی تفصیلات کو سمجھنے میں اس سے متعدد غلطیاں ہوگئی ہیں۔

مسالک الابصار: عمری:-

قاضی ابن فضل اللہ عمری دمشقی (م ۷۴۹ھ/ ۱۳۴۸ء) کی یہ کتاب بھی دائرۃ المعارف کے طرز پر ہے اور عالمی تاریخ وجغرافیہ سے بحث کرتی ہے، مصنف محمد بن تغلق (م ۷۵۲ھ) کا معاصر تھا اس لئے اس نے اس بادشاہ سے ذاتی واقفیت رکھنے والوں سے مل کر اور دوسرے مستند ذرائع سے ہندوستان کے تاریخی، جغرافی، اقتصادی اور معاشرتی پہلوؤں سے تحقیقی بحث کی ہے، جس سے محمد بن تغلق کے ہندوستان کا صحیح ریکارڈ سامنے آجاتا ہے، اور جو اپنے مواد کی صحت اور تحقیق کے سبب فارسی تاریخوں پر بھی فوقیت رکھتا ہے، اس نے ہندوستان کا جن اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے، ان سے

---

[1] طبقات الامم (اردو اعظم گڑھ) سنہ ۱۹۴۸ء [2] فتوح البلدان، (قاہرہ سنہ ۱۹۰۱) ص ۴۳۸-۴۵۱

Marfat.com

اس کے تعلقِ خاطر اور ذاتی دلچسپی کا پتہ چلتا ہے[1]

ان کتابوں کے علاوہ دوسری بہت سی کتابوں میں ہندوستان کا ذکر موجود ہے، مثلاً ادب وانشا کی کتابوں میں نویری (م ۷۳۲ھ) کی "نہایۃ الأرب فی فنون الأدب" میں بحرِ ہند کے بہت سے جزائر و مقامات اور دریاؤں کا ذکر موجود ہے،

اسی طرح ابو العباس احمد قلقشندی (م ۸۱۸ھ) کی "صبح الأعشیٰ فی صناعۃ الانشاء" میں جو انشا پردازوں اور سرکاری دفاتر سے تعلق رکھنے والوں کی عام معلومات میں اضافہ کے لئے لکھی گئی تھی، ادبی دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے، ہندوستان اور اس کی مخصوص پیداواروں اور شہروں کا ذکر موجود ہے، اس نے دہلی کا بھی تفصیلی اور محمد بن تغلق تک مسلم دورِ حکومت کا اجمالی ذکر کیا ہے[2]۔

ابتدائی فتوحاتِ ہند پر محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ) کی "اخبار فتوح بلاد السند" اور ابو الحسن علی بن مدائنی (م ۲۲۵ھ) کی تین کتابوں "ثغر الھند" کتاب عمال الہند اور کتاب مکران، ہندوستان ہی سے متعلق تھیں، جن کے اب صرف اقتباسات ہی ملتے ہیں[3] طبری نے اپنی تاریخ میں ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔

اسی طرح تاریخ و تذکرہ اور سیر و سوانح کی ہر مستند عربی کتاب میں ہندوستانی علماء و فضلاء کے حالات بھی ملتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ

---

[1] اس کتاب کا ہندوستان سے متعلق حصہ دلی یونیورسٹی کے پروفیسر خورشید احمد فاروقی نے "ضوءِ جدید علی تاریخ الھند" کے نام سے عربی میں اور تاریخ ہند پر نئی روشنی کے نام سے اردو میں ۱۹۶۱ء میں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع کیا تھا۔ [2] صبح الاعشیٰ ۵/۹۱۔ [3] اسلامی ہند کی عظمت رفتہ: قاضی اطہر مبارکپوری ص ۱۶، ۱۷ (دہلی ۱۹۶۹ء) ۹۸ (قاہرہ ۱۹۱۴ء)

Marfat.com

عرب اور مسلمان مصنفین نے ہندوستان کی علمی وثقافتی تاریخ سے برابر اعتناء کیا ہے، اور ایک تاریخی تسلسل کے ساتھ ہندوستان سے اپنی ہمہ جہت دلچسپی اور تعلق خاطر کا ثبوت دیا ہے۔

ابن القفطی کی تاریخ الحکماء، ابن أبی اصیبعہ کی طبقات الاطباء قاضی رشید بن زبیر کی، کتاب الذخائر والتحف، علی بن طبری کی فردوس الحکمۃ، ابوبکر زکریا رازی کی، الحاوی، وغیرہ متعدد کتابوں میں ہندوستانی علوم وفنون اور تہذیب وثقافت سے متعلق بیش قیمت مواد موجود ہے، جس سے عربوں اور مسلمانوں کی ہندوستان سے متعلق دلچسپی اور گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

باب سوم

"ہندوستان میں عرب حکومتیں اور عربی زبان وادب"

خلافتِ راشدہ اور ابتدائی اموی دور میں ہندوستان کے ساحلی مقامات پر متعدد فوجی پیش قدمیاں ہوئیں، جن کے نتیجے میں وہاں کچھ مسلم آبادی بھی ہوگئی، مگر سندھ میں باقاعدہ عرب حکومت کا آغاز ۹۲ھ میں محمد بن قاسم ہی کے فتوحات کے بعد ہوا، اور جس کا سلسلہ تین سو سال سے زیادہ اور سلطان محمود غزنوی کی فتح سندھ اور پنجاب تک قائم رہا، تقریباً ساڑھے تین سو سال کی عرب حکومت کے نتیجے میں سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں اسلامی تہذیب وثقافت کو فروغ حاصل ہوا، اور وہ غزنوی وغوری فتوحات کا پیش خیمہ وبنیاد ثابت ہوئی، جس پر ان مضبوط حکومتوں کے ستون قائم ہوئے،

عربوں کے محتاط ومعتدل اور شریفانہ برتاؤ نے سندھ وپنجاب کے مقامی باشندوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جگہ پیدا کر دی، جس کی وجہ سے یہاں مذہب کے ساتھ عربی علم وادب کو بھی ترقی پذیر ہونے کا موقع ملا، اور دوسری ہی صدی میں یہاں فقہ وحدیث اور شعر وادب کو فروغ حاصل ہونے لگا، اور سندھ کے علماء ومحدثین نے عالم عربی کے علمی مرکزوں اور شخصیتوں سے افادہ واستفادہ کا سلسلہ قائم کر دیا، جس کے نتیجے میں ہم صحاح ستہ اور دوسرے حدیثی مجموعوں میں سندھی رجال اور راویوں کی ایک بڑی تعداد کو دیکھنے لگتے ہیں،

دوسری طرف عربوں کی فتح سندھ کے ذریعے ہندوستان کو اسلام

اور مسلمانوں کی ثقافت و تہذیب و تمدن و معاشرت اور عقیدہ و عمل کے سمجھنے
اور دیکھنے کا قریبی موقع ملا، جس کی وجہ سے وہ اس نئی عالمی تہذیب اور انقلابی
نظریے سے آگاہ ہوا، اور اس کے فکر و نظر کے روایتی سانچوں میں تبدیلی ہوئی
اور اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت، اخوت و مساوات اور اخلاقی تعلیمات نے
دھیرے دھیرے ہندوستانی ذہن و فکر کو متاثر کرنا شروع کیا، اور بالآخر
ہندوستانی تہذیب و تمدن پر اپنے گہرے آثار و نقوش مرتب کئے، اور ہندوستان
کے تہذیبی و ثقافتی ورثہ کو متنوع اور بیش قیمت بنانے میں پورا حصہ لیا۔

ہندوستان کے بعض نئے مؤرخین یورپی مورخین کی تقلید میں سندھ
میں عرب فتوحات کو وقتی حادثہ (EPISODE) سمجھتے ہیں[1] حالانکہ حقیقت
یہ ہے کہ سندھ و ملتان کی عرب حکومتیں اپنے مکانی رقبہ اور زمانی وقفہ کے لحاظ
سے اگرچہ زیادہ وسیع نہ تھیں مگر اپنے ثقافتی امکانات و اثرات کے اعتبار سے
بہت دور رس اور دیرپا ثابت ہوئیں، اگر وہاں عربوں نے زمین ہموار نہ کی ہوتی
تو سلطان محمود غزنوی اور بعد کے سلاطین وہاں اسلامی حکومت قائم کرنے میں
بڑی دشواری محسوس کرتے، اور اسلامی دعوت و ثقافت کی اشاعت میں بہت
تاخیر ہوتی، یہ عربوں ہی کا خالص اسلامی اخلاق و تعلیمات پر مبنی طرز عمل کا مبارک
نتیجہ تھا کہ سندھ و پنجاب کے علاقے شروع سے اب تک مسلم اکثریت کے علاقے
چلے آرہے ہیں، اور سندھی و پنجابی زبانوں میں عربی الفاظ کی بہتات ہے،
اور مجموعی طور پر ان کے ثقافت و تمدن پر اسلامیت و عربیت کی بڑی گہری
چھاپ موجود ہے،

سندھ کی زبان پر عربی ثقافت کا بہت دیرپا اثر پڑا، اور سندھی زبان

---

[1] The Sultanate Of Delhi، V D. Mahajan P. 25-25، Delhi 1978

عربی الفاظ سے پر ہو گئی، اصطخری نے لکھا ہے کہ منصورہ کی طرح ملتان اور اس کے اطراف کی زبان عربی و سندھی تھی[1]

سندھ پر عرب دور حکومت میں علوم اسلامیہ خصوصاً فقہ و حدیث کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا، مسجدوں کے ساتھ ساتھ مدرسوں کے قیام کے سبب یہاں دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی سے فقہ و حدیث کے ماہرین پیدا ہونے لگے، اور دینیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے عالم عربی خصوصاً بغداد جانے لگے، جہاں انھوں نے علوم دینیہ خصوصاً حدیث کے ائمہ و مشائخ سے استفادہ کیا، اور دوسروں کے لئے اپنے اہم افادات عام کئے، چنانچہ ہم صحاح ستہ اور دوسرے ابتدائی مجامیع حدیث میں سندھی راویوں کی ایک خاصی تعداد دیکھتے ہیں جو ہندوستان اور سندھ کے مفاخر میں شمار ہوگی،

ممتاز افراد کے علاوہ محدثین کے کئی خانوادے حدیث و سنّت کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے، اور نسلاً بعد نسل علم و دین کی مبارک مشغولیت کا شرف انھیں حاصل ہوا، عرب و ہند تعلقات کے ممتاز مورخ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں :-

"آل ابی معشر نے دوسری صدی سے چوتھی صدی تک مدینہ اور بغداد میں حدیث و سیر اور مغازی میں اپنی امامت کا سکہ چلایا، سندھ کا ایک اور علمی خاندان خراسان میں جاکر آباد ہوا، جس نے نسل در نسل علم و حدیث میں امامت و سیادت پائی، ان میں ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء السندھی نے صحیح مسلم کے طرز پر ایک اہم کتاب "المستخرج علی صحیح مسلم" لکھی تھی، اسی طرح دیبل کا ایک علمی خاندان مدتوں بیت العلم رہا، ابوجعفر محمد بن ابراہیم

---

[1] مسالک الممالک ۱۷۷

دیبل محدث مکہ (م ۳۲۲ھ) اوران کے صاحبزادے ابراہیم نے احادیث کی ترویج وروایت میں نمایاں خدمات انجام دیں[1]"

دوسرے ہندی الاصل محدثین میں آل بیلمان، بھیلمان، (سوراشٹر) سے گئے، اور حضرت عمرؓ کے موالی ہوئے، ان کے جد امجد عبدالرحمٰن بن ابی زید البیلمانی، حضرت عمرؓ کے موالی تھے، اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے قیقان یا گیگان (قلات) حضرت علیؓ کے زمانے میں حارث بن سرہ عبدی کے ذریعے فتح ہوا وہاں سے آل مقسم قیقانی کا محدث خاندان پیدا ہوا، قاضی اطہر صاحب اپنے مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث اموی دور تک" میں لکھتے ہیں :

یہاں کے محدثین میں سب سے پہلا نام شیخ عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیبلی کا ملتا ہے، ان کے بارے میں امام عقیلی کے دادا کا بیان ہے کہ ہمارے یہاں ایک بڑے شیخ آئے، جو اعمش (م ۱۴۸ھ) اور عمرو بن عبید سے روایت کرتے تھے[2]

اس دور کے محدثین میں یزید بن عبداللہ قرشی ہبیری، سندھی بصری مشہور محدث تھے، جنھوں نے یہاں سے بصرہ جاکر واقدی، ابن جریج ثوریؒ وغیرہ سے روایت کی، اوران سے قواریری، طیالسی، اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کی[3]

دوسرے محدثین میں سندھی بن شماس بصری (تلمیذ ابن سیرین وعطا موسیٰ سیلانی، اور عبدالرحمٰن سندھی، حضرت انسؓ کے تلامذہ میں تھے[4]

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۳/ ۳۲۲ (دہلی ۱۹۶۷ء)
[2] لسان المیزان ۶/ ۸۱۵ [3] تاریخ کبیر ۲/ ۱۱۷ [4] ایضاً ۳/ ۲۹۵

Marfat.com

ابو شیخ بن حماد ہندی نے ابن عمرؓ سے روایت کی اور ان سے ہیسن
(بن) فہدان نے[1]

ہندوستان آنے والے ممتاز محدثین و تابعین میں قاضی صاحب
نے تیس[30] حضرات کے نام گنائے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:-

عمر بن عبید اللہ بن معمر قرشی تیمی، مہلب بن ابی صفرہ ازدی، عباد
بن زیاد، سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی، زائدہ بن عمیر طائی، عطیہ بن سعد بن
جنادہ عوفی، موسیٰ بن سنان ہذلی، حکم بن عوانہ کلبی (تبع تابعی) ابو قیس
زیاد بن رباح قیسی، قیس بن ثعلبہ، ابو شیبہ جوہری، زید بن حواری، ہلال
بن احوز مازنی، مفضل بن مہلب ازدی الخ[2]

قاضی صاحب نے ہندوستان میں روایت حدیث کی ابتداء
کا سراغ لگاتے ہوئے لکھا ہے کہ "روایت حدیث کا آغاز دوسری صدی
کے شروع میں ہوا، محمد بن عزاز بن اوس القضاعی المشہور بہ جبیل نے جو سندھ
میں منصور بن جمہور کے ہاتھوں شہید ہوئے) قیس بن بسر بن السندی النمری
سے سماعت حدیث کی تھی اس طرح ہمارے علم میں دوسری صدی کی
تیسری دہائی میں، ہندوستان میں اولیں روایت حدیث تھی، اور اس کے
بعد تو ہندوستان راویوں اور محدثین کرام کا مرکز ہو گیا، حاکم کہتے ہیں کہ
بلاد اسلامیہ میں سب سے زیادہ ہندوستان کے طالبان حدیث، محدث
ابو العباس الأصم کے پاس آتے تھے، ان کے یہاں میں نے اندلس، قیروان،
بلاد مغرب، طراز و اسبیجاب، اور اہل مشرق، منصورہ، ملتان، بست و سجستان،
فارس و شیراز اور خوزستان کے لوگوں کو ان کے دروازے پر دیکھا، جو

---

[1] الثقات ۳/۳ [2] معارف جنوری، فروری ۱۹۷۳ء

Marfat.com

عظمت و شہرت، دینداری اور عالم اسلام میں مقبولیت کی انتہا ء تھی"[1]

ربیع بن صبیح بصریؒ: اسلام کے اولین مصنفین میں:-

حضرت ربیع بن صبیحؒ تبع تابعی ہیں، اسلام کے اولین مصنفین میں ہیں، اور ہندوستان کی خاک میں مدفون ہو کر اس کی عظمت کا باعث ہیں"

علامہ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) حضرت ربیع کے بارے میں لکھتے ہیں: ربیع بصرہ کے اعیان مشائخ میں تھے، انھوں نے حسن بصری، ابن سیرین، عطاء ثابت بنانی اور محدثین کی ایک جماعت سے روایت کی، اور ان سے وکیع، ابن مہدی، ابو داؤد طیالسی نے روایت کی، ابن معین انھیں ثقہ کہتے ہیں، اور امام احمدؒ ان سے روایت میں حرج نہیں سمجھتے، شعبہ انہیں سادات مسلمین میں سمجھتے ہیں، وہ بہر حال بڑی شخصیت کے مالک تھے، امام نسائی نے ان کی تضعیف کی ہے، ان سے روایت کرنے والوں میں سفیان ثوری، ابن المبارک اور وکیع بھی ہیں:-

ابو محمد رامہرمزی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں بصرہ میں سب سے پہلے ربیع نے تصنیف و تبویب کی، پھر ابن ابی عروبہ نے لکھا، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ بارنل (باربد) کا واقعہ سنہ ۱۶۰ھ میں ہوا جس میں ربیع نے انتقال کیا"[2]

حافظ ابن حجر عسقلانی[3] اور چلپی[4] نے آپ کی اولیتِ تصنیف کے بارے میں رامہرمزی ہی کا قول نقل کیا ہے، امام احمدؒ اور ابو حاتم رازی نے

---

[1] الدر الثمین للسیار کپوری ۲۸۵ (بمبئی ۱۹۶۸ء) [2] سیر اعلام النبلاء ۷/۲۸۹ (بیروت ۱۹۸۱) [3] تہذیب التہذیب ۳/۲۴۷، مقدمہ فتح الباری ص۶ (طبع سعودی)

[4] کشف الظنون ۱/۳۶ (استانبول ۱۳۱۰ھ)

Marfat.com

آپ کو مرد صالح کہا ہے، امام شافعیؒ آپ کو مرد مجاہد کہتے تھے[۱]

غزوۂ باربد (بھاڑبھوت۔ گجرات) میں مہدی کی فرستادہ فوج میں پھیلی ایک بیماری میں وفات پائی، اس کا ذکر ابن سعد، بلاذری، طبری، اور ابن الاثیر نے کیا ہے۔

ان کے اساتذہ میں مجاہد، یزید رقاشی، قیس بن سعد، حمید الطویل کے بھی نام آتے ہیں، تلامذہ میں، امام محمدؒ نے "الحجۃ علی اھل المدینۃ" میں آپ سے روایت کی ہے[۲] ان کے تلامذہ میں ابن المبارک اور سفیان ثوری کے نام بھی ہیں،

امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کہتے ہیں کہ القطان ان سے مطمئن نہ تھے، ابن المدینی انہیں صالح مگر غیر قوی کہتے ہیں، ابن معین ونسائی ان کی تضعیف کرتے ہیں، ابن سعد بھی حدیث میں انھیں ضعیف مانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان سے سفیان ثوری روایت کرتے ہیں، مگر عفان نے انھیں متروک کیا اور کوئی روایت نہیں کی[۳] بعض مؤرخین کے نزدیک وہ اسلام کے اولین مصنّفین میں ہیں

مولانا محمود حسن خاں ٹونکی اسلام کے اولین مصنّفین کے بارے میں لکھتے ہیں:۔ جب ابن جریج اور امام مالکؒ وغیرہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے حدیث کی تدوین کی، چنانچہ مؤرخین کہتے ہیں کہ اسلام میں اولین تصنیف ابن جریج کی ہے، بعض لوگ مؤطا کو اور بعض ربیع ابن صبیح کی کتاب کو کہتے

---

[۱] الجرح والتعدیل لابی حاتم الرازی ۱/۴۶۵ [۲] اسلامی ہند کی عظمت رفتہ: قاضی اطہر مبارکپوری ص ۱۵۰-۱۶۴ (دہلی ۱۹۶۹ء) [۳] التاریخ الکبیر ۳/۲۷۸، التاریخ الصغیر ۱۳۵/۲ (قاہرہ ۱۹۷۷ء) طبقات بن سعد ۷/۲۷۷، (دار صادر بیروت)

ہیں، پھر حدیث کی جمع وتدوین کا کام بکثرت ہونے لگا، اور اس کا فائدہ عام ہوگیا،

اولین مصنّف کے بارے میں اختلاف ہے، بعض لوگوں نے امام عبد الملک بن عبدالعزیز بن جریج بصری (م ۱۵۵ھ) اور بعضوں نے سعید بن ابی عروبہ (م ۱۵۶ھ) کو بتایا ہے، پھر ابن عیینہ اور امام مالکؒ نے مدینہ میں، عبد اللہ بن وہب نے مصر میں، معمر و عبدالرزاق نے یمن میں، ثوری، ابن غزوان نے کوفہ میں، اور حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ نے بصرہ میں، ہشیم نے واسط میں اور ابن مبارک نے خراسان میں لکھنے کا آغاز کیا ہے[1]

مولانا آزاد بلگرامی بھی انھیں عہد اسلامی کا پہلا مصنّف قرار دیتے تھے[2]

آپ کا مدفن بھاڑبھوت (Bhadbhut) شہر بھڑوچ سے بیس کلومیٹر نرمدا ندی کے کنارے ہے، اور وہاں ان کی قبر مشہور ہے، مگر یہ نقلی ہے، ان کی اصلی قبر کچھ فاصلے پر نرمدا ندی کے اندر عالیہ بیٹ، نامی ٹیلے پر ہے۔

ابو معشر سندی صاحب المغازی:-

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندھی کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

صدر اسلام میں ہندوستان کے جن غلاموں اور ان کے خانوادوں نے اپنے علمی و دینی کارناموں کے باعث امامت و سیادت پائی،

---

[1] معجم المصنّفین ۱/ ۷۵ (بیروت ۱۳۴۴ھ) یہ تحقیق ملا چلپی صاحب کشف الظنون کی بھی ہے۔ ۱/ ۲۶

[2] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ۱/ ۶۳ (علی گڑھ ۱۹۷۶ء)

اور صدیوں تک ان کے علم و فضل کی گرم بازاری رہی ان میں امام ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندی مدنی صاحب المغازی، (م ۱۷۰ھ) کو خاص مرتبہ و مقام حاصل ہے، انھوں نے مرکز اسلام مدینہ منوّرہ میں ہوش کی آنکھ کھولی، بعض اصاغر صحابہ رضؓ کی دید و زیارت کا شرف پایا، علمائے تابعین سے علم حاصل کیا، زندگی کا بیشتر حصہ یہیں بسر کیا، اور سیر و مغازی میں اہم کتاب لکھی، جو بعد میں مدینہ منوّرہ کی دیگر کتب مغازی کی طرح اس موضوع کا مستند ماخذ قرار پائی، زندگی کے آخری دور میں مہدی عباسی کی دعوت پر بغداد آئے، اور دس سال بعد یہیں انتقال کیا۔

دوسری تیسری صدی کے علمائے اسلام کی طرح وہ بھی حدیث و فقہ کے زبردست علماء اور حفاظ میں سے تھے، اسی کے ساتھ اخبار و احادث خصوصاً سیر و مغازی میں امامت کا درجہ رکھتے تھے،

ابن سعد، خلیفہ بن خیاط، ابن قتیبہ، امام بخاریؒ (تاریخ کبیر) ابن ابی حاتم رازی (کتاب الجرح والتعدیل) ابن ندیم ابوالفضل محمد بن طاہر ابن القیسرانی (م ۵۰۷ھ) نے الأنساب المتفقہ میں، امام ابو معشر کے متعلق چند سطریں لکھی ہیں، البتہ خطیب نے تاریخ بغداد میں ان کے حالات نسبتاً تفصیل سے لکھے ہیں، ابن حجر نے، تہذیب التہذیب، ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" "میزان الأعتدال"، اور العبر فی خبر من غبر، میں مزید باتیں بیان کی ہیں، خطیب، ذہبی، اور ابن حجر نے لکھا ہے کہ (رأی أبا امامۃ بن سہل بن حنیف (م ۱۰۰ھ)[1]

ابو معشر کے چند شیوخ حدیث:- ابوبردہ بن أبی موسیٰ اشعری رضؓ

---

[1] تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۲۷، تذکرہ ۱/ ۲۱۶، تہذیب ۱۰/ ۴۱۹،

سعید المسیبؒ (م ۹۴ھ) محمد بن کعب القرظی (م ۱۱۷ھ) اور سعید بن ابی سعید بصری، ۱۱۷ھ، نافع مولیٰ ابن عمر ۱۱۷ھ، محمد بن منکدر مدنی ۱۳۰ھ، ہشام بن عروہ بن زبیر ۱۴۵ھ، موسیٰ ابن عقبہ مدنی (م ۱۴۱ھ (صاحب المغازی) وغیرہ ممتاز ہیں۔

چند تلامذہ:۔

سفیان ثوری ۱۶۱ھ، عبدالرزاق بن ہمام حمیری (م ۲۱۱ھ (صاحب المصنّف) وکیع بن جراح ۱۹۶ھ (امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد اور امام شافعیؒ کے استاد) لیث بن سعد م ۱۷۵ھ، سعید بن منصور مکی م ۲۲۷ھ واقدی م ۱۸۰ھ وغیرہ ہیں،

ان کے شاگرد قاضی علی بن مجاہد کابلی نے کتاب المغازی کی روایت کر کے خود بھی کتاب المغازی لکھی،

ابو معشر کی المغازی بھی ان کے استاد موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کی طرح نہایت مستند و معتبر تھی، اور ائمہ حدیث اس کو حجت مانتے تھے، یہ کتاب کئی صدیوں تک اہل علم میں متداول رہی، سیر و المغازی اور رجال و طبقات کی کئی کتابوں میں جستہ جستہ اس کی مرویات ملتی ہیں،[1]

ان کی المغازی کے اقتباسات، واقدی، ابن سعد، اور طبری نے نقل کئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ المغازی کے علاوہ ابو معشر نے صدر اسلام کے حوادث کی ایک تجزیاتی تاریخ بھی سنہ وار لکھی تھی، یہ سنہ ۱۷۰ھ تک کے وقائع تھے۔[2]

---

[1] معارف، ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۱ [2] نقوش، لاہور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ۱ (۱۹۸۲ء) نیز دائرۃ المعارف الاسلامیہ ۱/۹۱۳ (لاہور ۱۹۶۲ء)

Marfat.com

فن حدیث کے ممتاز محقق و مؤرخ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں کہ " ابو معشر کی المغازی کے اقتباسات، طبقات ابن سعد میں اور ان کی تاریخ کے نقول الازدی کی تاریخ الموصل میں ملتے ہیں، جن کی وجہ سے یہ دو کتابیں معلوم ہوتی ہیں"[1]

سمعانی کہتے ہیں کہ وہ محمد بن عمرو، نافع اور ہشام بن عروۃ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے اہل عراق نے روایت کی ہے، ابو نعیم کہتے ہیں کہ عمر کے آخری دو سالوں میں ان کا حافظہ بہت کمزور ہو گیا تھا، اور بہت سی منکر روایات کے وہ راوی ہو گئے تھے، اس لئے ان کا استناد باقی نہیں رہا تھا،[2]

ذھبی انھیں حافظہ کے نقص کے باوجود علم کا ظرف اور امام و محدث قرار دیتے ہیں، اور ان کے حضرت ابو امامہ بن سہل رضی کو دیکھنے کے قائل ہیں، اور ان کے اساتذہ میں بن محمد کعب قرظی، موسیٰ بن یسار اور ابن المنکدر، نافع سعید المقبری، ابو وھب مولیٰ ابی ہریرۃ رض ہشام بن عروہ کو شمار کرتے ہیں،

ان سے لیث بن سعد، ہشیم، سفیان ثوری، وکیع، اور سعید ابن منصور عبد الرزاق، ابو نعیم، محمد بن بکار، اور ابن ابی مزاحم وغیرہ روایت کرتے ہیں، ابن معین انہیں قوی نہیں سمجھتے، امام محمد کہتے ہیں کہ مغازی پر نظر رکھتے تھے، مگر اسناد میں کمزور تھے، مگر میں ان کا اعتبار کرتا ہوں، اور ان سے حدیث لکھتا ہوں، نسائی نے ان سے روایت کی ہے، مگر شیخین نے روایت نہیں کی، امام بخاری انھیں منکر الحدیث اور امام ابو داؤد و نسائی ضعیف کہتے تھے[3]

ان کے مغازی کا ابن ندیم نے فہرست میں ذکر کیا ہے آپ نے ۱۷۰ھ میں وفات پائی[3] ان کے صاحبزادے، ابو عبد الملک محمد ابن ابی

---

[1] دراسات فی الحدیث النبوی ۱/۱۵۳ از ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی [2] الانساب السمعانی ۴۰/۲ (حیدرآباد ۱۹۷۶ء) [3] سیر اعلام النبلاء ۴۳۵/۷-۴۴۰

Marfat.com

معشر کے بارے میں سمعانی لکھتے ہیں کہ "انھوں نے ابن أبی ذئب اور ابوبکر الھذلی کو دیکھا تھا اور ان سے ان کے دونوں لڑکوں داؤد اور حسین کے علاوہ ابوحاتم الرازی، ابویعلی الموصلی، نے روایت کی تھی، امام رازی انہیں صادق القول کہتے ہیں، انھوں نے ۲۷۴ھ میں وفات پائی[۱]

اسرائیل بن موسیٰ بصریؒ:-

اسرائیل بن موسیٰ بصریؒ (م ۱۵۵ھ) تبع تابعین میں تھے، حضرت حسن بصریؒ، محمد بن سیرین، وہب بن منبہ سے روایت کی، اور ان سے سفیان ثوری، ابن عیینہؒ، حسین جعفیؒ، یحیٰی بن سعید قطان جیسے اکابر نے روایت کی، صحیح بخاری میں بھی ان کی ایک روایت ہے، اور ابن معین اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے بھی ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ہندوستان جاتے رہتے تھے[۲]، ڈاکٹر محمد اسحٰق لکھتے ہیں:- امام بخاری نے ابو موسیٰ سے مروی احادیث کا حوالہ چار مختلف مقامات پر دیا ہے، اور سنن کی کتابوں میں بھی ان کی احادیث محفوظ کی گئی ہیں[۳]

امام اوزاعیؒ:-

نامور فقیہ و محدث ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمر الاوزاعی (دمشق کے قریب ایک قریہ اوزاعٔ میں سکونت کی نسبت سے) اوزاعی کا وطن سندھ تھا، جہاں سے ان کے والدین غلاموں کی حیثیت سے آئے تھے، وہ ایک مستقل دبستانِ فقہ کے بانی ہیں، اور شام واندلس میں ان کے بہت سے پیرو تھے، ان کی کتابوں میں، کتاب فی الفقہ، کتاب المسائل فی الفقہ

---

[۱] الأنساب للسمعانی ۲۷۴/۷، [۲] نزہۃ الخواطر ۱۹/۱، [۳] علم حدیث ص ۸۰، بحوالہ تہذیب وتقریب لابن حجر ومیزان للذہبی نیز الانساب للسمعانی ص ۱/۳۶۰ (حیدرآباد ۱۹۲۶ء)

اور مسند الاوزاعی وغیرہ ہیں، ۸۸ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۵۸ھ میں بیروت میں وفات پائی[1]

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "انھوں نے عطاء اور زہری سے روایت کی، اور ان سے، شعبہ، ابن المبارک، محمد الفریابی اور یحییٰ القطان نے روایت کی، اور وہ اصلاً موالی سندھ میں سے تھے، اسماعیل بن عیاش ۱۸۰ھ میں لوگوں کا یہ اعتراف نقل کرتے ہیں کہ "آج اوزاعی عالم امت ہیں" الحربی انہیں افضل زمانہ قرار دیتے ہیں[2] ھقل بن زیاد کہتے ہیں کہ "امام اوزاعی نے ستر ہزار مسائل پر فتویٰ دیا تھا"[3] اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "وہ عالم تیمی ہیں اپنی والدہ کے ساتھ شہر بہ شہر جاتے رہے اور خود ہی علم و ادب سیکھا، مگر اس کس مپرسی کے بعد وہ اس مرتبہ کو پہونچے کہ بادشاہوں، وزیروں اور عام لوگوں کی اولاد میں ان سے بڑھ کر نہ کوئی عاقل و متقی تھا نہ عالم و فصیح، اور نہ کوئی باوقار و بردبار اور کم گفتار تھا، اپنے زمانہ میں وہ عالم اسلام کے فقہ و حدیث اور مغازی وغیرہ کے امام تھے، انھوں نے تابعین کی ایک بڑی جماعت کو دیکھا تھا، اور خود ان سے اکابر علمائے امت جیسے امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور زہری وغیرہ نے روایت کی ہے[4]

عبدالحمید بن نصر الکشی السندی:-

یہ کچھ کے باشندے تھے اور اس پایہ کے محدث تھے کہ مسلمؒ اور ترمذیؒ اور دوسرے محدثین نے ان سے روایت کی ہے، امام بخاریؒ نے "دلائل النبوۃ" میں ان کی صحیح سے ایک روایت

---

[1] ابن حجر: تہذیب التہذیب ۴/۲۳۶ (حیدرآباد) [2] العقد الثمین: للقاضی اطہر ۲۹۰ [3] رجال السند والہند ۱۷۰، [4] البدایہ والنہایۃ ۱۰/۱۱۵ - ۱۱۶

Marfat.com

ذکر کی ہے، ان کی تفسیر عرب ممالک میں مشہور و متداول ہے، مسند کے علاوہ اور دوسری تصانیف بھی ہیں[1]

حموی نے لکھا ہے کہ انھوں نے یزید بن ھارون اور عبدالرزاق (صاحب مسند) وغیرہ سے روایت کی ہے، انھوں نے ۲۴۹ھ میں وفات پائی[2]

ممتاز محقق ڈاکٹر مصطفیٰ صاحب اعظمی کی تحریر کے بموجب ان کی مسند کا منتخب حصہ استانبول کے مکتبہ کوپرلو میں ۴۵۶ نمبر پر موجود ہے[3]

شیخ ابوعلی سندھیؒ:-

سندھ پر عرب حکومت نے وہاں کے ہر شعبۂ حیات کو متاثر کیا تھا، اور علوم اسلامیہ کی تقریباً ہر شاخ اس کے فیض سے بارآور ہو گئی تھی، اور حدیث و تفسیر اور فقہ کے ساتھ شعر و ادب کے بہت سے نمائندے پیدا ہو گئے تھے، جنھوں نے اسلامی ثقافت کو مالا مال کیا، اس عام اثر سے احسان و تصوف کا زاویہ بھی خالی نہ تھا، اور علم ظاہر کے ساتھ علم باطنی کے حاملین بھی تزکیہ و احسان کی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے، ایسے اصحاب باطن میں شیخ ابوعلی سندھی کا نام ممتاز ہے، جن کے بارے میں عبداللہ بن علی السراج الطوسی لکھتے ہیں: "ابو یزید بستامی کہتے ہیں کہ میں ابوعلی سندھی کے پاس رہا میں انھیں شرعی فرائض کی تعلیم دیتا تھا، اور وہ مجھے توحید و حقائق دین کی تلقین کرتے تھے"[4]

حضرت ابو یزیدؒ نے ابوعلیؒ کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ ایک بار انھوں نے

---

[1] موسوعۃ تاریخ السند للطرازی ۱/۴۹۹ [2] رجال السند والہند ۱۶۶، [3] دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ ج ۲/۶۹۳، للأعظمی (بیروت ۱۹۸۵ء) [4] کتاب اللمع فی التصوف لأبی النصر الطوسی ص ۱۷، (London 1914) ed. by: R.A. Nichalson.

مجھ سے فرمایا، "کنت فی حال منّی بی لی، ثم صرت فی حال منہ بہ لہ"[1] میں پہلے ایسے حال میں تھا، جو مجھ سے تھا اور میرے ساتھ تھا، اور میرے لئے تھا، (یعنی نفسانیت کا غلبہ تھا) پھر ایسے حال میں ہوگیا جو اللہ کی طرف سے اس کے ساتھ اور اس کے لئے ہے (یعنی اخلاص پیدا ہوگیا)

شیخ ابو علی سندھی کا یہ انمول جملہ پورے تصوف کی جان ہے، جسے انھوں نے بڑی سادگی و بلاغت کے ساتھ ادا کر دیا ہے،

دیبل اور منصورہ کے محدثین:۔ ہم یہاں سندھ کے بعض محدثین کا ذکر کرتے ہیں، جن میں سے کچھ صاحب تصنیف نہ تھے، مگر علم حدیث کی انھوں نے بڑی خدمت کی ہے اور ان سے لوگ بہت مستفید ہوئے ہیں:۔

احمد بن محمد منصوری:۔ منصورہ میں پیدا ہوئے، فارس میں ابو العباس الاثرم اور بصرہ میں احمد الہزانی سے تعلیم حاصل کی، احمد فارس کے صوبے ارجان میں قاضی تھے، اور ظاہری مسلک رکھتے تھے، انھوں نے:۔ المصباح الکبیر، الھادی، النیّر اور دوسری بہت سی کتابیں لکھیں،

المقدسی ۳۷۵ھ کے قریب ان سے منصورہ میں ملا تھا، اس نے ان کی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے اور اہل منصورہ کو اہلحدیث بنایا ہے،[2]

ابو جعفر محمد بن ابراہیم الدیبلی:۔ مشہور محدث تھے حرمین شریفین

---

[1] کتاب اللمع فی التصوف لابی النصر الطوسی ص ۳۳۴

[2] ابن ندیم: الفہرست قاہرہ ۱۳۴۸ھ ۳۰۶ احسن التقاسیم ۴۸۱

Marfat.com

کے علاوہ بھی دوسرے مقامات کا سفر کیا، انھوں نے ابن عینیہ کی کتاب التفسیر اور ابن مبارک کی کتاب البر والصلہ، پر حاشیے لکھے تھے[۱] اور ان کے تلامذہ سے روایت کی، وہ زیادہ تر مکہ مکرمہ میں رہے اور وہیں پر ۳۰۵ھ میں وفات پائی۔

احمد بن عبداللہ الدیبلی :۔

ابو جعفر دیبلی کے شاگرد تھے، عالم عرب کے ممتاز محدثین سے استفادہ کے بعد نیشاپور میں حسن بن یعقوب الحداد کی خانقاہ میں مقیم ہو گئے،

۳۴۳ھ/۹۵۴ء میں وہیں وفات پائی۔[۲] حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) نے کم عمری میں ان سے درس حدیث لیا تھا،[۳]

حسن بن حامد الدیبلی :۔

حسن بن حامد دیبلی نے بغداد کے مشہور محدثین علی بن محمد موصلی، اور ابن الحسن النقاش سے حدیث پڑھی، اور مصر و شام میں درس حدیث دیا، ۴۰۷ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔[۴]

محمد بن دیبلی :۔

تحصیل حدیث کے لئے بغداد، بصرہ اور فاریاب گئے، بیان کیا جاتا ہے کہ حاکم نیشاپوری جیسے آدمیوں نے ان سے علم حدیث اور فن قرأت سیکھا، وہ ۳۴۶ھ میں فوت ہوئے ہیں۔[۵]

---

[۱] ایضاً ۹ / ۳۱، الأنساب ۵ / ۳۴۴ (حیدر آباد ۱۹۶۶ء) [۲] السمعانی ص ۲۳۸، بحوالہ تاریخ ادبیات ۴ / ۵ [۳] علم حدیث محمد اسحاق صہ ۵۸ [۴] ایضاً ص

[۵] السمعانی صہ ۲۳۷ الف بحوالہ علم حدیث ص ۵۸

قصدار کے محدثین:۔ قصدار (خضدار) بلوچستان کے علاقۂ قلات
میں واقع ہے، یہاں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنان بن سلمۃ الہذلیؓ کا
مزار ہے، جو امیر معاویہؓ کے عہد میں میڈوں کے خلاف ایک معرکے میں شہید
ہو گئے تھے،

یہاں کے دو محدثوں کا ذکر تذکروں میں آتا ہے ایک جعفر بن الخطاب
(م ۵۰۷ھ) جنھوں نے بلخ میں سکونت اختیار کر لی تھی، عبدالصمد بن محمد العاص
ان کے استاذ حدیث تھے، ابوالفتوح عبدالغافر کاشغری (م ۷۷ھ) انکے
شاگرد تھے،

دوسرے محدث سیبویہ بن اسماعیل بن داؤد (م ۴۶۳ھ) وہ مکہ مکرمہ
ہجرت کر گئے تھے، جہاں درس حدیث دیتے تھے، ان کے ایک تلمیذ حافظ
ابوالفتیان الرواسی (م ۵۰۳ھ) تھے[1]

چوتھی صدی کے خاتمے پر منصورہ، ملتان اور قصدار پر قرامطہ اور پھر
اسامہ (۴۴۳-۷۵۲ھ) (جو عرب و ہند کی ایک مخلوط نسل اور قرامطہ سے
متأثر تھے) کے قبضے کی وجہ سے سندھ میں علم حدیث کا ارتقاء رک گیا، اور
تین صدیوں کی علمی کاوشوں پر پانی پھر گیا، اگر سندھ و پنجاب پر عرب اقتدار
قائم رہتا تو دوسرے علاقوں کی طرح وہاں کی زبان بھی عربی ہوتی اور عرب
اسلامی کلچر کے اور بہترین نتائج سامنے آتے،

سندھ کے ادباء و شعراء: محمد بن قاسم:۔ سندھ میں عربوں کی فتوحات

---

[1] علم حدیث: ڈاکٹر محمد اسحاق صـ ۴۶

Marfat.com

کے ساتھ اس ملک میں عربی زبان وادب کی ترقیات کا بھی افتتاح ہو گیا چنانچہ عرب شعراء نے ہندوستان کی فتوحات کو اپنا موضوع بنایا اور اس کے متعلق بکثرت اشعار کہے، جو ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتا ہے، محمد بن قاسم نہ صرف ایک بڑا فاتح تھا بلکہ اقلیم سخن بھی اس کے زیر قدم تھی، چنانچہ وہ اپنی معزولی کے متعلق بڑی بلاغت اور حسرت کے ساتھ کہتا ہے:۔

اضاعونی وأیّ فتی أضاعوا　　لیوم کریهة وسداد ثغر

واسط کے قید خانے میں جہاں عراق کے عامل صالح بن عبدالرحمن نے اسے قید کر دیا تھا کہتا ہے:۔

فلئن ثویت بواسط وبارضها　　رهن الحدید مکبلاً مغلولاً

فلرب فتیة فارس قد رعتها　　ولرب قرن قد ترکت قتیلاً

اس کا معاصر شاعر حمزة بن بیض الحنفی اس کے بارے میں کہتا ہے:۔

إن المروّة والسماحة والندی　　لمحمد بن القاسم بن محمد

ساس الجیوش لسبع عشرة حجة　　یا قرب ذالک سؤددًا من مولد

ابو عطاء السندی:۔

عالم عربی میں جو ہندی یا سندھی ادباء و شعراء مقبول و مشہور ہوئے، ان میں ابو عطاء سندھی سب سے زیادہ نامور ہے، اسکے کلام کی صحت و اصلیت کے سبب عربی شاعری کے بیشتر تذکرہ نگاروں اور ناقدوں نے اس کے احوال و آثار کا ذکر کیا ہے، اس طرح وہ تاریخ ادب عربی کی ناگزیر اور معروف شخصیت بن گیا ہے،

اس کا نام افلح بن یسار تھا، وہ کوفہ میں پیدا ہوا، اس کا باپ یسار

---

[1] البلاذری: فتوح البلدان، ص ۶ - ۴۴۱ (لیڈن)

سندھ سے قید ہو کر آیا تھا، ابو عطاء اموی دربار کا شاعر تھا، اس نے عباسیوں سے بھی رابطہ قائم کرنا چاہا تھا مگر نا امید ہو کر ان کی ہجو بھی کی،

نصر بن سیار، حماد الراویہ، ابن قتیبہ، اور ابو الفرج اصفہانی نے اس کا تذکرہ کیا ہے، شاکر کبتی کے مطابق سنہ ۱۸۰ھ کے بعد اس کا انتقال ہوا، افسوس کہ اس کے کل ۱۳۲ ہی اشعار دریافت ہو سکے ہیں،

ابو تمام نے اپنے 'دیوان الحماسۃ' کے شروع میں پانچویں نمبر پر اس کا یہ قطعہ درج کر کے اُسے لافانی بنا دیا ہے، جو حسن تغزل اور معاملہ بندی کی ایک عمدہ مثال ہے، ؎

ذکرتکِ والخطیّ یخطر بیننا وقد نہلت منا المثقفۃ السمرُ

فواللّٰہ ما أدری وأنی لصادق أداءٌ عرانی من حبابک أم سحرُ

فان کان سحراً فاعذرینی علی الھوٰی وإن کان داءٌ غیرہٗ فلک العذرُ

ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) اسے اچھا اور مشہور شاعر قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے، "ولہٗ فی کتاب الحماسۃ مقاطیع نادرۃٌ" (حماسہ میں اس کے عمدہ قطعات درج ہیں) وہ اس کے دوستوں میں حماد راویہ اور حماد عجرد جیسے فضلاء کے نام شمار کرتا ہے[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو عطاء عالم عربی کا مقبول شاعر تھا،

ابو عطاء سندھی ان اہم شعراء میں ہے جسے مشہور شاعر بحتری نے بھی اپنے حماسہ میں جگہ دی ہے، اور اس کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں ؎

وما یدرکُ الحاجات من حیث تبتغی من القوم إلاّ من أعدّ وشمرا

دوسرا مصرع اس طرح بھی نقل ہوا ہے ؎ من القوم الا المصحبون علی الجل

---

[۱] وفیات الأعیان ۵/ ۲۸۳ (بیروت ۱۹۷۷ء)

رأيت محيلة فطمعت فيها | وفي الطمع المذلة للرقاب[1]

ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) نے اس کے بارے میں لکھا ہے، وکان جید الشعر وکانت فیہ عجمة[2] دوسرا مشہور ناقد محمد مرزبانی (م ۳۸۴ھ) اسے "محسن" یعنی خوشگو قرار دیتا ہے[3]

ابوعطاء سندھی کے احوال وافکار کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعری اور فنی پختہ کاری میں تو اپنے وقت کے اکابر عرب شعراء کی صف کا شاعر ہے مگر اس کا کردار زمانہ سازی پر مبنی معلوم ہوتا ہے، جس کی مثال اس کا پہلے بنی امیہ کا طرفدار ہونا اور پھر بنی عباس سے اظہار وفاداری اور مطلب نہ حاصل ہونے پر ان سے اظہار بیزاری ہے،

اس کے اشعار سے دانائی اور تجربہ کاری کا بھی، اندازہ ہوتا ہے مگر کردار میں عدم پختگی محسوس ہوتی ہے:

بہرحال ہندوستان کے لئے یہ بات باعث فخر ہے کہ اس دور دراز عجمی ملک کے اس شاعر کا کلام نہ صرف عالم عرب میں مقبول عام ہوا بلکہ مغرب اقصیٰ اور اندلس تک پہونچ گیا، جہاں اپنے وقت کے عظیم مؤرخ وناقد ابن عبد ربہ نے "العقد الفرید" میں ابوعطاء کا کہا ہوا ابن ہبیرہ کا مرثیہ نقل کیا ہے[4]

ابوالفرج اصفہانی نے بھی "الأغانی" میں نصر بن سیار کا مرثیہ نقل کیا ہے، جس کے یہ اشعار قابل توجہ ہیں ؎

یا نصر من للقاء الحرب ان لقحت	یا نصر بعدك من للضيف والجار
ماض على الهول مقدام اذا اعترضت	سمر الرياح وولى كل فرار

---

[1] الحماسة ۷ ۱۸/۲۰۲ (قاہرہ ۱۹۲۹ء) [2] الشعر والشعراء لابن قتیبہ ص ۳۹۶ (بیروت ۱۹۸۱ء)
[3] معجم الشعراء للمرزبانی ص ۱۸۰ء (بیروت ۱۹۸۲ء) [4] ۳/۲۸۷ (قاہرہ ۱۹۷۱ء)

ان قال قولاً وفی بالفعل موعدہٗ ان الکنانی واف غیرہ غدّار[1]

ابو عطاء سندھی کا یہ شعر بھی حسن مبالغہ کی اچھی مثال ہے ؎

فیا عجباً لبحر بات یسقی جمیع الخلق لم یبلل لہا تی[2]

اس نے یہ شعر اس موقعے پر کہے جب اس کے ممدوح عمر بن ہبیرہ نے دریائے فرات کے کنارے ایک عمارت کی تعمیر کے وقت لوگوں کو انعامات دیئے مگر ابو عطاء سندھی کو کچھ نہ ملا، اس کے اشعار سن کر یزید بن عمر نے اپنے والد کی طرف سے اسے دس ہزار درہم دیئے تو اس نے شکریئے کے اشعار کہے، جن میں یہ شعر بھی تھا ؎

ماینبت العود إلا فی أرومتہ ولا یکون الجنی إلا من العود

اس کا ایک قطعہ اس کی ذہنیت کی بڑی اچھی غمّازی کرتا ہے اور اس میں شعری حسن بھی ہے ؎

اذا المرء لم یطلب معاشاً لنفسہ شکا الفقر أولام الصدیق فاکثرا

وصار علی الادنین کلاً وأوشکت صلات ذوی القربی لہ ان تنکرا

فسر فی بلاد اللہ التمس الغنی تعش ذا یسار أو تموت فتعذرا

ولا ترض من عیش بدون ولا تنم وکیف ینام اللیل من کان معسرا[3]

مشہور عرب مؤرخ و محقق عمر فروخ ابو عطاء سندھی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

"کان شاعراً فحلاً من مخضرمی الدولتین مکثراً مجیداً حاضر البدیہۃ حسن التصرف فی فنون الشعر..... وشعر أبی العطاء فصیح الالفاظ متین

---

[1] موسوعۃ تاریخ السند للطرازی ۲/۲۱ بحوالہ الأغانی ۱۶/۸۱ [2] ایضاً ۲/۳۳

[3] دائرۃ المعارف: بطرس البستانی، ۲/۲۶۶ (بیروت ۱۸۷۷ء)

التراکیب مع سھولة وعذوبة وعلیٰ بعضہ نفخة قدیمة [1]

ابو عطاء عہد اموی وعباسی، کا جید پرگو اور خوش گو شاعر تھا، فی البدیہہ اور تمام اصناف سخن میں کہتا تھا، اس کے اشعار فصیح اور عمدہ ہوتے تھے، اور ان میں سلاست وعذوبت بھی ہوتی تھی، اور بعض اشعار تو قدماء کے رنگ کے ہیں)

ابو ضلع سندھی :-

یہ چوتھے عباسی خلیفہ موسیٰ الہادی کا مملوک تھا، وہ ایک سیاح اور بدیہہ گو شاعر تھا، اور اپنی نظموں پر ۴، ۴ ہزار درہم کی شرط باندھتا تھا، خلیفہ ہارون کے عہد میں وہ بغداد میں بہت مشہور رہا، اس نے مشرقی ممالک کی خاص طور پر اپنے وطن کی بہت زیادہ سیاحت کی جسکے بارے میں اس نے ایک لمبی نظم لکھی [2] جس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے، اور جسے زکریا قزوینی نے نقل کیا ہے [3]

لقد أنکر أصحابی وما ذالک بالأمثل

اذا ما مدح الھند وسھم الھند فی المقتل

اصفہانی لکھتا ہے کہ ابو ضلع کے ہزار کے قریب اشعار ملتے ہیں [4]، دعبل، ابو ہفان، اور ابن موسیٰ نے اس کے اشعار کی روایت کی ہے ۔

کشاجم سندھی :-

محمود بن الحسین بن السندی بن شاہک عربی شاعری میں ایک اور ممتاز شخصیت تھی، جس نے بغداد وحلب میں بڑی شہرت حاصل کی، وہ الرشید کے محافظ دستے کے ایک رکن السندی بن شاہک کی

---

[1] تاریخ الأدب العربی : عمر فروخ، ۲/ ۷۶ (بیروت ۱۹۸۱ء) [2] تاریخ ادبیات ص ۴۶

[3] آثار البلاد ص ۸۵ (۱۸۴۸ء) [4] الأغانی ۱۶/ ۷۸ ۔

زلاد تھا[1] اس کے اشعار کا نمونہ یہ ہے،

لدھر حماب الحیی وسلم ذی الوجہ الوقاح

وعلیّ أن أسعی ولیس علیّ ادراک النجاح[2]

ڈاکٹر حامد علی خان لکھتے ہیں "لقب میں اس کے پانچ اہم اوصاف، اتب، شاعر، ادیب، جواد، اور منجم کو اختصار کے ساتھ سمو دیا گیا ہے، اس کو ل شاعری سے شغف تھا، وہ فی البدیہہ اشعار کہتا تھا، اس کا کلام دیوان شاجم کے نام سے بیروت سے طبع ہو چکا ہے،[3]

سیوطی نے حسن المحاضرہ میں انھیں رملہ (فلسطین) کا باشندہ اور رسی الاصل بتایا ہے اور وہ شام و مصر و عراق کے سفر کے بعد اخیر میں حلب ں ابو الہیجاء ہمدان کے لڑکے سیف الدولہ کے شعراء میں شامل ہو گئے تھے، تصانیف میں دیوان کے علاوہ المصاید والمطارد، الطبیخ، خصائص طرب اور أدب الندیم ہیں،[4] ان کی وفات سنہ ۳۶۰ھ / سنہ ۹۷۰ء میں ہوئی،

دیوان اور ادب الندیم، شائع ہو چکے ہیں، ادب الندیم، آداب یکدہ سے متعلق ایک مختصر رسالہ ہے اور نظم و نثر دونوں پر مشتمل ہے،

ن الاعرابی :-

محمد بن زیاد السندی، ابن الاعرابی، عربی زبان کے تدمین اساتذہ میں ہونے کے سبب محتاج تعارف نہیں، عربوں کو عربی ھانے والا یہ عجمی ہندوستانی الأصل تھا، ان کے والد زیاد سندھی تھے

تاریخ ادبیات ص [2] السمعانی: الانساب [3] معارف، جولائی سنہ ۱۹۶۸ء

تاریخ الأدب العربی، عمر فروخ ۲/۵۵-۵۰۹ [4] معجم المؤلفین: عمر رضا کحالہ ۱۲/ ۱۷ مکتبۃ المثنی (بیروت)

کوفہ میں سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے، اور سنہ ۲۳۱ھ میں وفات پائی،
خلیفہ المہدی نے عہدۂ قضا پر بھی فائز کیا، ان سے ادب کی تعلیم پانے والوں میں، ابراہیم الحربی، ثعلب، اور ابن السکیت جیسے فضلائے روزگار بھی تھے، ایک درجن سے زائد تصانیف ان کا اثر خامہ تھیں، تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ اصمعی اور ابوعبیدہ قاسم بن سلام کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، [1]

ادب جاہلی کے ساتھ الفاظ قرآنی کی لغوی تحقیقات بھی ان سے بکثرت منقول ہیں:

ہارون بن موسیٰ ملتانی:-

جناب حامد علی خانصاحب "ہندوستان کا پہلا عربی گو شاعر" کے عنوان سے اس شاعر کے بارے میں (ماہنامہ برہان، اگست سنہ ۱۹۶۷ء) میں لکھتے ہیں:"

عربی زبان کی قدیم تصانیف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون بن موسیٰ ملتانی ہندوستان کا پہلا عربی گو شاعر ہے" یہ شاعر بنی ازد کے موالی میں سے تھا، ابودلف العجلی (م ۲۲۶ھ) کی روایت کے مطابق ہارون کے اجداد نے عرصہ دراز سے ملتان میں اقامت اختیار کر لی تھی، اور اسی سرزمین میں ہارون کی ولادت اور نشو نما ہوئی، [2]

عرب کے مشہور ادیب جاحظ (م ۲۵۵ھ) نے ہارون کو فطری شاعر تسلیم کیا، مولدین شعراء میں اس کو شمار کیا اور شاعر اہل الملتان کے خطاب سے سرفراز کیا ہے" [3]

---

[1] موسوعة تاریخ السند ۲/۲ [2] رجال السند والهند ۲۶۳- [3] الحیوان ۷/۵۷ (مصر سنہ ۱۹۵۸ء)

ہاتھی کی ہیئت کذائی کو اس نے اپنے متعدد قطعات کا موضوع
بنایا ہے، جن کے اشعار جاحظ[1]، مسعودی[2] اور نویری[3] (م ۷۳۳ھ) نے
اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں، ان سے اس کی قادرالکلامی اور منظر نگاری
کی عمدہ صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے،

ڈاکٹر حامد علی خانصاحب لکھتے ہیں "مشہور عرب شاعر مکیت سے
اس کے دوستانہ روابط اس کے بلند مرتبہ ہونے پر شاہد ہیں"[4]

مگر ڈاکٹر صاحب کا اس کو پہلا عربی گو شاعر کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا،
کیونکہ تذکروں میں اس سے پہلے کے بھی عربی شعراء کے نام ملتے ہیں، جیسے
السندی بن صدقہ البغدادی جو دوسری صدی کا شاعر ہے
اور اس کے دیوان کا ابن ندیم نے ذکر کیا ہے، اسی طرح سماق الزطی
السندی (م ۲۲۰ھ) بھی غالباً ہارون سے متقدم ہے، سندھ اور عالم عربی
کے مشہور شاعر ابوعطاء سندھی کا سنہ وفات سنہ ۱۸۰ھ بتایا جاتا ہے،
وہ ہارون بن موسیٰ ملتانی سے کئی سال متقدم ہے،

---

[1] ایضاً - [2] مروج الذہب ۱/۲۳۹ - [3] نہایت الارب ۹/۳۱۱
[4] معارف، جولائی ۶۸ء

Marfat.com

باب چہارم

عربی ادب غزنوی عہد میں

غزنوی سلاطین اپنی عظیم الشان فتوحات کے علاوہ اپنے عدل و انصاف، رعایا پروری اور علم دوستی اور علماء نوازی کے لئے بھی مشہور رہے ہیں اور انہوں نے اپنے وصد سالہ عہد میں فارسی ادب کے ساتھ عربی ادب کی بڑی سرپرستی اور قدر افزائی کی، جس کے نتیجے میں کلاسیکی ادب کے بہت سے شاہکار وجود میں آگئے، جیسے فردوسی کا شاہنامہ، حکیم سنائی کا حدیقہ، البیرونی کی "الآثار الباقیۃ"، "کتاب الہند"، اور القانون المسعودی، مسعود سعد سلمان اور ابوالفرج رونی کے دیوان وغیرہ "

عربی ادب میں البیرونی کی تصانیف اور العتبی کی تاریخ الیمینی غزنوی عہد کی لافانی یادگار میں ہیں،

عتبی کے دوست اور عربی کے فاضل ادیب و ناقد علامہ ثعالبی نیشاپوری کی یتیمۃ الدھر بھی غزنوی عہد ہی میں لکھی گئی، جس میں متعدد غزنوی شعراء و ادباء کا تذکرہ ہے،

پہلے غزنوی بادشاہ ناصرالدین سبکتگین آل سامان کے فوجی قائد الپتگین کے غلام تھے، سنہ ۳۶۶ھ میں ابو اسحاق بن الپتگین کے انتقال کے بعد جب اس خاندان میں کوئی صاحب صلاحیت نہیں رہ گیا تو انھوں نے فوجی قیادت سبکتگین کے سپرد کری جنھوں نے بُست و قصدار فتح کرنے کے بعد سنہ ۳۶۷ھ میں ہندوستانی سرحد پر کچھ قلعے فتح بھی کر لیئے جس کے

Marfat.com

جواب میں پنجاب کا راجہ جے پال وادیٔ لمغان میں اتر آیا جہاں بڑی گھمسان کی لڑائی کے بعد اسے شکست ہوئی، اور دس لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی دینے کے وعدہ پر اپنی جان چھڑائی، مگر وہ وعدہ خلافی کر کے پھر لمغان پر حملہ آور ہوا، جہاں سبکتگین نے اسے دوبارہ شکست دی، اور پشاور بھی فتح کرلیا، بیس سال حکومت کرنے کے بعد ۳۸۷ھ / ۹۹۷ء میں بلخ میں وفات پائی [1]

مولانا عبدالحئی حسنی لکھتے ہیں، وہ عادل و خیر، خوش عقیدہ با مروت اور وعدہ کا پابند بادشاہ تھا، اسی لئے اللہ نے اس کے گھرانے میں برکت دی اور ان کی سلطنت سامانیوں اور سلجوقیوں سے بھی زیادہ رہی [2]"

برصغیر کی ثقافتی تاریخ کے ممتاز محقق شیخ محمد اکرام نے بہت صحیح لکھا ہے کہ "امیر سبکتگین کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ اس نے ہندوستان کی سرحد پر غزنی میں ایک ایسا اہم عسکری اور حکومتی مرکز قائم کیا، جس نے برصغیر کی فتح کے لئے ایک Base کا کام دیا" [3]

سبکتگین کے انتقال کے بعد سلطان محمود نے ۹۹۸ء میں غزنی پر قبضہ کرلیا، اس کا عہد اپنی سیاسی فتوحات کے ساتھ، علمی فتوحات کے لئے بھی ممتاز ہے، وہ خود عالم تھا، اور علماء اور صوفیاء اور شعراء کا قدر دان تھا، چہار مقالہ (نظامی) سیاست نامہ (نظام الملک) اخبار الدولۃ السلجوقیہ، اور راحت الصدور اور تمام معاصر تاریخوں میں اس کی علم پروری اور انصاف پسندی کی بے حد تعریف کی گئی ہے،

---

[1] سلطان محمود غزنوی از پروفیسر محمد حبیب، ۲۷ (الٰہ آباد، ۱۹۴۰ء)

[2] نزہۃ الخواطر ۱/ ۵۳ [3] آب کوثر ۵۸ (لاہور ۱۹۶۶ء)

Marfat.com

سنہ ۳۸۹ھ / ۹۹۹ء میں محمود کو خلیفۂ بغداد کی طرف سے، خلعت اور "امین الملۃ یمین الدولۃ" کا خطاب ملا[1]

سلطان محمود ۳۹۲ھ / ۱۰۰۱ء میں ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا، اور اپنی وفات تک فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا،

سلطان محمود غزنوی کی عالی ہمتی، وکشور کشائی، اور رعایا پروری، علم دوستی اور غیر معمولی محاسن وفضائل کے اعتراف میں اس کے معاصر اور بعد کے بیشتر مؤرخین متفق ہیں، العتبی اگرچہ سلطان محمود کا درباری مؤرخ ہے۔ مگر اس نے بھی سلطان محمود کے محاسن کے اعتراف میں مبالغہ کے بجائے حقیقت پسندی کا زیادہ ثبوت دیا ہے، اور دیباچۂ الیمینی میں سلطان کی واقعی خصوصیات کا ذکر کیا ہے،

مستند مؤرخ ابن الأثیر (م ۶۳۰ھ) محمود غزنوی کے خصائل حمیدہ کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

"یمین الدولۃ محمود ذہین ودیندار، خیر صاحب علم تھے، ان کیلئے مختلف فنون میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں، اور مختلف ممالک کے علماء انکے دربار میں آئے، جن کا وہ بڑا اکرام کرتے اور انھیں انعام سے نوازتے تھے، بڑے عادل ورعایا پرور اور ہمیشہ برسر جہاد رہتے تھے، ان کی فتوحات معروف ومشہور، اور تاریخوں میں مذکور ہیں، معلوم حالات سے ان کی للّٰہیت اور جہاد کے اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے، ان کا ایک ہی عیب کہا جاسکتا ہے، کہ وہ مال کو بہر صورت حاصل کرنا چاہتے تھے،

"وہ میانہ قد، گندم گوں، خوبصورت، چھوٹی آنکھوں اور سرخ بالوں

---

[1] الیمینی ص ۱۳۳۔

Marfat.com

والے تھے، ان کے لڑکے محمد غزنوی ان کے مشابہ اور دوسرے لڑکے مسعود موٹے اور لمبے تھے[1] علامہ ابن خلدون نے بھی ایسا ہی لکھا ہے[2]

علمی سرپرستی کے ساتھ مؤرخین اس کے خود اہل علم و فضل ہونے کی گواہی دیتے ہیں، اور اسے حنفی فقہ کا عالم بتاتے ہیں چلپی کے علاوہ بھی تذکرہ نگاروں نے فقہ حنفی میں اس کی کتاب التفرید کا ذکر کرتے ہیں، جس کے بارے میں کم از کم اتنا تو ماننا ہوگا کہ وہ اس کی سرپرستی اور نگرانی میں لکھی گئی ہو، ویسے خود اس کی تصنیف ہونے میں بھی کوئی تعجب نہیں، کیوں کہ اس کے دربار میں علمی و مذہبی مباحثے ہوتے رہتے تھے، اور وہ ان میں حصہ لیتا تھا شیعیت و باطنیت کے عقائد و افکار کا وہ سختی سے محاسبہ کرتا تھا، اور اسکے سندھ و ملتان پر حملے کی وجہ اس کا یہی طرزِ فکر تھا،

عبدالقادر قرشی مصری (م ۷۷۵ھ) لکھتے ہیں :-

"امام مسعود بن شیبہ اپنی کتاب التعلیم میں لکھتے ہیں کہ سلطان محمود اعیان فقہاء میں اور بڑا فصیح و بلیغ تھا، اور فقہ و حدیث میں اس کی تصانیف ہیں اور خطبات و رسائل بھی ہیں اور عمدہ اشعار بھی، اس کی کتابوں میں التفرید فقہ حنفی میں ہے اور بلاد غزنہ میں مشہور ہے، بہت عمدہ ہے اور اس میں ساٹھ ہزار مسئلے ہیں[3]"

درباری مؤرخ العتبی، غزنی کے عظیم الشان مدرسے اور اس کی لائبریری کا حال لکھتا ہے کہ :-

غزنی کی جامع مسجد کے ساتھ ایک بڑا مدرسہ بھی بنایا گیا جس

---

[1] الکامل ۹/۴۰۱ [2] تاریخ ابن خلدون ۴/۳۷۸ (مصر ۱۲۸۴ھ)
[3] الجواھر المضیئۃ ۲/۱۵۸ (طبع حیدرآباد)

Marfat.com

کے کمروں میں زمین سے لیکر چھتوں تک اکابر علماء ماضی وحال کی کتابیں بھری ہوئی تھیں، جو بادشاہوں کے ذخیروں سے آئی تھیں، اور جنھیں ملازمین شاہی نے عراق اور مختلف ممالک سے حاصل کیا تھا، اور جنھیں نہایت خوشخطی اور صحت کے ساتھ نقل کیا گیا تھا، جس سے درسی وعلمی استفادے کے لئے فقہاء وعلماء حاضر ہوتے تھے[1]

ابن کثیر نے سلطان کی اسلامی خدمات وفتوحات اس کی دینداری وعدل پروری کی دل کھول کر تعریف کی ہے اور اس کی علم دوستی کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

علماء و محدثین سے عزت و محبت سے پیش آتا، اوران کی صحبت پسند کرتا تھا، اسی کے ساتھ دینداروں کو پسند کرتا اوران کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا، وہ پہلے حنفی تھا پھر امام الحرمین کے لکھنے کے مطابق القفال کے کہنے پر شافعی ہوگیا تھا[2] عقیدے کے لحاظ سے کرامیہ کے مذہب پر تھا، اس کے ہم نشینوں میں محمد بن الہیصم بھی تھے، جن کے اور ابوبکر بن فورک کے درمیان مسئلہ عرش پر سلطان محمود کے سامنے بحث ہوئی، جس کا ابن الہیصم نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، چنانچہ سلطان نے ابن الہیصم کا قول پسند کیا، اور ابن فورک کی بات ناپسند کی، اوراس کے جہمیہ کا ہمخیال ہونے کے سبب دربار سے نکلوادیا۔[3]

---

[1] الیمینی ص ۳۱۶ (لاہور ۱۳۰۰ھ) [2] محققین کے نزدیک یہ روایت بہت مشکوک ہے اور متعدد حنفی علماء نے اسکی تردید کی ہے اور قصہ جس طرح بتایا جاتا ہے، اس سے قفال مروزی کے انتہائی تعصب کا پتہ چلتا ہے، ملاحظہ ہو، ملا عبدالنبی کا رسالہ "الرد علی القفال، مخطوطہ نمبر ۹۱ مولانا عبدالحی فرنگی محلی" کلکشن مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، [3] البدایۃ والنہایۃ ۱۲/ ۳۰ (بیروت طبع جدید)

ہم سلطان محمود غزنوی کی سیرت کے اس مختصر جائزے کو شیخ اکرام کے تجزیے پر ختم کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں :-

سلطان محمود غزنوی م ۱۰۳۰ء نے نہ صرف فتح ممالک اور جمع اموال میں کمال حاصل کیا، بلکہ علم و ادب کی سرپرستی بھی کی، اور اپنے دربار میں زمانہ بھر کے منتخب شعراء اور علماء و فضلاء جمع کر دیئے، اور (جن کی تعداد ۴۰۰ بتائی جاتی ہے یشں) واقعہ یہ ہے کہ برگزیدہ شعراء کا جو جمگھٹا محمود کے دربار میں تھا، ایران و توران کے کسی دوسرے فرمانروا کو میسر نہیں ہوا، ان شعراء کی بذلہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں نے محمود کی فتوحات کو چار چاند لگا دیے، اور نہ صرف سیاسی تاریخ میں بلکہ فارسی ادب کے اوراق میں بھی محمود اور اس کے دربار کو بلند جگہ مل گئی، جن شعراء نے محمود کے دربار میں شہرت پائی، ان میں فردوسی، عنصری، عسجدی، اور فرخی خاص طور پر مشہور ہیں — فردوسی کے سوا باقی تین شعراء نے ایسے اشعار کہے ہیں، جن میں سلطان کی ہندوستانی فتوحات کی طرف اشارہ ہے[1]

بعض علماء و مؤرخین کے خیال میں سلطان محمود کی اس سعادت و صلاحیت میں اس کی خوش طالعی کو بھی دخل تھا، چنانچہ منہاج سراج لکھتا ہے :- اُورا مناقب بسیار ست و مشہور و طالع اُو با طالع صاحب ملت اسلام[2] موافق بود[3] اس کے مناقب بہت ہیں اور مشہور ہیں، اور اس کا ستارۂ تقدیر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ستارے کے مطابق تھا۔

---

[1] آب کوثر ص ۶۱ [3] طبقات ناصری ص ۹، (لاہور ۱۹۵۲ء) یہی بات شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی انفاس العارفین، میں لکھی ہے۔

سلطان مسعود بن محمود (م ۴۳۲ھ) میں اپنے نامور والد کی حوصلہ مندی رعایا پروری، اور علم دوستی جمع تھی، مگر مشرق میں راجگان ہند اور مغرب میں ترکان سلجوقی کے دباؤ اور فوج کی سرکشی اور غداری کے سبب اسے ناکامیوں کا سامنا رہا، اس کے باوجود بھی شعر و ادب کی سرپرستی میں وہ محمود غزنوی کے طرز عمل پر قائم رہا، البیرونی نے "القانون المسعودی" اور فقہ حنفی میں، قاضی ابو محمد الناصحی نے الکتاب المسعودی اور بیہقی نے "تاریخ مسعودی"، لکھ کر اس کی علم پروری کا اظہار کیا، ایک رمضان شریف میں اس نے لاکھوں روپئے صدقہ کئے، ایک شاعر کو اس نے ایک قصیدے پر ایک ہزار دینار دے اور دوسرے شاعر کو اس کے ہر شعر پر ایک ہزار درہم عطا کئے[1]

مودود بن مسعود (۱۰۴۱-۱۰۴۹ء) اور فرخ زاد بن مسعود (۱۰۵۲-۱۰۵۹ء) غزنوی امرا کی خانہ جنگی، سلجوقیوں کی یلغار اور ہندوستانی راجاؤں کی کشمکش کا شکار رہے، ان کے بھائی سلطان رضی الدین ابراہیم (۴۵۱-۴۸۱ھ) کو حکمرانی کے چالیس سال ملے جس میں غزنوی سلطنت نے کچھ سنبھالا لیا، اور علم و ادب کو فروغ حاصل ہوا،

مولانا عبدالحئی حسنی لکھتے ہیں "اس نے داؤد بن میکائیل خراسان سے صلح کرلی، اور ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا، وہ افسوس کیا کرتا تھا، کہ اگر میرے دادا محمود کے بعد میرے والد مسعود کے بجائے مجھے حکومت ملی ہوتی تو سلطنت کمزور نہ پڑتی، وہ ہر سال ایک قرآن شریف خوشخط لکھ کر اور دیگر ہدایا کے ساتھ مکہ مکرمہ بھیجا کرتا تھا"[2]

---

[1] نزہۃ الخواطر ۱/۷۵ [2] نزہۃ الخواطر ۱/۵۸، ۵۹

Marfat.com

پروفیسر محمد حبیب لکھتے ہیں، یہ بڑا دیندار اور پرہیزگار تھا اور چالیس سال تک حکمراں رہا، اس کے ۳۶ بیٹے اور ۴۰ بیٹیاں تھیں۔ بادشاہ نے سب شاہی خاندان میں بر نہ ملنے پر شہزادیوں کی شادیاں علماء اور سادات سے کر دیں۔ سلطان ابراہیم ہندوستان پر دو بار چڑھا کی، آخری مرتبہ وہ بذات خود آیا اور اجودھن ہوتا ہوا رو پڑ پہونچا۔[۱]

ابراہیم کے بیٹے علاء الدین مسعود نے ۱۶ سال حکومت کے بعد ۱۱۱۵ھ میں انتقال کیا، اس کا لڑکا ارسلان شاہ دو سال حکمراں رہا۔ اس کے بھائی معز الدین بہرام شاہ بڑا عظیم الشان بادشاہ تھا، اس نے دو دفعہ محمد بہالیم حاکم پنجاب کو شکست دی، مولانا نظامی نے مخزن الاسرار کو، اسی کے نام معنون کیا ہے، اور کلیلہ ومنہ کا ترجمہ بھی اسی کے عہد میں عربی سے فارسی میں ہوا، آخری ایام میں سلطان کا سرداران غور سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے غزنین کو غوریوں نے تباہ کر ڈالا، اور سلطان بہرام کی ۴۱ سال کی حکومت کا انجام رسوائی اور بربادی میں ہوا۔[۲]

سلطان محمود کے ہاتھوں شعر وادب کی سرپرستی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ پورے غزنوی دور میں قائم رہا، اور اسے سلطان ابراہیم۔ اور سلطان بہرام نے بہت ترقی دی، اور ان کے ذریعے ہندوستان کا فارسی دبستان وجود میں آیا،،

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں: ابراہیم غزنوی کے دور حکومت میں لاہور علمی سرگرمیوں کا گہوارہ ہو گیا اور بقول عوفی علم وفضل کا مرکز تھا، ابراہیم کا ایک وزیر ابو نصر فارسی جو ادبی سرگرمیوں کی وجہ سے ادیب مشہور ہے،

---

[۱] غزنوی از محمد حبیب ص ۱۳۱ [۲] سلطان محمود غزنوی ص ۱۳۲۔ ۱۹۵۲ء

Marfat.com

علم و فضل کا مربی تھا، اس نے لاہور میں ایک خانقاہ قائم کی، جو اہل علم اور دوسرے بزرگوں کی جائے پناہ تھی، اور آہستہ آہستہ لاہور، بلخ و بخارا اور دوسرے ممالک کے اہل علم کھنچ کر آنے لگے، ابراہیم غزنوی کے بعد اس کا بیٹا سلطان علاء الدین مسعود تخت نشین ہوا، اسکے دربار کی ایک قابل ذکر ہستی، مسعود سعد سلمان ہے، جو پاکستان کا پہلا فارسی شاعر تھا، سلطان ابراہیم کے دربار کا ایک اور شاعر ابو الفرج رونی تھا ..... وہ قصیدہ نگاری میں یکتائے زمانہ تھا،[1]

پروفیسر وحید مرزا تحریر کرتے ہیں "ہندوستان میں فارسی شاعری کا آغاز غزنوی دور میں ہوا، اور جب تک دہلی فتح نہ ہوا تھا، پنجاب کے شہر لاہور اس شاعری کے بڑے مرکز رہے، چنانچہ اس زمانہ کا ایک بڑا شاعر ابوالفرج رونی لاہور کے قریب ایک گاؤں رون کا باشندہ تھا"[2]

مشہور صوفی شاعر حکیم سنائی غزنوی (م ۵۴۵ھ) نے ۵۲۵ھ میں بہرام شاہ کے لئے مثنوی حدیقہ لکھی[3] ۵۴۷ھ میں سلطان بہرام کی وفات کے بعد اس کا بیٹا خسرو شاہ جانشین ہوا جس کے بارے میں ابن الاثیر لکھتا ہے کہ وہ بڑا رعایا پرور، اور علم دوست تھا، علماء کا نہ صرف اکرام کرتا بلکہ ان کی بات بھی مانتا تھا،[4] ۵۴۸ھ ہی میں علاء الدین غوری نے غزنی میں داخل ہو کر اسے آگ لگادی اور مؤرخین کی نظر میں "جہاں سوز" قرار دیا گیا۔

۵۵۵ھ میں خسرو شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا، خسرو ملک (م ۵۹۸ھ) بادشاہ ہوا، جس پر عظیم غزنوی حکومت کا خاتمہ ہوا، اس نے قریب ۲۷ سال

---

[1] آب کوثر ص ۷۵-۷۴ [2] امیر خسرو از ڈاکٹر وحید مرزا (الہ آباد ۱۹۴۹ء) [3] نزہتہ الخواطر ۷۹/۱ [4] الکامل ۲۶۲/۱۱۔ ابن الاثیر نے غلطی سے خسرو شاہ کو آخری غزنوی بادشاہ قرار دیا ہے، جو دراصل اس کا بیٹا خسرو ملک تھا،

Marfat.com

حکومت کی سنہ ۵۸۳ھ میں شہاب الدین غوری نے ایک طویل محاصرہ اور رعایا کی غداری کے سبب اسے گرفتار کرکے اپنے بھائی غیاث الدین کے پاس افغانستان بھیج دیا جہاں عرصے کے بعد سنہ ۵۹۸ھ میں اسکو، اس کے بیٹے بہرام شاہ کو غوریوں نے قتل کردیا۔

ابن الاثیر نے غزنوی سلطنت کے خاتمے کا بڑے افسوس کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

خسرو ملک جب غور لے جایا جا رہا تھا، تو اہل پشاور روتے ہوئے باہر نکل آئے، اور اس کے لئے دعاء کر رہے تھے، وہاں کے خطیب کے صاحبزادے نے عرض کیا کہ میرے والد نے آپ کے بعد خدمت خطابت ترک کردی ہے، خسرو نے انہیں ایک تھیلی اور بعض صوفیا کا مصلّی دیا، اور کہا کہ انھیں سلام کہنا اور ان کے والد کی میرے والد کے پاس یہ امانت تھی، اور کہنا کہ ع

ع درمع الدھر کیف مادار

پھر خسرو نے بڑی فصاحت کے ساتھ اپنے حسب حال یہ شعر پڑھا ؎

ولیس کعھد الدار یاام مالک ولکن احاطت بالرقاب السلاسل

غزنوی بادشاہ بہت اچھے بادشاہ تھے، خصوصاً سلطان محمود جس کے داد معروف اور آخرت طلبی مشہور ہے ؎

کان یقعد فوق الشمس من کرم قوم باولھم او مجدھم قعدوا[1]

عربی دفتری زبان :-

غزنوی دور کی ایک نمایاں خصوصیت عربی زبان وادب کی سرپرستی اور اسے سرکاری زبان قرار دینا بھی ہے جس کے بارے

---

[1] الکامل ۱۰/ ۱۶۹

Marfat.com

میں ممتاز پاکستانی فاضل پروفیسر محمد منور لکھتے ہیں :-

" محمود کی حکومت کے دوران میں دفتری کاروبار عموماً عربی میں ہوتا
رہا، محمود کا پہلا وزیر ابو العباس فضل بن احمد اسفرائنی تھا، وہ عربی میں مہارت نہ
رکھتا تھا، چنانچہ اس نے مراسلات اور فرامین عربی کے بجائے فارسی میں لکھوانے
شروع کئے ..... ابو العباس کے بعد جب خواجہ احمد بن حسن میمندی وزیر بنا تو
اس نے مراسلات اور فرامین کی زبان پھر سے عربی قرار دے دی .... (۴۱۶ -
- ۴۲۲ھ) کے مابین ابو علی حسن بن محمد بن عباس المعروف بہ حسنک میکال
وزیر اعظم رہا، اس کے دور میں بھی دفتری زبان عربی ہی رہی ... آخری غزنوی
بادشاہ کا وزیر الصاحب نصر اللہ بن عبد عربی میں بڑی مہارت رکھتا تھا، اس
نے بہرام شاہ کی حکومت کے زمانے میں "کلیلۃ و دمنۃ"، کو عربی سے فارسی
میں ترجمہ کیا تھا، اور وہ خود عربی میں شعر کہتا تھا[1]

غزنویوں کا دور عربی زبان کے لئے بہت سازگار بھی تھا، ان کے بعد
سلجوقیوں اور مغلوں نے دفتری کاموں کے لئے ترکی اور فارسی زبان کو اپنایا،
جس سے مشرقی علاقوں میں عربی کی ترقی رک گئی۔

پروفیسر محمد منور لکھتے ہیں :- " اس دور یعنی چوتھی صدی ہجری (دسویں
صدی عیسوی) کے اواخر تک عالم اسلام میں عربی ہی ایک طرح سے زبانِ
علم و ادب تھی، اس دور کے خاتمے پر بھی عراق سے لیکر مراکش تک یہی کیفیت
رہی، مگر مشرق میں فارسی نے بھی زبان علم و ادب کی حیثیت سے سر نکالنا
شروع کر دیا تھا، مشرقی علاقوں میں ابو مسلم کی بغاوت کے بعد یعنی عباسی خلافت
کے آغاز سے خالص عربی کا تسلط کم ہونا شروع ہو گیا تھا، اور پھر مختلف غیر

---

[1] تاریخ ادبیات ص ۶۷ - ۶۹

Marfat.com

عرب ریاستیں وجود میں آگئیں، ایران وترکستان کی عرب آبادیاں کچھ تو امویوں کے خلاف ظہور میں آنے والے بے پناہ سیلاب انقلاب کی زد میں آکر برباد ہوگئیں، اور کچھ بعد میں رفتہ رفتہ ناپید ہوگئیں، اگر وہ انقلاب محض تبدیلیٔ خاندان خلافت ہوتا، تو اور بات تھی، مگر اس انقلاب کی تہ میں ایک محرک ایران کے احیاء کی تمنا بھی تھی، باغی عرب تعداد میں تھوڑے تھے، اکثریت ایرانی کسانوں کی تھی، لہٰذا مارے جانے والے شام سے لیکر سمرقند تک فقط عرب تھے، بغاوت کرنے والے دہقان سارے مسلمان نہ تھے، ان میں بھاری تعداد مجوسیوں کی بھی شامل تھی،[1]

اس بے پناہ انقلاب نے عربی زبان کے پھیلاؤ کو روک دیا ورنہ کچھ بعید نہ تھا کہ جس طرح شام سے لیکر بحر اوقیانوس کے ساحل تک بہ شمول سوڈان مسلمان علاقوں کی زبان عربی ہوگئی تھی، اور تا حال ہے اسی طرح مشرق میں بھی عراق سے لیکر کاشغر اور سمرقند تک بہ شمول مغربی پاکستان سارے نواح کی عربی زبان ہوتی،"[2]

سلطان محمود کے درباری شعراء عنصری، عسجدی، عضائری، وفرخی اور فردوسی کے اشعار میں بکثرت عربی الفاظ ملتے ہیں اور اس دور کے شعراء کے افکار واذہان پر جاہلی عرب شعراء کے اشعار کا پرتو نظر آتا ہے، ڈاکٹر رضا زادہ شفق لکھتے ہیں :-

نہ صرف یہ کہ منوچہری کو عربی مضامین اور عربی شاعری سے خاص لگاؤ تھا، بلکہ وہ عربی زبان اور عربی لغت پر بھی خوب حاوی تھا، اس نے اپنے بعض ہم عصر شاعروں کی طرح نہ صرف عربی مضامین اور عربی اسلوب

---

[1] حطی: (تاریخ عرب ۲۸۷) [2] تاریخ ادبیات ص ۷۶ - ۷۷ .

Marfat.com

کی تقلید کی ہے، بلکہ موٹے عربی الفاظ اور ثقیل عربی ترکیبیں بھی کثرت سے فارسی شاعری میں داخل کردی ہیں[1]

سلطان محمود کا ذہن شعوبیت یا عجمیت کے بجائے اسلامیت و عربیت سے قریب تھا، اس لئے اس نے خلافت سے اپنی وابستگی برقرار رکھی اور سرکاری دفاتر کی زبان فارسی کی جگہ عربی رکھی، اس کے دربار میں، العتبی، اور البیرونی جیسے عربی کے جید نثر نگاروں کی ہمت افزائی ہوئی، اور اسی کے عہد میں ابن سینا نے عربی زبان میں اپنی "القانون" اور "الشفاء" اور دوسری لافانی کتابیں لکھیں جسے محمود نے اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی، مگر وہ نظریاتی اختلاف کے سبب دور دور رہا۔

مشرقی ممالک میں غزنوی دور عربیت کی فصل بہار کا حکم رکھتا ہے، جس کے بعد غوریوں اور دوسرے ہندوستانی مسلم حکمرانوں نے فارسی کو سرکار دربار کی زبان بنائے رکھا، اور عربی، علماء اور ممتاز فضلاء کی ذاتی دلچسپی کے سبب فروغ پاتی رہی۔

غزنوی عہد کے ممتاز عربی نگار ادباء و فضلاء:-

(ابوالعلاء عطاء بن یعقوب الغزنوی معروف بہ ناکوک)

عوفی اسے، افضل العصر، اور الکاتب المعروف کے القاب سے یاد کرتا ہے، ابوالعطاء الباخرزی نے "دمیۃ القصر" اور یاقوت نے، "معجم الادباء" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ فارسی و عربی دونوں میں صاحب دیوان تھا، وہ سلطان ابراہیم بن مسعود کا معاصر تھا، اس کی وفات ۴۹۱ھ

---

[1] تاریخ ادبیات ایران ۹۶ (دہلی ۱۹۸۵ء)

میں ہوئی۔

نزہۃ الخواطر میں اس کا ایک قطعہ درج ہوا ہے، جس سے اس کی قدرت کلام اور سلاست نمایاں ہے اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:-

اللہ جار عصابۃ ودعتھم | والدمع یھمی والفواد یھیم
قد کان دھری جنۃ فی ظلھم | ساروا فاضحی الدھر وھو جحیم
کانوا غیوث سماحۃ وتکرم | فالیوم بعدھم الجفون غیوم
رحلوا علی رغمی ولکن حبھم | بین الفواد المستھام مقیم
قد خانھم صرف الزمان لانھم | کانوا کراماً والزمان لئیم الخ[1]

رابعہ بنت کعب القزداری:- عوفی نے رابعہ کا ذکر شعرائے آل سبکتگین میں کیا ہے، وہ اسے علم وفضل میں مردوں سے برتر مانتا ہے، اس کا وطن قزدار، جسے قصدار اور خضدار بھی کہا جاتا ہے، بلوچستان کا ایک قدیم قصبہ ہے، اسے ۴۱ھ میں ابوالاشعث منذر بن جارود نے فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کیا[2] اس کا ایک قطعہ ہے

شاقنی نائح من الاطیار | ھاج سقمی وھاج لی تذکاری
قلت للطیر لم تنوح وتبکی | فی دجی اللیل والنجوم دراری[3]

شمس الکفاۃ احمد بن حسن میمندی:- وہ ۴۰۵ھ میں سلطان محمود کا وزیر ہوا، اس کا تدبر وحسن انتظام ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے، شیخ

---

[1] نزہۃ الخواطر ۱/۶۵ [2] تاریخ سندھ: ابوظفر ندوی ص ۳۸ [3] لباب الالباب: محمد عوفی ۲/۶۲، لامڈن ۱۹۰۳ء بہ تحقیق براؤن وقزوینی۔

سعدیؒ نے گلستاں میں بھی اس کے قصے لکھے ہیں اس کے دشمنوں کی شکایت پر سلطان محمود نے اس سے بدظن ہو کر اسے کالنجر میں قید کر دیا۔ پھر سلطان مسعود نے ۴۲۲ھ میں دوبارہ وزارت پر فائز کیا۔ ۴۲۴ھ میں اس نے ہرات میں انتقال کیا۔

عونی نے اس کا یہ قطعہ نقل کیا ہے، جس سے اس کی عربی میں لیاقت کا پتہ چلتا ہے ؎

ومهفهف لون المعاطف نصبة	فی حسن طاؤس بدوربکاس
عانقته متمسطقا بوراعنا	لحسن به من زینة ولباس
فتمایلت اعطافه متبخترا	فوقعت بالوسواس فی الوسواس[۱]

وہ اس پایہ کا ادیب تھا کہ نظامی سمرقندی نے "چہار مقالہ" میں ادیبوں کے لئے بلعمی اور ابونصر الکندری کے ساتھ اس کی توقیعات کے مطالعہ کا بھی مشورہ دیا ہے۔[۲]

ابونصر محمد بن عبدالجبار العتبی :-

ابونصر محمد بن عبدالجبار العتبی، (م ۴۲۷ھ) نیشاپور کا رہنے والا مشہور مورخ اور سلطان محمود کا فاضل سکریٹری تھا، ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے، اور اس کے عربی اشعار کے نمونے دیئے ہیں، اور بہت سی کتابوں کا مصنف بتایا ہے، "اس کی تاریخ الیمینی" ۴۱۰ھ / ۱۰۱۹ء تک کے حالات وواقعات پر ختم ہو جاتی ہے، فقط ایک واقعہ ایسا ہے جس کا تعلق ۴۲۰ھ سے ہے،"[۳]

---

[۱] لباب الالباب [۲] قصۃ الأدب فی العالم: احمد امین ۱/ ۲۴۴، چہار مقالہ ص ۱۹ (الہ آباد غیر مؤرخ) [۳] تاریخ ادبیات ۸۶،

اس کا خاص تعلق محمود کے وزیر احمد بن حسن میمندی سے تھا جس نے
سے گنج رستاق (بادغیس) کا ناظم برید بنا دیا تھا۔[1]

اس نے اپنی تاریخ شہزادہ ابو احمد محمد غزنوی کے ایماء پر لکھی جس میں
ف سبکتگین اور سلطان محمود کا تذکرہ ہے، عتبی نے اپنے معاصر شعراء میں ثعالبی،
الفتح البستی، ابو محمد خازن الاصفہانی وغیرہ کے اشعار اور وہ عربی قصائد بھی
ثرت ذکر کئے ہیں جو انھوں نے سلطان محمود کی فتوحات کے موقع پر لکھے ہیں،
ں طرح یہ تاریخ ایک ادبی صحیفہ بھی بن گئی ہے[2] اس زمانہ کے دستور کے
طابق اس نے مقفیٰ عبارت لکھی ہے لیکن اس میں مبالغہ آرائی کی جگہ
یقت بیانی غالب ہے۔ اس کا دوست اور مشہور ادیب و ناقد ثعالبی نیشا
ری لکھتا ہے:- "هو لمحاسن الأدب وبدائع النثر
طائف النظم ودقائق العلم كالينبوع للماء والزند للنار- به جمعها
ل اصل كريم وخلق عظيم.... وله كتاب لطائف الكتاب وغيره
ن المؤلفات"[3]

"وہ ادبی محاسن، نظم ونثر کی جودت ولطافت اور علمی دقائق کے
ے اصل وسرچشمہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی شرافت واخلاق
ے اونچے مقام پر ہے، لطائف الکتاب، کے علاوہ بھی اس کی دوسری
لفات ہیں" جرجی زیدان لکھتا ہے:-

وہ بڑا بلیغ انشاء پرداز ہے پہلے امیر ابوعلی کا پھر ابوالفتح البستی
ساتھ سبکتگین کا میر منشی رہا، اس نے الیمینی اس زمانے کے اسلوب

---

[1] الیمینی للعتبی ص ۴۴۳ (مطبع محمدی، لاہور ۱۳۰۰ھ) [2] قصۃ الأدب فی العالم:
امین ۱/۲۲۸ (قاہرہ، ۱۹۴۳ء) [3] یتیمۃ الدھر للثعالبی ۴/۳۹۷ (مصر ۱۹۴۷ء)

ترسل ہیں لکھا ہے جیسا کہ ثعالبی نے تیمیۃ الدہر لکھی مگر عتبی اس سے زیادہ بلیغ ہے اور بلاغت میں ابراہیم الصّولی اس کے قریب ہے [1]

مشہور معاصر عرب ناقد عمر فروخ لکھتے ہیں کہ "وہ بڑا فاضل انشاء پرواز شاعر تھا،" [2]

اس کا زمانہ ابو بکر الخوارزمی، وابن العمید، الصاحب بن عماد — (م ۳۸۵ ھ) بدیع الزماں الہمدانی (م ۳۹۸ ھ) اور الحریری جیسے مقفیٰ عبارت لکھنے والوں کا تھا جسے تحریر کی خوبی سمجھا جاتا تھا، عتبی نے الیمینی کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ اس نے الصابی کی التاجی کے طرز پر اپنی کتاب لکھی ہے۔ اُسے عربی نظم ونثر پر یکساں قدرت حاصل ہے، اس لئے وہ اپنی تاریخ میں جگہ جگہ عربی کے اشعار وقطعات درج کرتا ہے، اس کے کلام کا نمونہ یہ ہے

لا تحسبن هشاشتي لك عن رضى فوحق فضلك انني أتملق
ولقد نطقت بشكر برك مفصحاً ولسان حالي بالشكاية أنطق
له وجه الهلال لنصف شهر واجفان مكحلة بسحر
فعند الأبتسام كليل بدر وعند الانتقام كيوم بدر

ابوالحسن بوشنجی :-

سمعانی نے ہندوستانی علماء میں اپنے ایک استاذ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ صوفی عتیق محمد بن اسماعیل الیعقوبی کا ذکر کیا ہے کہ وہ قاضی تھے اور بوشنج کے رہنے والے مرد صالح تھے (م ۵۳۲ ھ) [3]

---

[1] تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ للزیدان ۶۳۲/۱ (بیروت ۱۹۷۸ء) [2] تاریخ الادب العربی ۹۶/۳ (بیروت ۱۹۸۱ء) [3] الانساب ۴۳۳/۱۰

شیخ اسماعیل لاہوری :۔

شیخ محمد اکرام انکے بارے میں لکھتے ہیں:

تاریخی کتابوں میں سب سے پہلے جس مبلغ اسلام کا نام آتا ہے وہ
یخ اسماعیل لاہوری تھے، جو یہاں اس زمانے میں آئے، جب ابھی لاہور میں
ک ہندو راجہ حکمراں تھا، وہ شاید سلطان محمود غزنوی کو خراج دیتا تھا لیکن۔۔۔
لطان نے ابھی لاہور میں اپنا نائب نہیں مقرر کیا تھا،

شیخ اسماعیل لاہوری سیّد تھے، اور علوم ظاہری و باطنی، دونوں میں
ترس رکھتے تھے، ان کی نسبت لکھا ہے کہ واعظین اسلام میں وہ سب سے
پہلے بزرگ تھے، جنھوں نے لاہور کے شہر میں جہاں وہ ۱۰۵۵ء میں آئے تھے،
وعظ کہا، ان کی مجلس وعظ میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا، اور ہر روز صدہا خلعت
سلام سے مشرف ہوتے تھے [1]

انھوں نے ہندوستان میں حدیث و تفسیر کو رواج دیا ان کا انتقال
لاہور میں ۴۴۸ھ / ۱۰۵۶ء میں ہوا۔ خزینۃ الاولیاء، حدائق الحنفیہ، اور تذکرہ علماء
ہند میں آپ کا تذکرہ موجود ہے [2]

مولانا سراج الدین محمد لاہوری :۔

یہ مولانا منہاج الدین عثمان
جوزجانی لاہوری کے صاحبزادے تھے، ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء میں جب سلطان
غزالدین سام محمد غوری نے سلطان خسرو ملک، (آخری غزنوی بادشاہ) کو گرفتار
کر کے دہلی سلطنت کی بنیاد رکھی، تو مولانا سراج الدین کو اپنا قاضئ لشکر
بنایا۔ سلطان محمود غوری کی طرف سے خلیفہ الناصر لدین اللہ کے پاس

---

[1] آب کوثر: ص ۷۵ [2] تاریخ ادبیات ۱۲۲۔

Marfat.com

سفیر بن کر بھی گئے، بعداد سے واپسی پر غزنین میں انتقال کیا۔[1]

نصر اللہ المنشی بن محمد بن عبد الحمید:۔ عربی و فارسی دونوں پر قدرت رکھتا تھا، اس نے کلیلہ ومنہ کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا، بہرام شاہ اور خسرو ملک سے وابستہ رہا جس نے بدگمان ہوکر اس کی موت کا حکم صادر کیا تھا۔

"اس نے کلیلہ دمنہ کے دیباچے میں اپنے عربی کے دوشعر بھی نقل کئے ہیں، جو اس نے بہرام شاہ کی زبان سے کہلوائے ہیں:۔

انا لنخزر بالأسیاف مصلتۃ ممالک الروم والأتراک عن کثب
حتی تکون لنا الدنیا بأجمعہا محمیۃ بین موروث ومکتسب[2]

اس کے یہ اشعار جہاں اس کی قادر الکلامی کے شاہد ہیں وہیں اس کے احساس وشعور کی بلندی کا بھی پتہ دیتے ہیں۔

مسعود بن ابی الیمن الکرمانی:۔ عوفی نے اسے شعرائے غزنویہ میں شمار کیا ہے، اور اس کا یہ قطعہ لکھا ہے، جس سے اس کے ادبی ذوق اور معنی آفرینی کا پتہ چلتا ہے ؎

تنبہ فان الحان الحمام المطوق تحث علی شرب المدام المروق
بقول اصطبح واشرب واعتق من الجوی رقیق فوادبا الرحیق المعتق[3]

مسعود سعد سلمان لاہوری:۔ مسعود برصغیر کا پہلا شاعر ہے

---

[1] ایضاً ۱۲۵ بحوالہ طبقات ناصری ۳۱، ۷ نیز لباب الالباب [2] تاریخ ادبیات ص ۹۳، [3] لباب الالباب ص

جس نے عربی، فارسی، اور ہندوستانی زبانوں میں تین دیوان تیار کئے، وہ متنبی و بحتری کی طرح بلند ہمت شاعر تھا، جو شعر و حکمت کے ساتھ حکومت کا بھی خواہاں تھا، مگر قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا، اور وہ غزنویوں کا ایک امیر ہی رہا، اور اس کی چوتھائی زندگی قید و بند کی نذر ہو گئی،

مسعود سعد اصلاً ہمدانی تھا، مگر اس کی ولادت لاہور میں ۴۳۵ھ۔ ۴۴۰ھ کے درمیان ہوئی تھی، اس نے ابراہیم بن مسعود سے لیکر بہرام شاہ تک کا طویل عہد پایا، اور تقریباً اسی ۸۰ سال کی عمر میں ۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء میں فوت ہوا، کہا جاتا ہے کہ وہ ملک شاہ خراسانی کی مدد سے ہندوستان کے کسی علاقے کا حاکم بننا چاہتا تھا جو غزنویوں کو کھٹکا، چنانچہ سلطان ابراہیم اور اس کے لڑکے سلطان مسعود کے زمانے میں وہ مختلف الزامات میں تقریباً ۲۳ سال قید میں رہا،[1] مگر اس کی طبع آزاد نے شعر و ادب کے ایسے لافانی نمونے پیش کئے، کہ دنیا کے زندانی ادب میں اس کی "حبسیات"، کو ایک مخصوص و منفرد مقام حاصل ہو گیا، نظامی عروضی سمرقندی نے بڑے موثر انداز میں حبسیات مسعود کے بارے میں لکھا ہے کہ:-

"ارباب خرد و اصحاب انصاف دانند کہ حبسیات مسعود در علو بچہ درجہ است و در فصاحت بچہ پایہ بود، وقت باشد کہ من از اشعار او ہمی خوانم موی براندام من برپائے خیزد و جای آں بود کہ آب در چشم من برود"[2]، (اہل عقل و انصاف جانتے ہیں کہ حبسیات مسعود کس قدر بلند پایہ اور فصیح ہیں، اس کے اشعار کو پڑھتے وقت میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں)

---

[1] حصارنای: سہیلی خوانساری (تہران) ص ۱۸ - ۵۶،

[2] چہار مقالہ: ۶۶، (علی گڈھ ۱۹۷۶ء) ۶۷، سبحۃ المرجان: آزاد بلگرامی

عوفی اسے "نوادرِ ایام" و "افاضل انام" سے یاد کرتا ہے اور اس کی زندگی کے عروج و زوال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اسے ولایتِ بیان کا سلطان، اور ایک ایک قطعۂ شعری پر "کارواں ہائے نعمت" بخشنے والا بتاتا اور اس کے عربی و فارسی اور ہندی دیوانوں کی خبر دیتے ہوئے اس کے اشعار کو استادانہ اور مطبوع قرار دیتا ہے[۱]

عوفی کے علاوہ آزاد بلگرامی اور بیشتر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ عربی، فارسی اور ہندوستانی زبانوں کے تین دواوین کا مالک تھا، مگر اب صرف فارسی دیوان ہی باقی رہ گیا ہے۔ اس کے کچھ عربی اشعار رشید الدین وطواط نے حدائق السحر میں لکھے ہیں، جنھیں تذکرہ نگار نقل کرتے ہیں، وہ خود اپنے بارے میں کہتا ہے ؎

مرا بداں نوکہ در پارسی و در تازی

بہ نظم و نثر ندارد چوں من کس استقلال

اس کے عربی اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے عربی زبان پر پوری قدرت حاصل تھی، اپنے فارسی دیوان میں بھی وہ بے تکلف عربی اشعار اور مصرعے لکھتا چلا جاتا ہے، نمونۂ کلام ملاحظہ ہو،

ثق بالحسام فعهده میمون ـــ ابداً وقل للنصر کن فیکون

اس کا مندرجہ ذیل قطعہ اکثر تذکرہ نگاروں نے درج کیا ہے، جو منظر نگاری کی اچھی مثال ہے ؎

ولیل کأن الشمس ضلت ممرها ـــ ولیس لها نحو المشارق مرجع

نظرت الیه والظلام کانّه ـــ علی العین غربان من الجو وقع

---

[۱] لباب الالباب ۲ / ۳۴۶

فقلت لقلبي طال ليلى وليس لي	من الهم منجاة وفي الصبر مفزع
أرى ذنب السرحان في الجو ساطعاً	فهل ممكن أن الغزالة تطلع

مولانا آزاد نے ساطعاً کی جگہ طالعاً لکھا ہے، اور ذنب السرحان اور غزالۃ میں صفت تورِیہ بتایا ہے[1] بعض نسخوں میں أری کی جگہ أیا بھی ہے: ترجمہ! "رات ایسی تھی گویا سورج اپنا راستہ بھول گیا ہو، اور اسے مشرق کی طرف آنا ہی نہ ہو، میں نے اسے دیکھا تو تاریکی یوں معلوم ہو رہی تھی کہ فضا سے کالے کوّے گر رہے ہیں، میں نے اپنے دل میں کہا کہ میری رات یہی ہو گی اور مجھے نہ غم سے نجات ہے نہ صبر ہی میسّر ہوتا ہے، میں بھیڑیا کی دم (ستارہ) فضا میں چمکتی دیکھ رہا ہوں، تو کیا ممکن ہے کہ غزال آفتاب طلوع ہو سکے۔

مولانا آزاد نے ذوالقافیتین کی مثال میں مسعود کا یہ قطعہ پیش کیا ہے، جو تشبیہ اور منظر کشی کی بھی اچھی مثال ہے:

یا لیلۃ اظلمت علینا	لیلاً قاریۃ الدجنۃ
قد رکضت فی الدجی علینا	دھماً خداریۃ الأعنۃ
فبت اقتاسها فکانت	حبلی نهاریۃ الأجنۃ[2]

(ایک عجیب رات ہم پر مسلّط ہوئی، جو سخت تاریک اور تارکول کی طرح سیاہ تھی، اس نے تاریکی میں ہم پر کالی لگاموں والے سیاہ گھوڑے دوڑا دیئے، میں اسے جھیلتا رہا اور بالآخر معلوم ہوا کہ اس کے بطن میں جنین صبح پوشیدہ تھے)

خریدۃ القصر میں عماد الدین نے اس کے یہ دو شعر بھی لکھے ہیں:

---

[1] سبحۃ المرجان صہ ۶۹، خزانۂ عامرہ صہ ۱۵، ۱۶ (کانپور ۱۸۷۱ء)

یعیبوننی أنی اقول مغاضباً　　حبیبی عندی حبۃ قیمۃ الحب
بلیٰ قیمۃ المعشوق عندی حبۃ　　ولکنما أعنی بہا حبۃ القلب[1]

"وہ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں غصے میں کہتا ہوں کہ میرے دوست میرے نزدیک محبت کی قیمت صرف ایک حبہ ہے۔

علامہ البیرونی :- البیرونی اسلام کی اس علمی روایت کا ایک نمایاں مظہر ہے، جس میں انفس و آفاق کی جستجو، تاریخ و آثار قدیمہ اور صحیفۂ کائنات کے تحقیقی مطالعے اور حیات و کائنات پر عبرت و بصیرت کی نظر ڈالنے اور صحیح نتائج تک پہونچنے اور حقیقت و صداقت کی گواہی دینے اور بے تعصب، غیر جانبدار اور معروضی رویہ اپنانے پر زور دیا گیا ہے۔

" یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ "۔ (النساء: ۴، ۱۳۵)

(اے ایمان والو تم انصاف پر سختی سے قائم رہنے والے اور اللہ کیلئے گواہی دینے والے بنو، خواہ وہ تمہارے خلاف یا تمہارے والدین اور اعزہ واقرباء کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے)

چنانچہ اس نے علوم عقلیہ کی تقریباً تمام شاخوں میں اپنی بے لاگ بحث وتحقیق کے آثار اور برگ و بار پیدا کئے منطق و فلسفہ، ہیئت و ریاضی، ارضیات و فلکیات، ہندسہ و طبعیات، کے ساتھ تاریخ وجغرافیہ کے شعبوں میں بھی گراں قدر تحقیقات پیش کیں اور اس طرح ایک ہمہ جہت عبقری .... (Versatile Genius) کی شکل میں دنیا کے سامنے آیا۔

---

[1] سبحۃ المرجان ص ۹۹ - ۹۹

اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی حق پسندی وصاف گوئی اور معروضی وتحقیقی نقطۂ نظر ہے، جس کی وجہ سے وہ دنیا کے مختلف اقوام وملل اوران کے علوم وفنون اور تاریخ وآثار کا تحقیقی جائزہ لیتا ہے، اور پوری علمی دیانت داری کے ساتھ اپنے نتائج کا اظہار کرتا ہے، اپنے اسی بے تعصب علمی رویّے کی وجہ سے اس نے حالت جنگ میں بھی ہندؤوں کے دل میں گھر کرکے ہندوستانی علوم وفنون اور تاریخ وآثار کو اپنی "کتاب الہند" کے ذریعے اس طرح محفوظ کردیا کہ تاریخ ہند کا کوئی طالب علم اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا، اسی طرح اس کی "الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ"، اور "القانون المسعودی" سے عالمی تاریخ وجغرافیہ کا کوئی محقق بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ علامہ البیرونی کو ہندوستان کے عربی مصنّفین میں کس طرح شامل کیا جاسکتا ہے تو عرض کیا جائے گا کہ البیرونی، غزنوی سلطنت کا عالم ہے جس کے حدود مغربی ہند تک وسیع تھے، اور البیرونی نے اپنی تصنیفی سرگرمیاں ہندوستان میں بھی جاری رکھی تھیں، اس کے علاوہ علامہ البیرونی کے کام کا بڑا حصّہ ہندوستان سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں :-

البیرونی کی کتاب الہند اور اس نوعیت کی دوسری کتابوں کو بھی عربی ادب میں ہند کا حصّہ شمار کرنا چاہیئے، اس لئے نہیں کہ چند مشہور عربی مصنفوں نے اس کتاب، کے مصنّف کو سندھ کا باشندہ مان لیا ہے، بلکہ اس لئے کہ ان کتابوں کا سارا مواد، ہند سے حاصل کیا گیا ہے، البیرونی کا ہند سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ یہاں عربی میں لکھی جانے والی کتابوں کے بیان میں اس کو نظر انداز کردینے کا خیال تک نہیں کیا جاسکتا،

علم الہیئت اور علم الحساب کے ایک زبردست عالم و محقق کی حیثیت سے بیرونی نے بڑی شہرت پائی ہے، اور اس میں ہندی علماء کی ان تصانیف کا بھی دخل ہے، جن سے البیرونی نے استفادہ کیا ہے، اسلامی ہند کے پہلے سلطان اور ان کے بیٹے نے البیرونی کی جو سرپرستی کی اور غزنوی سلاطین نے ان کو جو جو سہولتیں بہم پہونچائیں، ان کی اہمیت یقیناً مسلمہ ہے، تاہم ہندی علوم کی حد تک ہندی عالموں اور معلموں کا جو احسان ہے اس کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا،، [1]

البیرونی کی ولادت احمد بن محمد خوارزم شاہ کے عہد میں چوتھی صدی ہجری دسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ۳ ذی الحجہ ۳۶۲ھ / ۴ ستمبر ۹۷۳ء میں ہوئی۔

۴۰۷ھ / ۱۰۱۶ء میں جب محمود غزنوی نے خوارزم پر قبضہ کیا تو اسے مال غنیمت کے ساتھ البیرونی جیسا نادرۂ روزگار بھی ہاتھ آیا۔ اس نے اپنی عمر کے ابتدائی ۲۵ پچیس سال وطن ہی میں بسر کئے اور وہاں ابو نصر منصور بن علی عراق جیسے ریاضی داں سے علم حاصل کیا اور بوعلی سینا سے مراسلت کی، اس نے اپنی بلند پایہ کتاب "الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ"، جو ریاضی و فلکیات سے متعلق ہے، شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کے دربار میں لکھی تھی اور اسی کے نام سے معنون کی تھی یہ تقریباً ۳۹۰ھ / ۱۰۰۰ء کی بات ہے۔ [2]

اس کی تحقیق ماللہند ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء میں یعنی محمود کی وفات کے سال ختم ہوئی، "القانون المسعودی"، سلطان مسعود کے زمانے میں مکمل ہوئی جس پر مسعود نے اسے ہاتھی کے ہم وزن چاندی کے سکے دیئے، مگر اس نے یہ رقم خزانہ

---

[1] عربی ادبیات ص ۳۹ [2] تاریخ ادبیات ۱۰۴

Marfat.com

میں واپس کردی،

سلطان مودود بن مسعود غزنوی کے لئے اپنی گراں قدر کتاب "الجماھر فی معرفۃ الجواھر" لکھی، اس کی کتاب الصیدلہ" طب پر ایک جامع کتاب تھی، اور حرف تہجی کے اعتبار سے تھی،

سلطان مسعود ہی کے نام پر اس نے، الزیج المسعودی، بھی لکھی اس نے دیوان أبی تمام کی شرح بھی لکھی تھی [1]

علمی انہماک:-

اس کے غیر معمولی علمی انہماک کا اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے جسے محمد بن محمود شہرزوری نیشاپوری کی سند سے یاقوت نے لکھا ہے، [2] شہرزوری کی کتاب "نزھۃ الأرواح وروضۃ الأفراح" سے ڈاکٹر زخاؤ Dr. E. Schall نے اپنے مقدمے میں نقل کیا ہے:-

ولا یکاد یفارق یدہ العلم وعینہ النظر وقلبہ الفکر الا فی یوم النیروز، والمھرجان فی السنۃ لأعدادما یمس الحاجۃ الیہ فی المعاش من بلغۃ الطعام وعلقۃ الریاش [3]

اس کا ہاتھ قلم سے، اس کی آنکھ نظر سے اور اس کا قلب غور و فکر سے سال میں نوروز و مہرجان کے علاوہ کبھی جدا نہیں ہوتا تھا، جس میں وہ کھانے پہننے کا کچھ اہتمام کرتا تھا،

قابل رشک موت:-

البیرونی نے اپنی زندگی جس بے مثال علمی

---

[1] نزہۃ الخواطر ۱/ ۶۸ - ۶۹ [2] معجم الأدباء ۱۷/ ۱۸۱ (بیروت ۱۹۸۰ء)
[3] الآثار الباقیۃ 1878 Leipzig

مشغولیات میں گذاری تھی اس پر اس کا خاتمہ بھی ہوا، برنی صاحب لکھتے ہیں
سنہ ۴۴۰ھ میں دوسری رجب جمعہ کا دن تھا جو ۱۱ ستمبر سنہ ۱۰۴۸ء کے مطابق ہوتا
ہے کہ پیام اجل آپہنچا، اور عشاء کے بعد اس فرد فرید نے داعی اجل کو لبیک کہا
کل عمر ۷۷ سال سات ماہ ہوئی،

وفات کے وقت ایک حیرت انگیز واقعہ، فقیہ ابوالحسن علی بن
عیسی الولوالجی نے بیان کیا ہے جسے یاقوت نے محمد بن محمود نیشاپوری سے
لیا ہے، اور اس نے قاضی کثیر بن یعقوب بغدادی کی کتاب السطور سے
نقل کیا ہے، قاضی یعقوب نے اس واقعہ کو فقیہ ابوالحسن کی زبان سے
سنا تھا، میں ابوریحان کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ اس کا دم اکھڑا ہو
ہے اور اسکی وجہ سے سینہ گھٹ رہا تھا، اس حال میں اس نے مجھ سے کہا
کہ تم نے جدات فاسدہ کا حساب ایک دن کس طرح بتلایا تھا؟ میں نے اس
سے شفقت کے طور پر کہا کہ کیا اسی حالت میں بتاؤں، اس نے کہا کہ اسی
وقت بتایئے، میں اس مسئلہ کو جاننے کے بعد دنیا کو چھوڑوں تو بہ نسبت
اس کے بہتر ہوگا کہ میں اس سے جاہل دنیا سے جاؤں، میں نے اس
مسئلہ کو اسے بتایا اور اس نے اسے یاد کیا اور جو کچھ بتلایا تھا دہرایا، اسکے
بعد میں اس کے پاس سے رخصت ہو کر باہر آیا، ابھی راستے میں تھا کہ رو
پیٹنے کی آواز سنائی دی [1]

البیرونی کا علمی طرز تحقیق:-

متکلمین و حکمائے اسلام نے
جس شوق و محنت اور فہم و بصیرت کے ساتھ یونانی علوم و فلسفہ کی تحقیق کی

---

[1] البیرونی ص ۱۰۷، معجم الأدباء ۱۷/ ۱۸۶ (بیروت ۱۹۸۰ء)

Marfat.com

تھی، البیرونی نے اسی علمی اسلوب وروایت کو مشرقی خصوصاً ہندوستانی علوم وفلسفہ کی تحقیق کے سلسلے میں اپنایا اور اسلام کی ملکی فتوحات کے ساتھ اس نے اسلام کی علمی وذہنی فتوحات کا سلسلہ بھی قائم رکھا، اور دنیا کے سامنے اسلام کی پیدا کردہ تمیز حق وباطل، علم دوستی وذوق جستجو، صداقت شعاری وحقیقت پسندی کے لافانی نمونے پیش کر دیئے، جسٹس سیّد امیر علی لکھتے ہیں:۔

"البیرونی جامع العلوم تھا..... اس کی "القانون المسعودی" ایک معرکے کی تصنیف ہے..... وہ جس فلسفیانہ ژرف نگاہی، سائنسی صداقت پسندی، اور وسیع ہمدردی کے ساتھ اپنے موضوع سے بحث کرتا ہے وہ اس اسلوب سے جو آج تک مغربی مصنفین غیر ممالک کے حالات بیان کرتے وقت اختیار کرتے ہیں، بہت مختلف ہے اور اسلام کی ذہنی صداقت شعاری پر شاہد ہے"[۱]

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترکی پروفیسر کی مرتبہ کتاب "صفۃ المعمورہ علی البیرونی" کے فاضلانہ مقدمے میں البیرونی کے علمی کارنامے کو چند نکات میں تحریر کیا ہے جس میں سے کچھ یہ ہیں:

البیرونی نے قدماء کے سرمایہ پر از سرنو نظر ڈالی، اور اس کے نقائص دور کیے، اس نے فن جغرافیہ کی بنیاد اسفیریک اور پریکٹیکل اسٹرانومی کے عملی تجارب پر رکھی، اور متعدد کتابیں اس موضوع پر تصنیف کیں۔

اس نے دنیا کی تمام معلوم آبادیوں کے طول وعرض کو بحث وتحقیق کے بعد از سرنو مرتب کیا اور قدماء کی غلطیوں کی اصلاح کی، چنانچہ "القانون"

---

[۱] روح اسلام ترجمہ ہادی حسین ص۵۵۵، ۵۵۶. (دہلی ۱۹۸۶ء)۔

کے علاوہ اس کی چار اور دوسری کتابیں اسی موضوع پر ہیں ....

وسط ایشیا اور ہندوستان کے جغرافیائی تحقیقات کا گوشہ ابھی تک تشنہ تھا، اس نے اپنے ذاتی مشاہدہ اور تحقیقات سے اس کی کمی پوری کی، ہندوستان کے بارے میں اس کی تحقیقات نہ صرف اس عہد میں بلکہ آج بھی اپنی بے داغ نمایاں جگہ رکھتی ہے ،،

اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی تحقیقات کے ہر گوشہ میں ایک خالص سائنٹفک معیار نظر سے ہر بات کو تولتا ہے اور کسی دوسرے غیر علمی عنصر کا اثر قبول کرنے سے قطعاً منکر ہے، اس نے ہر طرح کی وہم پرستیوں اور مذہبی زود اعتقادیوں کے خیالات سے جغرافیائی معلومات کو یک قلم پاک کر دیا، چنانچہ " القانون المسعودی "، کے دیباچہ میں اس نے اس صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے الخ [1]

البیرونی کے علمی مزاج اور دماغی سیرت کے بارے میں مولانا آزاد مزید لکھتے ہیں :-

البیرونی کی زندگی کی سب سے بڑی نمایاں خصوصیت اس کا بے لاگ علمی یعنی سائنٹفک دماغ ہے، اس کی یہ خصوصیت ہر جگہ اس کے ساتھ آتی ہے، کوئی دینی عقیدہ، کوئی قومی روایت، کوئی تاریخی مسلمہ اس کی اس خصوصیت کو متاثر نہیں کر سکتا اس کی عقلیت بے لچک، بے داغ، اور ناممکن التسخیر ہے [2]

قدیم ہندوستانی لٹریچر کا مشہور جرمن محقق میکس مولر (Max Muller) کہتا ہے

ہندوستانی ادب و مذہب کا پہلا درست اور جامع بیان پیش کرنے کی وجہ سے دنیا اس کی (البیرونی کی) ممنون ہے [3]

---

[1] البیرونی اور جغرافیۂ عالم ص ۶۲ (دہلی ۱۹۸۰ء)

[2] ایضاً ص ۱۰۵، ۱۰۶ [3] ہندوستانی دور وسطیٰ کے مورخین از محب الحسن ص ۲۸۵ (دہلی سنہ ۱۹۸۴ء)

Marfat.com

دوسرا جرمن محقق پروفیسر اڈورڈ زخاؤ (جس نے "الآثار الباقیۃ
اور کتاب الہند اپنے جرمن مقدمے کے ساتھ شائع کی تھی) لکھتا ہے کہ...
"بیرونی کی غرض وغایت محض مؤرخانہ صدق وصحت تک پہونچنا اور اسے
بالکل بے تعصبی اور غیر جانبداری کے ساتھ پیش کر دینا ہے" [1]

البیرونی کے سوانح نگار سیّد حسن برنی تحریر کرتے ہیں:

"وہ ہر مضمون کو نہایت بے تعصبی اور کشادہ دلی سے بیان کرتا ہے،
اور کتاب کا پڑھنے والا صفحے کے صفحے پڑھتا چلا جائے تو بھی اکثر اسے پتہ نہ چلے
گا کہ اس کا لکھنے والا کوئی غیر مذہب کا شخص ہے، انداز تحقیق اور طرز تحریر سے
مشکل سے خیال ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا مصنّف آج سے ۹ سو سال پہلے
زمانے سے تعلق رکھتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے کا کوئی بے تعصب
اور راستباز محقق نہایت کامیابی کے ساتھ ہندو تہذیب وتمدن کی داستان
سنا رہا ہے، جانبداری اور ناروا داری کا نام ونشان بھی نہیں مل سکتا، اگرچہ
وہ مسلمان ہے لیکن ہندو حکماء کے خیالات سے جا بجا اتفاق کرتا اور ان کے
بعض علمی مسائل کو فراخ دلی کے ساتھ قبول کرتا ہے، سب سے بڑھ کر وہ
سچائی کا شیدا اور ناراستی وریا سے سخت متنفر ہے" [2]

یونانی اور چینی سیاحوں نے ہندوستان کے بارے میں جو کچھ لکھا
ہے، وہ البیرونی کے مشاہدات وتحریرات سے بہت فروتر ہے اس بارے
میں بھی برنی صاحب لکھتے ہیں کہ

"مگستانیز، پٹنہ، چندر گپت کے دربار میں ۲۹۵ قبل مسیح آیا تھا،
۵ ویں صدی عیسوی میں فاہیان، چھٹی صدی عیسوی میں سنگ ین بیرونی

---

[1] البیرونی از سید حسن برنی ص ۱۸۷ (علی گڑھ ۱۹۲۷ء) [2] البیرونی ص ۱۸۱ - ۱۸۲

Marfat.com

سے ایک صدی قبل ہیون ٹزنگ نے سفرنامے لکھے مگر بقول ایک جرمن محقق یونانیوں اور چینی جاتریوں کے نوشتہ حالات بیرونی کی تحریر کے سامنے بچوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، یا یوں کہنا چاہیئے کی ان توھمات پرست اور تنگ خیال لوگوں کی تصانیف ہیں جو ہند کی نئی دنیا میں آکر حواس باختہ ہوگئے، اور کوائف واقعات اور حقائق اشیاء کو خاک بھی نہ سمجھے، بیرونی کا دل توھمات سے پاک ہے وہ ہر واقعہ کی حکیمانہ تحقیق و تفتیش کرتا ہے[۱]

منتخب تصانیف:-

البیرونی کی تصانیف کی تعداد بہت بڑی ہے یاقوت نے لکھا ہے کہ ۶۰ ورق میں اس نے ان کی فہرست دیکھی تھی، ایک فہرست البیرونی کے قلم سے ڈاکٹر زخاؤ نے ”الآثار الباقیۃ،، کے دیباچہ میں نقل کی ہے، ان میں دستیاب تصانیف کی تعداد ۱۱۴ سے اوپر بتائی جاتی ہے، ان میں بھی کتاب الہند، الآثار الباقیۃ اور القانون المسعودی، اور الجماھر فی معرفۃ الجواہر کو خاص اہمیت حاصل ہے، کتاب الہند[۲] میں اس نے ہندوستان سے متعلق اپنے عہد میں پائی جانے والی تمام ضروری معلومات مہیا کردی ہیں، اور ہندوستان کے مذہب، علوم و فنون خصوصاً حساب و ریاضی اور فلکیات و نجوم اور تاریخ و جغرافیہ سے علمی بحث کرکے ان کو اپنے بعد کے لوگوں کیلیے محفوظ کردیا ہے، ہندوستان کے متعلق بہت سی معلومات کا واحد ذریعہ البیرونی کی یہی کتاب ہے۔

مولانا آزاد نے صحیح لکھا ہے کہ ”اس کتاب کے متعلق بالاتفاق تمام

---

[۱] ایضاً صد ۱۸۶ [۲] طبع حیدرآباد ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۸۵ء اس کا ترجمہ دو جلدوں میں سید اصغر علی کے قلم سے دہلی سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔

محققین حال کا فیصلہ ہے کہ اس عہد کے ہندوستان پر اس سے بہتر اور محققانہ بیان کسی اور مصنّف کا موجود نہیں ہے[1]

اس کی دوسری اہم کتاب "الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ" ہے، جسے ڈاکٹر زخاؤ نے اپنے جرمن زبان میں طویل مقدمے اور تحقیق کے ساتھ ۱۸۷۸ء میں لیزگ سے شائع کیا تھا، جس میں اس نے زمانہ گذشتہ اور اقوام عالم خصوصاً یونان و ایران اور مشرقی وسطیٰ کے تاریخی حساب اور ان کی عیدوں اور تیوہاروں اور خاص خاص سنین کی تصحیح و تعین کی ہے، یہ بہ حیثیت مجموعی مشرق و مغرب کے سائنسی، و تاریخی اور تہذیبی معلومات کا ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں البیرونی کی تصحیح و تحقیق کی بڑی اہمیت ہے۔

اس کی تیسری اہم کتاب "القانون المسعودی" ہے جو ہیئت و ریاضی، علم نجوم و فلکیات سے اصولی و عملی بحث کرتی ہے، اس میں اس نے اپنے عہد تک کے معلوم کرۂ ارضی کے شہروں اور ملکوں کے جغرافیائی حالات لکھ دیئے ہیں، اور ان کا طول البلد اور عرض البلد بتایا ہے، اور عالمی جغرافیہ اور اس کا تحقیقی و تفصیلی اٹلس مرتب کر دیا ہے۔

یاقوت رومی اس کے بارے میں لکھتا ہے: "وکتابہ المترجم بالقانون المسعودی یعفّی علیٰ اثر کل کتاب صنف فی تنجیم او حساب"[2]

اس کی کتاب "القانون المسعودی" نامی کتاب نے فن فلکیات، و حساب کی تمام کتابوں پر خط نسخ پھیر دیا ہے۔

اس کی چوتھی کتاب الجماہر اس کی جوہر شناسی، طبقات الارض اور عالمی جغرافیے سے واقفیت کی شاہد عادل ہے[3]

---

[1] البیرونی اور جغرافیۂ عالم صہ ۱۰۲ (کراچی ۱۹۸۲ء) [2] معجم الادباء ۱۷/۱۸۵، [3] طبع حیدر آباد ۱۳۵۵ھ صفحات ۲۷۱

رسائل البیرونی اس کے تین ریاضی سے اور ایک نجوم سے متعلق رسائل کا مجموعہ ہے[۲]، استخراج الاوتار فی الدائرۃ (صفحات ۲۲۶)[۳] افراد المقال فی امر الظلال (صفحات ۲۲۶)[۴] تمہید المستقر لمعنی الممر (صفحات ۱۰۷)[۵] راشیکات الہند، (صفحات ۳۰)[۱]

البیرونی نے علوم عقلیہ خصوصاً ریاضی وفلکیات، جغرافیہ وسائنس کے موضوعات پر اپنی عالمانہ تصانیف کے ذریعہ عالم اسلام میں جو علمی فضا قائم کی وہ تقریباً چار سو سال تک برقرار رہی، جس کی آخری بہار ابن خلدون کی عبقریت میں ظاہر ہوئی، انگریزی کی مثل کہ، جوہر ذاتی رکھنے والی شئی لافانی ہوتی ہے، البیرونی کے لافانی علمی کارناموں پر پوری طرح صادق آتی ہے،

اس کی عربی تحریر عالمانہ واستادانہ اور گہرے علمی مباحث کے لیے نہایت موزوں اور مناسب ہے اور اس میں جاحظ، ابن قتیبہ اور المبرد کے اسالیب کا پرتو نظر آتا ہے، اس کی عربی نثر نہایت فصیح وبلیغ، مطلب خیز اور معنی آفریں ہے، اس نے یونانی، ہندوستانی اور مشرقی علوم وفلسفہ کے دقیق مباحث ومصطلحات کو جس طرح عربی کا جامہ پہنایا ہے وہ اسی کا حصہ ہے[۲]

داتا گنج بخش سید علی ہجویری رح:-

برصغیر میں تشریف لانے والے اکابر صوفیاء میں بھی آپ کو تقدم حاصل ہے، آپ سے پہلے کسی شیخ طریقت کو وہ شہرہ اور مرتبہ حاصل نہیں ہوا جو آپ کو حاصل تھا، آپ کے ذریعے بڑے پیمانے پر خلق خدا

---

[۱] طبع حیدرآباد ۱۹۴۸ء [۲] اردو میں البیرونی سے تفصیلی تعارف کے لئے ملاحظہ ہو البیرونی از سید حسن برنی، اور عرب وہند کے تعلقات از علامہ سید سلیمان ندوی، البیرونی اور جغرافیہ عالم از مولانا آزاد، اور اس کا مقدمہ از پروفیسر ضیاء الحسن صاحب فاروقی۔

Marfat.com

کی اصلاح ہوئی، اور فنِ تصوف میں معیاری کتابوں کی اشاعت شروع ہوئی،

آپ سنہ ۴۰۰ھ میں غزنی سے متصل بستی ہجویر میں پیدا ہوئے، آپ کے والد غزنی کی دوسری بستی جلاب کے باشندے تھے، اس لئے آپ جلابی بھی کہلائے۔

آپ کے اساتذہ و مشائخ میں، ابو سعید بن ابو الخیر بو علی فارمدیؒ، ابو العباس اشقانیؒ، شیخ سید لانیؒ، اور شیخ ابو القاسم قشیریؒ، ابو القاسم گرگانیؒ جیسے اکابر صوفیا تھے، شیخ ابو الفضل ختلیؒ سے آپ نے خاص طور پر طریقت کی تعلیم حاصل کی، تلاش حق میں انھوں نے تقریباً تمام مشرقی اسلامی ممالک کی سیاحت کی، صرف خراسان میں تین سو مشائخ سے ملے، جو بقول ان کے ان میں سے صرف ایک سارے جہان کے لئے کافی تھا، آپ کی بلندی مرتبہ کیلئے یہی بات کافی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی،

حضرت اجمیریؒ نے چلہ سے رخصت ہوتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا ؎

گنج بخش فیض عالم، مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

آپ کی اور کتابوں میں منہاج الدین، الرّعایۃ لحقوق اللہ، الفناء والبقاء، اسرار الخرق والمؤنات، بحر القلوب، البیان لأھل العیان، کے نام بھی ہیں، [1]

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:۔

سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے اخیر عہد حکومت میں دو ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے، یہاں آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا، کچھ دنوں تک درس دیتے رہے، پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے،

---

[1] نزہۃ الخواطر / ۶۶-۶۷ نیز مقدمہ کشف المحجوب از میاں طفیل محمد ص ۳۳-۳۴ (دہلی ۱۹۸۱ء)

آپ کی وفات ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء کے قریب ہوئی۔

داتا گنج بخش کئی کتابوں کے مصنف تھے، مثلاً کشف المحجوب، کشف الاسرار، منہاج الدین، البیان، لاہل العیان، یہ کتابیں اس وقت لکھی گئیں جب تصوف کی مشہور کتابیں، مثلاً سہروردیؒ کی عوارف اور ابن عربی کی فصوص ابھی نہیں لکھی گئی تھیں، آپ شاعر بھی تھے، دیوان تو اب نہیں ملتا، البتہ نثر کی بعض کتابوں میں اشعار موجود ہیں،،[۱]

حضرت ہجویریؒ کی فارسی تحریر میں عربیت بہت نمایاں ہے، کشف المحجوب میں جا بجا عربی عبارتیں اور اصطلاحیں اشعار اور ضرب الامثال آتے ہیں، جن سے عربی زبان پر ان کی قدرت و دسترس کا پتہ چلتا ہے،

تصوف کی عربی اصطلاحوں کی انھوں نے تفصیل سے لسانی اور فنی تشریح کی ہے، صوفیہ کرام کے عربی اقوال بھی بکثرت لائے ہیں، ان سب باتوں کے پیش نظر یہ بھی ممکن ہے (جیسا کہ بعض مؤرخین کا خیال ہے) کہ "کشف المحجوب،، پہلے عربی میں لکھی گئی ہو اور پھر فارسی کے رواج سے متاثر ہو کر انھوں نے اس کا فارسی ترجمہ بھی کر دیا ہو، پھر سامانی اور غزنوی فضلاء عام طور پر ذولسانین ہوتے تھے، اور بیک وقت فارسی و عربی میں اپنی قادرالکلامی کے جوہر دکھاتے تھے،

خلیق احمد صاحب نظامی لکھتے ہیں:۔

"سنہ ۱۹۳۱ء میں جب پروفیسر محمد حبیب صاحب کابل گئے تھے، تو ملا شور بازار نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا تھا، کہ کشف المحجوب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس کا فارسی ترجمہ بعد کو ہوا، عربی اصل ضائع ہو گئی فارسی

---

[۱] آب کوثر ص ۷۷ - ۷۸

ترجمہ باقی رہ گیا، پروفیسر حبیب صاحب نے اس رائے کو قبول کرلیا، اور ان کا خیال بھی اب یہی ہے کہ اصل کتاب عربی میں تھی جو ضائع ہوگئی، ان کا کہنا ہے کہ فارسی کا انداز تحریر ایسا ہے کہ ترجمے کا خیال ہوتا ہے، مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں، الخ،، [1]

---

[1] حیات شیخ عبدالحق ۹۹ (دہلی ۱۹۵۳ء)

Marfat.com

باب پنجم

سلطنتِ دہلی کے عہد میں عربی ادب

۱ ۔ غلام بادشاہوں کا زمانہ (۶۰۲ھ - ۶۸۹ھ/۱۲۰۶ء - ۱۲۹۰ء)

نیرنگیٔ تقدیر کا یہ عجیب نمونہ تھا کہ جب ترک ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بساط بچھا رہے تھے اور علوم و فنون کی سرپرستی کر رہے تھے، تو دوسری طرف تاتاری یورش و شورش سے عالم عربی اور خلافت عباسیہ تہ و بالا ہو رہی تھی اور مسلمانوں کا چھ صدیوں کا جمع شدہ علمی ذخیرہ دجلہ میں دریا برد ہو رہا تھا، اور علماء و فضلاء ہندوستان ہجرت کر رہے تھے جہاں امن و استحکام تھا اور علم و فن کی سرپرستی کی جا رہی تھی، ایک طرف وحشت اور بربریت کا طوفان برپا تھا اور دوسری جانب علم و فن اور تہذیب و ثقافت کی فضا قائم ہو رہی تھی اور ترکوں اور افغانوں کی فوجی مہمات کے جلو میں علوم و فنون اور مذہب و تہذیب کے قافلے بھی سرگرم سفر تھے اور ہندوستان اسلامی تہذیب و تمدن کی خیر و برکت سے آشنا ہو رہا تھا،

سنہ ۶۰۲ھ کے شروع میں دربار لاہور میں محمد بن سام شہاب الدین غوری نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو سلطان بنایا اور خود غزنی واپس ہو رہا تھا کہ جہلم کے قریب قریہ دھمیک میں باغیوں کے ہاتھ شہید ہوا، اس کے بعد اس کے بھتیجے غیاث الدین محمود نے قطب الدین ایبک کو آزاد کر کے اسے سلطان تسلیم کر لیا ۱۸ ذی القعدہ سنہ ۶۰۲ھ / ۲۷ جون سنہ ۱۲۰۶ء کو لاہور میں

Marfat.com

اس کی تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی،

بچپن میں ایبک کی تعلیم و تربیت حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خاندان کے ایک فرد نیشاپور کے قاضی فخر الدین بن عبدالعزیز نعمانی کوفی کے یہاں ہوئی تھی؛ بادشاہت کے بعد وہ علماء سے بڑے حسن سلوک سے پیش آیا اس کے قاضی وجیہہ الدین کاشانی اور شیخ الاسلام نورالدین مبارک غزنوی تھے، اس کے عہد میں لاہور علوم دین کا ایک ایسا مرکز بن گیا کہ بقول صدرالدین حسن نظامی ہر سو میں نوے آدمی عالم اور ہر دس میں نو مفسرِ قرآن تھے ؎

از ہر صد تن نود در دعالم   از ہر دہ نہ مفسر قرآں

عہد ایبک کے علماء میں قاضی حمیدالدین محمودی، فخر مدبر (صاحب تاریخ مبارک شاہی) حسن نظامی (صاحب تاج المآثر) اور بہاء الدین اوشی قابل ذکر ہیں[1]

شمس الدین التمش:۔

(۶۰۷ ـ ۶۳۳ھ / ۱۲۱۰ ـ ۱۲۳۵ء)

ہندوستان میں باقاعدہ اسلامی حکومت اگرچہ محمد غوری اور ایبک سے شروع ہو چکی تھی مگر دہلی سلطنت کو اصل استحکام سلطان شمس الدین التمش ہی کے عہد میں حاصل ہوا، وہ ایک مثالی حکمراں کہلانے کا مستحق ہے، اس کے عہد میں تہذیب و تمدن اور علم و فن کو بڑی قوت ملی، اور علماء و مشائخ کی اس نے پورے خلوص سے خدمت کی، سلطنتِ دہلی کے ممتاز و مشہور مورخ پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر کرتے ہیں:۔

"سیاسی اعتبار سے جہاں اس کا عہد تاریخ ہند میں ایک امتیازی شان

---

[1] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات: پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۹۵ (دہلی ۱۹۸۱ء)

Marfat.com

رکھتا ہے وہاں مذہبی اور علمی حیثیت سے بھی اس کا عہد نہایت تابناک ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے ثقافتی اور تہذیبی اداروں کی داغ بیل اور نشو ونما اسی کی کوششوں کی رہین منّت ہے"[1]

ممتاز مشائخ عصر سے اس کے تعلقات نہایت مخلصانہ و نیازمندانہ رہے جن میں شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، سیّد نور الدین مبارک غزنویؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ نجیب الدین بخشی، قاضی قطب الدین کاشانی وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں جن کا شمار بیک وقت علماء و مشائخ دونوں ہی میں ہوتا ہے اور جن میں سے اکثریت عربیت میں بھی ممتاز تھی۔

ایلتتمش کے بارے میں مشہور آفاق عالم و سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے

وکان عادلاً صالحاً فاضلاً[2] وہ بڑا عادل، صالح، اور صاحب علم و فضل تھا۔

منہاج سراج ایلتتمش کے عہد کی برکات کا شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"وایں شہر (دہلی) بکثرت انعامات وشمول کرامت آں پادشاہ دیندار محط رحال آفاق گشت و ہر کہ از حبائل حوادث بلاد عجم و نکبات کفّار مغل بفضل ایزدی خلاص یافت ملاذ و ملجا و مہرب و مامن حضرت جہاں پناہ آں پادشاہ ساخت،[3]

یہ شہر اس بادشاہ دیندار کے انعام و اکرام کے سبب مرجع آفاق بن گیا اور اللہ کے فضل سے جو شخص بھی بلاد عجم کے حوادث اور مغلوں کی چیرہ دستی سے بچ جاتا وہ اس شاہجہاں پناہ کی پناہ میں آجاتا تھا۔

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:- "سلطان ایبک ہی کے عہد حکومت میں کئی

---

[1] سلاطینِ دہلی ص ۱۰۱ [2] رحلۃ ابن بطوطۃ ۲/۲۰ (القاہرہ، ۱۲۸۸ھ)

[3] طبقات ناصری از منہاج سراج ص ۷۸ (لاہور ۱۹۵۴ء)

Marfat.com

قابل ذکر اہل قلم ہندوستان آ گئے تھے لیکن سلطان ایلتتمش کے زمانے میں ان میں بہت اضافہ ہوا اور اس کی ایک وجہ حملۂ چنگیزی تھا،،[1]

عصامی نے فتوح السلاطین میں بڑی فصاحت و لطافت کے ساتھ ایلتتمش کی، دہلی کی مرکزیت دکھائی ہے:

غرض چونکہ خورشید روئے زمیں — شد ایلتتمش آں شمس دنیا و دیں
بہ دہلی چناں تخت گاہے بساخت — سپاہش در اقصای آں ملک تاخت
دراں شہر یک رونقے شد پدید — بلی لذتی باشد اندر جدید
بسی سیدان صحیح النسب — رسیدند در روئے ز ملک عرب
بسی کاسبان خراساں زمیں — بسی نقشبندان اقلیم چیں
بسی عالمانِ بخارا نژاد — بسی عابد و زاہد از ہر بلاد الخ[2]

محمد عوفی نے اپنی کتاب جوامع الحکایات میں ایلتتمش کے لئے جن القاب و آداب کا ذکر کیا ہے ان سے بھی اس کی خصوصیات کی طرف غمازی ہو جاتی ہے ساتھ ہی عوفی کی عربی عبارت کا ایک نمونہ بھی سامنے آتا ہے، وہ لکھتا ہے:-

شمس الدنیا والدین، غیاث الاسلام والمسلمین، کہف الملوک والسلاطین، ظل اللہ فی العالمین، محرر ممالک الدنیا، مظہر کلمۃ اللہ العلیا، افریدون العصر، جمشید الوقت، اسکندر الثانی، ذوالأمان، لاہل الایمان، وارث ملک سلیمان، صاحب الخاتم فی ملک العالم، ابوالمظفر ایلتتمش السلطان، یمین خلیفۃ اللہ ناصر امیر المومنین أعلی اللہ شانہ و اظہر برہانہ،،[3]

---

[1] آب کوثر ص ۱۱۷۔ [2] ایضاً ص ۱۱۸۔ [3] جوامع الحکایات، محمد عوفی ص ۵ (تہران ۱۹۶۱ء)

Marfat.com

سلطان التمش کو سلطنت کا ربع صدی ملا جس میں اس نے ہندستان کو تمدنی اور علمی لحاظ سے بہت ترقی دی لیکن اس کے بعد کمزور اور ناتجربہ کار بادشاہوں کے عہد میں یہ ترقی رک گئی جسے اس کے فرشتہ صفت اور زاہد و عادل بیٹے ناصرالدین محمود نے پھر بحال کیا۔

ناصرالدین محمود ۶۴۴-۶۶۴ھ

سلطان ناصرالدین محمود نے اپنے نامور والد کی روایات برقرار رکھنے کی کوشش کی مگر جب غیاث الدین تغلق اور سلطنت میں دخیل اور حاوی ہونے لگا تو اس نے اپنے صلح پسندانہ رویہ کے مطابق اپنے کو عبادت و ریاضت میں لگا دیا، تمام مورخین اس کی نیک مزاجی اور صلاح و تقویٰ کے معترف ہیں۔ پروفیسر نظامی تحریر کرتے ہیں: "التمش کی مذہبی دلچسپیاں اس کی اولاد میں اگر کسی کو ورثہ میں ملی تھیں تو صرف ناصرالدین محمود کو، تاریخی کتابیں اس کے زہد و تقویٰ کی داستانوں سے بھری ہوئی ہیں، مولانا منہاج السراج سے لے کر سجان رائے بھنڈاری تک ہر مؤرخ نے اس کے مذہبی جذبات و افکار کی تعریف کی ہے، مولانا نورالحق دہلوی کا خیال تو یہ ہے کہ قرون سابقہ کا کوئی سلطان ان صفات اور خوبیوں کا حامل نہیں تھا جو ناصرالدین کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھیں، معاصر مورخ منہاج سراج نے اس میں اوصافِ اولیاء اور اخلاقِ انبیاء تلاش کیے ہیں" (۱)

اس کی ایک نمایاں خوبی (جس کی وجہ سے مورخین اسے خلفائے راشدینؓ سے مشابہ قرار دیتے ہیں) یہ تھی کہ وہ بقول عصامی ہندستان کے بیت المال سے ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کرتا تھا اور کتابتِ قرآن پر گذر اوقات کرتا تھا، مؤرخ برنی نے بھی اس کی تائید کی ہے (۲) سیاح عالم ابن بطوطہ لکھتا ہے:

---

(۱) سلاطین دہلی ۱۴۲ (۲) ایضاً ۱۴۳۔

ناصرالدین بن شمس الدین وکان ملکا صالحا ینسخ نسخا من الکتاب العزیز ویبیعها فیقتات بثمنها(١)

ناصرالدین بن شمس الدین صالح بادشاہ تھا، قرآن مجید لکھتا اور اس کے ہدیے سے بسر اوقات کرتا تھا۔

اس کے عہد کے علماء میں قاضی منہاج سراج سرآمد روزگار تھے، دوسرے علماء میں قاضی جلال الدین کاشانی، قاضی شمس الدین بہرائچی، مولانا قطب الدین حمید سنامی اور اثیرالدین منتخب کے نام شامل ہیں (٢)

غیاث الدین بلبن ٦٦٤-٦٨٦ھ

بلبن بڑے جاہ وجلال اور کروفر والا بادشاہ تھا، التمش کے عہد سے وہ ترقی کرتے کرتے، ناصرالدین محمود کے بیس سالہ عہد میں خود مختار وزارت تک پہنچا اور پھر ٢٢ سال تک بڑے دبدبے کے ساتھ حکومت کی۔ ٦٥٦ھ میں تباہیٔ بغداد اور عباسی خلافت کے خاتمے سے عالم اسلام جس ناقابل تلافی زوال واضمحلال سے دوچار تھا اور اہل فضل وکمال جس کس مپرسی میں مبتلا تھے اس سے بلبن کا ہندستان محفوظ تھا اور اسی لئے اہل کمال کا ملجا وماویٰ بن گیا تھا۔ پروفیسر نظامی لکھتے ہیں۔

"استہلاک اور تخریب کے اس ہولناک دور میں بلبن ہی صرف ایک ایسا مسلمان بادشاہ تھا جس نے نہ صرف اپنی سلطنت ہی کو ان طاغوتی طاقتوں کی دستبرد سے محفوظ رکھا بلکہ وسط ایشیا کے سیکڑوں برگشتہ قسمت انسانوں کو اپنے دامن میں پناہ دی، اس کے زمانے میں دہلی، اسلامی دنیا کی امیدوں کا مرکز بن گئی اور سلطان کی سیاسی بصیرت، انتظامی صلاحیت اور دینی دلچسپیوں کا شہرہ دور دور پھیل گیا" (٣)

---

(١) رحلۃ ابن بطوطہ ٢/٢١، (٢) سلاطین دہلی ٤٨ أ (٣) سلاطین دہلی ١٥٥،

بلبن کی زندگی بادشاہت کے بعد بالکل بدل گئی اور وہ عبادت اور علما، و مشائخ کی خدمت میں بہت بڑھ گیا۔ مولانا برہان الدین بلخی جنھوں نے مشارق الانوار، علامہ صنعانی سے اور ہدایہ صاحب ہدایہ سے پڑھی تھی، اس کی عقیدت کا مرکز تھے، وہ نماز جمعہ کے بعد ان کے مکان پر حاضر ہوتا تھا اور اس طرح صاحب ہدایہ کی پیشگوئی پوری ہوتی تھی کہ "ایک دن بادشاہ اس بچے کے پاس آئیں گے"(۱)

برنی نے عہد بلبن کے ان صاحب درس علما، کا ذکر کیا ہے۔

"مولانا برہان الدین بلخی، برہان الدین بزاز، نجم الدین دمشقی (شاگرد فخر الدین رازی) سراج الدین، شرف الدین دلوالجی، صدر جہاں منہاج الدین جرجانی، قاضی رفیع الدین گازرونی، قاضی شمس الدین سراجی، رکن الدین سامانہ، جلال الدین کاشانی، سدید الدین، ظہر الدین، جلال الدین"

برنی لکھتا ہے کہ اس عہد میں ایسے اساتذہ و مشائخ جمع ہو گئے تھے کہ ان میں سے ہر ایک ایک ملک کے لیئے کافی تھا، نادرۂ روزگار مشائخ میں وہ شیخ شیوخ العالم حضرت فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کو قطبِ عالم اور مدار جہاں کہتا ہے اور دوسرے مشائخ میں شیخ صدر الدین پسر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ، اور شیخ بدر الدین غزنوی خلیفۂ کعکیؒ، شیخ ملک یار پراں، دیبی سام اور سیدی مولہ کے نام لیتا ہے۔(۲)

"عہد سلطنتِ دہلی کا نصاب اور نظام تعلیم"

یہاں سلطنتِ دہلی کے زمانے کے نصاب درس اور نظام تعلیم پر بھی ایک نظر ضروری ہے تاکہ درسی کتابوں کی نوعیت اور علوم اسلامیہ کی اشاعت کا کچھ اندازہ ہو سکے اور اس

---

(۱) اخبار الاخیار: شیخ عبد الحق دہلوی ص ۵۰ (مطبع ہاشمی میرٹھ) (۲) تاریخ فیروز شاہی ۱۱۱-۱۱۲ (کلکتہ ۶۲ء)

عہد کے عربی ادب کے فروغ دار تقاء کا پس منظر معلوم ہو سکے۔ مسجد نبوی اور صفہ نبوی کے اتباع میں مسلمانوں نے مسجدوں یا ان سے ملحق مدرسوں میں تعلیم کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا، ہندوستان میں بھی یہ مبارک رسم جاری رہی، اس کے ساتھ صوفیہ کی خانقاہوں سے بھی تعلیم گاہوں کا کام لیا گیا، جہاں علم کے ساتھ اخلاق اور تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی زور دیا جاتا تھا۔

اس زمانے میں نحو و عربیت، فارسی انشاء، ریاضی و حساب اور فقہ کی مختصر کتابیں علم ضروری، میں داخل تھیں اور ان سے فارغ ہونے والا دانشمند کہلاتا تھا۔ اس نصاب میں ابن الحاجب (م ۶۴۶ھ) کی الکافیۃ الزمخشری (م ۵۳۸ھ) المفصّل (نحو) القدوری (م ۴۲۸ھ) کی المختصر (فقہ) ابن الساعی (م ۶۹۶ھ) کی مجمع البحرین (فقہ) داخل نصاب تھیں۔

علم ضروری کے بعد درجۂ فضل و تخصص کی تعلیم ہوتی تھی جس میں اونچی کتابیں فن کے ماہر اساتذہ پڑھاتے تھے، ڈاکٹر احسان الٰہی رانا لکھتے ہیں:

"درجۂ فضل کا نصاب بھی عام طور پر ہر جگہ یکساں تھا، الزمخشری کی 'الکشاف' المرغینانی (م ۵۹۳ھ) کی الہدایہ، القاضی البزدوی (م ۴۸۲ھ) کی کنز، الصغانی (م ۶۵۰ھ) کی مشارق الانوار، اور البغوی (م ۵۱۶ھ) کی مصابیح السنہ بڑی محنت سے پڑھائی جاتی تھیں" (۱)

عقائد میں نجم الدین نسفی (م ۵۳۷ھ) کی العقائد، تفسیر میں مدارک التنزیل للنسفی (م ۷۱۰ھ) اور تفسیر بیضاوی، تصوف میں التعرف للکلاباذی (م ۳۸۸ھ) اور عوارف للسہروردی (م ۶۳۲ھ) اور کلام میں تمہید ابو شکور سالمی کے نام بھی آتے ہیں۔

---

(۱) تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند: پروفیسر عبدالقیوم ۲/۱۳۷ (لاہور ۱۹۷۱ء)

Marfat.com

معقولات کے سلسلے میں ڈاکٹر رانا لکھتے ہیں ؛

"آٹھویں صدی ہجری کے وسط سے یہاں معقولات کی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی محمد بن تغلق شاہ (۷۲۵ - ۷۵۲ھ) نے اس فن کی طرف بہت رغبت اور میلان کا اظہار کیا چنانچہ اس کے دور میں معین الدین عمرانی، جو منطق و کلام میں بہت ماہر تھے اور علم الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں"۔

"محمد بن تغلق شاہ نے تو مقدم الذکر کو بہت سے تحائف دے کر شیراز بھیجا کہ عضد الدین الایجی (م ۷۵۶ھ) کو ہندستان آنے کی دعوت دیں۔ صدر الدین محمد بن یوسف الحسینی (م ۷۳۷ھ) اگرچہ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو گئے تھے مگر مزید تعلیم کے لئے دولت آباد سے دہلی چلے گئے وہاں انھوں نے قاضی عبد المقتدر الشریکی سے الہدایہ، اصول بزدوی، الکشاف اور دیگر درسی کتب کے علاوہ الشمسیہ، الصحائف، اور السکاکی کی مفتاح العلوم پڑھیں الشمسیہ منطق پر ایک مختصر رسالہ ہے جو نجم الدین القزوینی (م ۶۹۳ھ) کی تصنیف ہے بعد کو یہ مختصر متن قطب الدین الرازی (م ۷۶۶ھ) اور السید الشریف الجرجانی (م ۸۱۸ھ) کی شرحوں کے ساتھ بہت مقبول ہوا، یہ شرحیں قطبی اور میر قطبی کے نام سے معروف ہیں۔ الصحائف، شمس الدین محمد بن اشرف الحسینی السمرقندی (م ۶۰۰ھ) کا ایک مختصر رسالہ ہے جو عقائد سے متعلق ہے"(۱)

مولانا حکیم عبد الحی حسنی نے بڑی تحقیق کے ساتھ اس موضوع پر ایک قیمتی رسالہ "ہندستان کا نصاب درس اور اس کے تغیرات" کے عنوان سے لکھا تھا، اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"دور اول، اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے سمجھنا چاہیے اور انجام دسویں

---

(۱) تاریخ ادبیات ص ۱۴۰

صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دور شروع ہو گیا تھا، کم و بیش دو سو برس تک مندرجہ ذیل فنون کی تحصیل معیارِ فضیلت سمجھی جاتی تھی: صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق کلام، تصوف، تفسیر، حدیث۔

نحو: مصباح، کافیہ، لب الالباب مصنفہ قاضی بیضاوی (اور چند دنوں کے بعد ارشاد قاضی دولت آبادی)

فقہ: میں ہدایہ، اصول فقہ میں منار اور اس کی شروح اور اصول بزدوی۔

تفسیر میں مدارک، بیضاوی، اور کشاف،

تصوف میں عوارف اور فصوص (اور ایک زمانے کے بعد نقد الفصوص ولمعات بھی ان مدارس میں رائج ہو گئیں جو خانقاہوں سے متعلق تھے)

حدیث میں مشارق الانوار، اور مصابیح السنۃ (یعنی مشکوٰۃ المصابیح کا متن)

ادب میں مقامات حریری، زبانی یاد کی جاتی تھی، منطق میں شرح شمسیہ۔

فن کلام میں شرح صحائف اور بعض بعض مقامات پر تمہید ابو شکور سالمی۔

"اس طبقہ کے علمائے کرام کے حالات تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانے میں منطق و فلسفہ معیارِ فضیلت ہے۔ ویسا ہی اس زمانہ میں فقہ و اصول فقہ معیارِ فضیلت تھا، حدیث میں صرف مشارق الانوار، کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور جس خوش نصیب کو مصابیح، ہاتھ آجاتی تھی وہ امام الدنیا فی الحدیث کے لقب کا مستحق ہو جاتا تھا" (۱)

حدیث کے سلسلے میں عمومی صورتِ حال تو یہی معلوم ہوتی ہے مگر مولانا مناظر احسن گیلانی کے خیال میں ہندستان کے اسلامی عہد میں حدیث سے علماء و مشائخ نے ہمیشہ

---

(۱) ہندستان کا نصاب درس ص ۷، ۸ (طبع لکھنؤ)

Marfat.com

اعتنا، کیا اور اس کی بڑی گرانقدر خدمت انجام دی ہے جس کا استثنا بھی ضروری ہے۔(۱)

تفسیر قرآن کے سلسلے میں مدارک، بیضاوی، اور کشاف کے علاوہ اور تفسیریں بھی درس و مطالعہ میں رہتی تھیں، مولانا گیلانی لکھتے ہیں "تفسیر ہی میں دو اور کتابوں ایجاز و عمدہ کا بھی ذکر کتابوں میں ملتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ علماء ہند کا ان کے ساتھ بھی اشتغال رہتا تھا۔۔ یوں ہی تفسیر نیشاپوری، تفسیر عرائس البیان، تفسیر ناصری، تفسیر زاہدی، یہ سب کتابیں بکثرت علماء کے زیر نظر تھیں اور واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے جس عہد میں علماء اور مشائخ ہی نہیں بلکہ اس ملک کے وزراء اور امراء بھی قرآن کی تفسیر لکھا کرتے تھے تو پھر اسی سے قیاس کرنا چاہیے کہ اس فن کے ساتھ دوسروں کی دلچسپیوں کا کیا حال ہوگا

مولانا گیلانی مزید لکھتے ہیں: "یہ تو دینیات کی کتابوں کی کیفیت تھی، باقی نحو و صرف کے سوا علوم آلیہ میں معانی و بیان، بدیع، عروض و قوافی کی کتابوں کے ساتھ ادب کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں، عام طور پر ان کو علوم عربیت یا لغ ہی کہتے تھے"۔(۳)

اس وقت کے نصاب میں حتی الامکان دین و دنیا کے لئے مفید علوم و فنون کی یکجائی کا ا کیا گیا تھا جس سے معاشرے کو ایک ہی نصاب کے ذریعے ہر فن کے ماہرین حاصل ہو جائیں نظامی صاحب لکھتے "ہندوستانی مسلمان اس عہد میں تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے قدیم ذخیرے سے پوری طرح وا تھے اور مشرق میں ہندوستان، زوال بغداد کے بعد تمام بقیہ اسلامی علم و ثقافت کا محافظ بن گیا"۔(۴)

---

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت از مولانا گیلانی ۱/۱۴۵-۱۸۲

(۲) ایضاً ۱/۱۹۵ (۳) ایضاً ۱/۱۹۶

(۴) Some Aspects of Religion & Politics in India by. Prof. K. A. Nizami, P. 276. (Aligarh)

Marfat.com

عہد سلطنت کی دہلی

عہد سلطنت میں دہلی کو جو ہمہ جہتی ترقی ملی اور اسے جو فنی
مذہبی عروج حاصل ہوا وہ اسے پہلے حاصل نہ تھا مؤرخین کی نظر میں دہلی رشکِ قرطبہ
بغداد ہو گئی تھی جہاں ہر فن کے اہل فضل و اصحاب کمال جمع ہو گئے تھے مسلمانوں
دارالسلطنت ہونے اور بے شمار علماء و مشائخ کا مرکز ہونے کی وجہ سے اسے
دارالخلافہ، بھی کہا جاتا اور 'حضرت دہلی' سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔
نظامی صاحب لکھتے ہیں۔
"عہد وسطیٰ کی دلی ایک بین الاقوامی حیثیت کی مالک تھی اور غالباً اس زمانے میں
ایشیا کا کوئی شہر اس حیثیت سے اس کا ہمسر نہ تھا جس وقت دہلی کو سلطنت کا مرکز
بنایا گیا تھا اس وقت چنگیز خاں کی فوجیں کف در دہاں امنڈی چلی آتی تھیں اور وسط
ایشیا کی کتنی ہی حکومتیں ان کے سامنے سرنگوں ہو گئی تھیں، جب وسط ایشیا کے تمدنی
مرکز ان منگولوں کے ہاتھوں نیست و نابود ہو گئے تو ہزاروں برگشتہ قسمت انسانوں
نے دہلی کا رخ کیا، عصامی کا بیان ہے کہ اس زمانے میں یہاں عرب، خراسان، بخارا
اور چین کے بیشمار عالم، تاجر، اور صنعت کار جمع ہو گئے تھے۔۔"
امیر خسرو تو اپنے جوش میں یہاں تک کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ہر پتھر کے نیچے
ایک ہیرا تھا اور عربی کے ایسے اچھے شاعر یہاں موجود تھے کہ امرؤالقیس اور ابن الجنی
کو ان کے سامنے شرمندگی ہو۔ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ جس پائے کے عالم
دہلی میں تھے ویسے بخارا، سمرقند، بغداد اور مصر میں بھی نہ تھے (فیروز شاہی ۳۵۲)
معقولات اور منقولات کا کوئی ایسا گوشہ نہ تھا جس میں یہاں کے علماء نے شہرت
نہ حاصل کر لی ہو، ان عالموں کی موجودگی نے دہلی کو رشکِ بغداد، غیرت مصر، اور موازی
بیت المقدس بنا دیا تھا (فیروز شاہی ۲۴۱) سمرقند، خوارزم اور عراق کے علماء کی

Marfat.com

کتابیں اس وقت علمی حلقوں میں معتبر سمجھی جاتی تھیں جب "استادانِ شہر ما آں تصنیف را استحسان داعتبارے کردند" (فیروز شاہی ۳۵۵)

اس بیان کی تصدیق عصامی نے بھی کی ہے وہ لکھتا ہے کہ بخارا وسمرقند کے لوگ علمائے دہلی سے فتوا لیتے تھے،، (۱)

ڈاکٹر یوسف حسین خاں لکھتے ہیں:

"امیر خسرو نے 'نہ سپہر' میں ہندستانی معاشرے پر روشنی ڈالی ہے اور مثنوی قران السعدین' میں دہلی کے فضائل بیان کیے ہیں.... سیاسی ومعاشی میدانوں میں دہلی نے اپنی اہمیت حملۂ تیمور (۱۳۹۸ء) تک برقرار رکھی جس کے بعد اس کا استحکام ختم ہوگیا، کاریگروں کو تیمور نے اپنی مملکت میں بھیج دیا، سنگ تراش سمرقند بھیجے گئے اور خشک سالی پیدا ہوئی جس سے دہلی ایک طویل عرصے تک عہدہ برآنہ ہوسکی اور عملاً سلطنت دہلی کا خاتمہ ہوگیا"(۲)

عہد سلطنت پر تبصرہ

دہلی سلطنت اپنے وقت کی سلطنتوں کے مقابلے میں بڑی حد تک مہذب فلاحی اور رعایا پرور کہی جانے کی مستحق ہے، مطلق العنان بادشاہت کی جو خوبیاں ہوسکتی ہیں وہ اس میں تھیں اور ساتھ ہی اس کی کمزوریاں بھی تھیں مگر وہ کم سے کم تھیں کیونکہ وہ اپنے عہد کی گہری مذہبیت اور علماء ومشائخ سے بہت قریب تھی

---

(۱) اوراقِ مصور: عہد وسطیٰ کی دلی از پروفیسر نظامی ص ۲۵-۲۷ (دہلی ۱۹۷۲ء)

(۲) Glimpses of Medieval Indian Culture: Yusuf Husain Khan: P. 138, Bombay (1959)

Marfat.com

ر خود کو خلافت کے نمونے سے کم از کم نظری اور ظاہری طور پر قریب رکھنے پر مجبور بھی تھی۔

آج کے بعض ہندستانی مؤرخ اس وقت کے مؤرخوں کے مبالغہ آمیز انداز بیان ے سبب مسلم عہدِ حکومت کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ وہ بہ نظرِ انصاف یکھیں تو اس عہد کی بین الاقوامی سیاست میں بادشاہت کا ایک عام طرز و انداز ھا جس کے کمزور پہلوؤں سے مسلم بادشاہوں نے اپنے کو بلند رکھنے کی بہرحال کوشش کی۔ دل و انصاف، رعایا پروری اور عوام کو راحت رسانی، تہذیب و تمدن کے فروغ، علوم و نون کی ترقی، رفاہِ عام، بے تعصبی و انسانی ہمدردی اور مذہب و اخلاق کی بالادستی ے لحاظ سے وہ آج کے جمہوری نظام سے بھی آگے تھے۔

علوم و فنون پر مذہب کی گرفت مضبوط تھی اس لئے قرآن و حدیث کی تفسیر تشریح خصوصاً فقہ و تصوف کے موضوعات پر تدریس و تصنیف کا سلسلہ زیادہ رگرمی کے ساتھ جاری تھا، ہندستانی ماحول کے پیش نظر دہلی سلطنت نے فارسی کو سرکاری بان بنایا مگر مسلمان علماء کے لیے عربی زبان میں اور غیر مسلموں کے لیے سنسکرت یا علاقائی زبانوں میں تصنیف و تالیف باعثِ فخر رہی اور عہدِ سلطنت دہلی کے فارسی لٹریچر پر بھی عربیت کا بڑا اثر اور گہری چھاپ موجود ہے، سکوں پر بھی عربی تحریر ہوتی، شاہی تعمیرات و مزارات پر بھی قرآنی آیات اور عربی عبارات کو اس اہتمام سے لکھا جاتا تھا کہ وہ آج بھی پتھر کی لکیر بن کر ہمارے سامنے ہیں۔ کتابوں کے دیباچے اور خاتمے اکثر عربی ہی میں لکھے جاتے، فارسی کتابوں کے درمیان عربی عبارات محاورات اور اشعار و قطعات بکثرت درج ہوتے تھے جن سے عہدِ سلطنت کے لٹریچر میں عربی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

بہرحال سلاطین دہلی اپنی مذہبیت و دینی رجحانات اور خدمتِ اسلام کے دعووں کے باوجود، اسلام کے مکمل نمائندے اور صحیح نمونے نہیں کہے جا سکتے اس لیے ان کے

قول وعمل کو اسلامی احکام کی پیروی نہیں قرار دیا جا سکتا، ان کا طرزِ عمل بڑی حد تک سیکولر تھا اور جہاں تک رموزِ مملکت اور طرزِ حکومت کا تعلق ہے ان میں بیشتر سلاطین اسلام کی صحیح تعلیمات پر کم ہی عمل پیرا ہو سکے اس بات کی سب سے بڑی دلیل ان کی مطلق العنان بادشاہت ہے جو اسلامی نظریۂ حکومت سے بہت دور ہے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان میں سے شاید ہی کسی سلطان نے تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کی کوشش کی ہو، مجموعی طور پر ان کا طرزِ حکومت اسلامیت کا کم اور شہنشاہی کا زیادہ ترجمونہ تھا جسے اسلامی حکومت کے بجائے مسلم حکومت ہی کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

پروفیسر نظامی نے بھی اس نکتے کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے:

"تاریخ اسلام کے اس دور میں قائم ہونے والی سلطنتِ دہلی کی حیثیت بھی بالکل وہی ہے جس پر امام غزالیؒ نے ناقدانہ نظر ڈالی ہے، اگر اس پورے نقشہ کو سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ "سلطنت" بالکل غیر اسلامی سیاست کی پیداوار تھی، اور سلاطین دہلی گو مسلمان تھے لیکن اسلام کے نمائندے نہ تھے، ان کی انفرادی زندگی میں مذہب کو کوئی درجہ حاصل رہا ہو، لیکن انھوں نے سیاسی معاملات میں مذہب سے روشنی حاصل نہیں کی" (۱)

عہد ممالیک کے علماء و مشائخ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندستان میں مسلم سلاطین کے مقابلے میں تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کا اصل کام علمائے دین اور صوفیۂ کرام نے انجام دیا ہے اور بادشاہوں کے طبل و علم سے پہلے

---

(۱) سلاطین دہلی ۱۴۱

علماء کے علم وقلم اور مشائخ طریقت کے آثار قدم نے ملکوں اور قوموں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اس حقیقت کی بہترین مثال حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی ہندستان آمد ہے جس کے بعد محمد غوری کی فوج آئی، اور انھوں نے اس کی ملکی فتوحات سے پہلے ہی اپنی روحانی و ذہنی، قلبی اور داخلی فتوحات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ یہاں دو وجہوں سے حضرت خواجہؒ کا ذکر خیر ضروری ہے ایک تو یہ کہ وسط ہندستان میں دعوت اسلام کا آغاز آپ ہی کی ذات بابرکات سے ہوا اور سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کے ذریعے اس ملک میں جس پیمانے پر اسلام کی اشاعت اور دین کی خدمت وحفاظت ہوئی وہ کسی اور سلسلے سے نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ مشائخ چشت کے ذریعے علوم دینیہ اور عربی زبان کی بھی بڑی خدمت انجام دی گئی۔

سید محمد بن مبارک علوی کرمانی معروف بہ میر خورد (م ۷۷۰ھ/۱۳۶۸ء) نے حضرتؒ کے بارے میں بہت صحیح لکھا ہے کہ:

"اس آفتاب اہل یقین کی ہندستان آمد سے اس ملک کی تاریکی اسلام کی روشنی سے دور ہو گئی ؎

از تیغ او بجائے صلیب و کلیسیا — در دار کفر مسجد و محراب و منبر است
آنجا کہ بود نعرۂ و فریاد مشرکاں — اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر است

اور اس ملک میں ہر مسلمان ہونے والے آدمی کا ثواب قیامت تک حضرت خواجہؒ کو بھی ملتا رہے گا" (۱)

حضرت اجمیریؒ ۵۳۷ھ میں سجستان میں پیدا ہوئے ایک جذبۂ ربانیہ کے تحت سمرقند جا کر قرآن مجید حفظ کیا اور علم حاصل کیا، نیشاپور کے گاؤں ہارون میں

---

(۱) سیر الاولیاء از میر خورد ص ۵۷ (لاہور ۱۹۷۸ء)

Marfat.com

خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید ہوئے اور ان کی خدمت میں ۲۰ سال رہ کر ہندستان تشریف لائے اور لاہور و دہلی ہوتے ہوئے اجمیر میں قیام فرمایا (۵۶۱ھ) جو راجہ پتھورا کے ماتحت تھا، آپ کے ہاتھ پر بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، آپ کی کرامات و مناقب کا احاطہ بہت مشکل ہے، آپ کی وفات ۶ رجب ۶۲۷ھ یا ۳-۶۳۲ھ میں ۹۵ سال کی عمر میں ہوئی (۲)

فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

ان کے بعد ان کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کعکیؒ (م ۶۳۳ھ) نے خدمت و اشاعت اسلام کی مہم جاری رکھی انھوں نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی مگر حضرت فریدالدین گنج شکرؒ جیسی عظیم روحانی اولاد کو جانشیں بنایا جن کے ذریعے بڑے پیمانے پر دین و علم و عربیت کی اشاعت ہوئی اور جو سنتِ نبوی کے ساتھ زبان و بیان نبوی کے بھی ادب شناس تھے۔

"وہ کہتوال (ملتان) میں ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے، اساتذۂ عصر اور مولانا منہاج الدین ترمذی سے تعلیم اور حضرت کعکیؒ سے تلقین پائی، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سیف الدین باخرزیؒ، اور زکریا ملتانیؒ جیسے مشائخ کی صحبت میں بھی رہے، آپ کے خلفاء میں بھی بڑے بلند پایہ بزرگ ہوئے مثلاً حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، حضرت صابر کلیریؒ، حضرت جمال الدین ہانسویؒ، اور حضرت بدرالدین اسحاقؒ وغیرہ،

گلزار ابرار میں ہے کہ انھوں نے عوارف المعارف پر بڑی نفیس تعلیقات

---

(۱) نزھۃ الخواطر ۱/۱۰۴ تاریخ فرشتہ ۳۷۵ (لکھنؤ ۱۸۶۵ء)

Marfat.com

لکھی تھیں۔ ۵ محرم ۶۶۴ھ کو ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی" (۱)

یہاں ایک بات کا خیال بھی رکھنا چاہیے کہ صوفیہ کے ملفوظات میں اکثر تصوف کی اصطلاحات اور عبارات فصیح اور مقفیٰ عربی میں ملتی ہیں جو ان کے مریدین کے سینوں اور سفینوں میں محفوظ اور ان کی زبانوں پر جاری رہتی تھیں اور ان کے ذریعے بھی عربی کا ذوق پیدا ہوتا تھا، چنانچہ حضرت گنج شکرؒ کے متعدد عربی ملفوظات حضرت نظام الدینؒ کے حوالے سے شیخ عبدالحق دہلویؒ نے نقل کیے ہیں جن سے ان کی گہری نظر اور عربیت پر عبور کا اندازہ ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

"اللّٰہ یستحی من العبد أن یرفع الیہ یدیہ ویردھما خائبتین الصوفی یصفو بہ کل شئ ولا یکدرہ شئ"، الأفۃ فی التدبیر والسلامۃ فی التسلیم، العلماء أشرف الناس والفقراء أشرف الأشراف، أرذل الناس من اشتغل بالأکل واللباس الخ" (۲)

ان کا وہ مختصر سفارشی خط جو انھوں نے ایک شخص کی فرمائش پر غیاث الدین بلبن کو لکھا تھا، ایجاز و بلاغت اور عربیت کا اچھا نمونہ ہے، انھوں نے لکھا کہ

"رفعت قضیۃ إلی اللّٰہ ثم الیک فان أعطیتہ شیئاً فالمعطی ھو اللّٰہ وأنت المشکور، وان لم تعطہ شیئاً فالمانع ھو اللّٰہ وأنت المعذور" (۲)

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت نظام الدینؒ نے حضرت گنج شکرؒ سے ۶ پارے قرآن، عوارف المعارف اور تمہید پڑھی تھی

تمہید ابی شکور سالمی کا اجازت نامہ شیخ فریدؒ نے نظام الدین اولیاءؒ کو فصیح عربی میں لکھ کر دیا تھا جسے یہاں پیش کیا جاتا ہے:

---

(۱) نزھۃ ۱/۱۷۸، (۲) اخبار الاخیار، ۵۶

Marfat.com

"الحمد للہ الذی قدم إحسانہ علی منتہ وأخّر شکرہ علی نعمتہ، ھو الأول ھو الآخر، والظاھر والباطن، لا مؤخر لما قدم و لا مقدم لما أخر ولا معلن لما أبطن ولا مخفی لما أظھر، ولا یکاد نطق الأوائل والأواخر علی دیمومتہ اعتباراً وتقابلا،

والصلوٰۃ علی رسولہ المصطفیٰ محمد وآلہ وأھل الودّ والارتضا

وبعد، فإن الشروع فی الأصول یوسّع وعاء الشھود ویبصر لمن یکرع منھا مخارق الورود، علی أن الطریق مخوف والعقبۃ کؤود ونعم الکتاب فی ھذہ الفنن تمھید المھتدی، لأبی شکور برد اللہ مضجعہ وقد قرأ عندی الولد الرشید الامام التقی العالم الرضی نظام الملۃ والدین محمد بن أحمد زین الائمۃ والعلماء، مفخر الأجلۃ والأتقیاء أعانہ اللہ علی ابتغاء مرضاتہ وأنالہ منتھی رحمتہ وأعلی درجاتہ سبقا بعد سبق من أولہ الی آخرہ قرأۃ تدبر وایقان وتیقظ واتقان مستجمع رعایۃ سمع ودرایۃ جنان وکما حصل الوقوف علی حسن استعدادہ کذلک وفور تھیأتہ، أجزتہ أن یدرس فیہ للمتعلمین لشرط المجانبۃ عن التصحیف والغلط والتحریف وبذل الجد و الاجتھاد فی التصحیح والتنقیح عن الزلل وعلیہ المعوّل الخ"(۱)

سلسلۂ سہروردیہ کے چند مشائخ

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

مشہور صوفی ومحدث شیخ الاسلام زکریا ملتانی شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ)

(۱) سیر الاولیاء ص ۱۲۷ - ۸

کے مرید تھے کنکرور (ملتان) میں ۵۸۰ھ میں پیدا ہوئے، بخارا و خراسان میں تعلیم پائی پھر حرمین شریفین گئے اور مدینہ منورہ کے محدث کمال الدین محمد الیمنی سے حدیث میں کمال پیدا کیا اور ایک مرکز حدیث کے بانی ہوئے۔

ان کے علوئے مرتبہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ میر حسین سادات صاحب، نزہۃ الارواح اور شیخ فخر الدین عراقیؒ ان کے مریدین میں تھے، شیخ نور محمد اپنی کتاب سلسلۃ الذہب میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

بهاء الدين زكريا الملتانی قدس سره كان رئيس الأولياء بلاد الهند وكان عالماً بالعلوم الظاهرة، صاحب الأحوال والمقامات من المكاشفات والمشاهدات مرشد اينشعب منه كثير من الأولياء الخ (۱)

بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ہندستان کے رئیس اولیا اور علوم ظاہرہ کے بھی عالم تھے، ساتھ ہی صاحب احوال و مقامات اور صاحب کشف و مشاہدہ بھی تھے اور ایسے مرشد روحانی تھے جن سے بہت سے اولیاء کے سلسلے چلے ہیں۔

۶ صفر ۶۶۶ھ میں سو سال کے قریب عمر پاکر انتقال فرمایا اور ملتان کے قلعے میں دفن ہوئے۔ (۲)

شیخ عبدالحق دہلوی نے ان کے متعدد عربی ملفوظات نقل کیے ہیں جو عربیت کا ایک نمونہ ہیں، شیخ نے ایک بار اپنے ایک مرید کو لکھا: "سلامة الجسد فی قلة الطعام وسلامة الروح فی ترك الآثام وسلامة الدين فی الصلوٰة علی محمد خير الأنام صلی الله عليه وسلم" (۳)

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۳۱ (۲) نزہۃ الخواطر ۱/۱۲۱ - (۳) اخبار الاخیار ص ۳۱

شیخ زکریا ملتانی کا سلسلۂ حدیث ان کے صاحبزادے شیخ صدرالدین اور پوتے شیخ رکن الدین (م ۷۳۵ھ) سے چلا جن سے مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری (م ۷۷۵ھ) نے مشارق الانوار اور مصابیح کی تعلیم پائی، انھیں محمد تغلق نے سندھ کا شیخ الاسلام بنادیا اور اس کے جانشیں فیروز تغلق نے ان کی مریدی اختیار کرلی (۱)

شیخ زکریا ملتانیؒ کا روحانی سلسلہ افغانستان تک وسیع تھا جہاں ان کے مرید شیخ احمد ولد موسیٰ شروانی سے سہروردی سلسلہ کو سب سے زیادہ فروغ ہوا ... صوفیہ کے عام تذکروں میں شیخ زکریا کے حسن افغان خلیفہ کا زیادہ تر نام ملتا ہے وہ شیخ حسن افغان قدس سرہ (م ۶۸۹ھ) تھے (۲)

صدرالدین ملتانیؒ

سلسلۂ سہروردیہ کے ممتاز ہندستانی مشائخ میں سے تھے اور حضرت زکریا ملتانیؒ کے صاحبزادے تھے اور بڑے پائے کے بزرگ تھے، مولانا سید عبدالحی حسنی لکھتے ہیں کہ اپنے والد سے ملے ہوئے ستر لاکھ دینار، گھر اور سامان وغیرہ بدن کے کپڑوں کے علاوہ سب چیزیں خیرات کردیں، اور لوگوں کے جواب میں فرمایا کہ میرے والد دنیا پر غالب تھے اور مجھے اندیشہ ہے دنیا مجھ پر غالب نہ آجائے ان کے ملفوظات شیخ ضیاءالدین نے "کنوزالفوائد" کے نام سے جمع کیے تھے، ان کے مریدوں میں ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کے علاوہ حسام الدین ملتانیؒ بھی معروف ہیں، ۶۸۴ھ میں انتقال کیا (۳)

شیخ عبدالحق دہلوی نے آپ کے کچھ عربی ملفوظات لکھے ہیں جو بڑی سلیس زبان میں لکھے گئے ہیں۔ (۴)

---

(۱) علم حدیث از ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۱۰۲ (۲) آب کوثر ۲۷۱-۷۲ (۳) نزہتہ الخواطر ۱/۱۶۱ (۴) اخبارالاخیار ص ۶۴، ۶۵

Marfat.com

عہد مممالیک کے چند ممتاز علماء:

جمال الدین ہانسوی ؒ: شیخ احمد بن محمد ہانسوی چشتی مشائخ میں تھے ان کے شیخ حضرت گنج شکرؒ انہی کی وجہ سے ہانسی میں قیام سال قیام پذیر رہے، وہ جب کسی کو خلاف نامہ دیتے تو شیخ جمال کے پاس تصدیق کے لیے بھیجتے اگر وہ رد کر دیتے تو فرماتے کہ میں جمال کے رد کیے ہوئے کو باقی نہیں رکھتا، یہ بھی فرماتے کہ "جمال، جمال من است" فارسی میں ان کا دیوان ہے اور عربی میں فن تصوف میں ایک مختصر رسالہ عربی میں "ملہمات" کے نام سے موجود ہے انھوں نے ۶۵۹ھ میں انتقال کیا (۱) وہ اپنے عہد کے اچھے خطیب بھی تھے ان کا سلسلۂ نسب حضرت امام اعظمؒ تک پہنچتا ہے، شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے کہ لوگ آپ کی قبر پر گنبد کی تعمیر کے لیے گئے تو مغربی جانب ایک غرفہ نظر آیا جس سے جنت کی خوشبو آرہی تھی لوگوں نے بند کر کے عمارت تعمیر کی۔ (۲)

ڈاکٹر زبیر احمد لکھتے ہیں "مصنف اپنے زمانے کے ایک ممتاز صوفی اور امام ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے ان کے اقوال لفظی و معنوی ہر اعتبار سے دلکش اور تاثر آفریں ہیں" (۳) ان کا رسالہ ملہمات شایع ہو گیا ہے۔ اس میں انھوں نے چھوٹے چھوٹے عام فہم جملوں میں تصوف کے اسرار و رموز کھولے ہیں، زبان بہت سادہ اور آسان ہے ایک مستشرق نے آپ کی ایک اور عربی تصنیف "اصول الطریقہ" کا ذکر بھی کیا ہے (۴) مگر یہ غالباً ان کو سہو ہوا اصول الطریقہ حمید الدین ناگوری کی تصنیف کہی جاتی ہے۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر ۱/۹۳ (۲) اخبار الاخیار ۶۹-۷۰ (۳) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ: زبیر احمد، ترجمہ: شاہد حسین رزاقی، ۱۳۰ (لاہور ۱۹۷۳ء) (۴) An over view of Sufi literature in the sultanate Period by Bruce Lawrence

Marfat.com

شیخ برہان الدین محمود بلخی۔

شیخ عبدالحقؒ نے ان کو عہد بلبن کے اکابر علما، میں شمار کیا ہے اور جامع علوم شریعت و طریقت بتایا ہے، انھوں نے اپنا واقعہ ذکر کیا ہے کہ میں ۶، ۷ سال کا بچہ تھا کہ راستے سے صاحب ہدایہ مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری گزری، میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کہلوا تا ہے کہ یہ بچہ اپنے عہد کا علامہ ہوگا، میں ان کی رکاب میں چلتا رہا تھوڑی دیر بعد انھوں نے فرمایا کہ اس بچے کے دروازے پر بادشاہ آئیں گے (۱)

بالآخر وہ صاحب ہدایہ کے شاگرد ہوئے اور حدیث صاحب مشارق علامہ صغانی سے پڑھی، مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے زمانے میں نحو و لغت اور فقہ و حدیث کا ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، ۶۸۷ھ میں انتقال کیا اور حوض شمسی پر دفن ہوئے (۲) صاحب ہدایہ کی پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ دہلی میں مشارق الانوار کے درس کا آغاز انھی سے ہوا اور ان کی بلند پایہ علمی شخصیت کی قدر دانی کے لیے سلطان غیاث الدین بلبن ہر جمعہ کی نماز کے بعد ان کے پاس جاتا تھا (۳)

کمال الدین زاہد

محمد بن احمد بن محمد الماریکی اپنے وقت کے بڑے صوفی و محدث تھے، حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے مشارق الانوار انھیں سے پڑھی تھے اور انھوں نے اسے علامہ صغانی کے دو شاگردوں شیخ محمود بلخی اور شرح آثار النیرین فی اخبار الصحیحین، کے مصنف سے پڑھا تھا۔ شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے کہ بلبن نے انھیں

---

(۱) اخبار الاخیار ۵۰، (۲) نزہۃ الخواطر ۱/۱۷۶، (۳) علم حدیث: ڈاکٹر محمد اسحاق ۷۸،

Marfat.com

مستقل امام نماز بنانے کی خواہش کی تو انھوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کی ہمارے پاس ایک نماز رہ گئی ہے کیا بادشاہ چاہتا ہے کہ اسے بھی لے جائے۔ (در ما جز نماز چیزی دیگر نماندہ است، اکنوں بادشاہ چہ می خواہد کہ ایں ہم از ما برد) (۱)

میر خورد نے انھیں عالم زمانہ، اور حدیث میں بے نظیر دیگانۂ عصر قرار دیا ہے (۲) ان کا انتقال ۶۸۴ھ میں ہوا۔ میر خورد نے مشارق کے جس نسخے سے حضرت نظام الدین نے پڑھا تھا اس کے ذیل میں مولانا زاہد نے عربی میں اجازت نامہ نقل کر دیا ہے جسے اگلے صفحے پر ایک یادگار کے طور پر درج کیا جا رہا ہے، اس اجازت نامے میں فصاحت متانت اور اس زمانے کے طرز عبارت کا اچھا نمونہ آگیا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لمن له الاهتداء والإعطاء والصباح والرواح، والمدح لمن له الآلاء والنعماء والصباح والمداح والصلوات الفصاح على ذی الفضائل السماء، والكلمة والكلام المفتاح والمناقب العليا والأحاديث الصحاح صلوة تدوم دوام الصباح والرواح. وبعد فان الله تعالى وفق الشيخ الامام العالم الناسك السالك نظام الدين محمد بن أحمد بن علی مع وفور فضله فی العلم وبلوغ ذروة الحلم، مقبول المشائخ الكبار منظور العلماء الأخيار والأبرار بان قرأ هذا الأصل المستخرج من الصحيحين على ساطر هذه السطور فی الزمن الحار و ورود الأمطار من أوله إلى آخره قراءة بحث وإتقان وتنقيح معانيه وتنقير مبانيه وكاتب السطور يرويه قراءة وسماعا عن

(۱) اخبار الاخیار ۷۲ ، (۲) سیر الاولیاء، ص ۱۱۱

الشيخين الامامين العالمين الكاملين احدالشيخين مؤلف شرح آثار النيرين فی أخبار الصحيحين، والآخر صاحب الدرسين المنيرين الامام الأجل الكامل مالك رقاب النظم والنثر برهان الملة و الدين محمود بن أبی الحسن أسعد البلخی رحمة الله عليهما رحمة واسعة كتابة وشفاهة وهما يرويانه عن مؤلفه وأجزت له ان يروی عنی كما هو المشروط فی هذا الباب والله اعلم بالصواب -

وأوصيه أن لاينسانی وأولادی فی دعواته فی خلواته وصح له القراءة والسماع فی المسجد المنسوب إلی نجم الدين ابی بكر التلواسی رحمه الله فی بلدة دهلی صانها عن الآفات والعاهات وهذا خط أضعف عباد الله وأحقر خلقه محمد بن احمد المار يكلی الملقب بكمال الزاهد، والفراغ من القراءة والسماع، وكتب هذ السطور فی الثانی والعشرين من ربيع الأول سنة تسع وسبعين ۶۷۹ وستمائة حامدا لله تعالیٰ ومصليا علی رسوله (۱)

قاضی منہاج سراج جوزجانی

نامور عالم وفقیہ اور مؤرخ قاضی منہاج، خراسان کے شہر جوزجان میں پید ہوئے اور ان کے والد سراج الدین محمد ہندستان کی طرف سے دوبار خلیفہ الناصرلدین اللہ کے پاس سفیر بن کر گئے، عوفی نے ان دونوں کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) سیرالأولیاء ص ۱۱۴ - ۱۱۵ علم حدیث میں برعظیم ہند وپاک کا حصہ ص ۸۴ - ۸۵ از ڈاکٹر محمد اسحاق، (۲) لباب الباب (مرتبہ براؤن وقزوینی) ۱/۶۳ - ۳، (لائیڈن ۱۹۰۶ء)

وہ مدرسہ فیروزیہ (دہلی) کے مہتمم، مدرسہ ناصریہ (دہلی) کے ناظم اور گوالیار کے قاضی رہے، اپنے وقت کے بڑے صاحب تاثیر خطیب بھی تھے حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے تھے کہ میں ہر دوشنبہ کو ان کے وعظ میں جاتا تھا ایک بار ایک قطعہ ان کی زبان سے سن کر از خود رفتہ ہوگیا (۱) کچھ عرصے ناصر الدین قباچہ کے دربار سے وابستہ رہے شیخ اکرام لکھتے ہیں کہ "۱۲۴۱ء میں بہرام شاہ نے اسے شہر دہلی کا قاضی مقرر کیا ..... ۱۲۴۷ء میں سلطان ناصر الدین محمود تخت نشیں ہوا اور اب منہاج کا ستارہ پوری درخشانی سے چمکنا شروع ہوا، ناصر الدین اور بلبن دونوں اس کے قدرداں تھے اور بالآخر انھوں نے اسے صدر جہاں کا خطاب دے کر تمام سلطنت کا قاضی بنا دیا ..... ہماری فقہی روایات کی بنیاد رکھتے ہیں اس کا بڑا ہاتھ تھا، قیام حکومت اسلامی کی پہلی نصف صدی کا اصل مؤرخ وہی ہے ..... شاید اسے التمش، نظام الملک جنیدی کی طرح حکومت اسلامی کے ابتدائی معماروں میں سے سمجھنا چاہیے" (۲)

مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں کہ: وہ بڑے عالم اور فقہ واصول، سیر وتاریخ اور شعر وادب کے ماہر تھے اس کے ساتھ ہی حسن اخلاق وتواضع کے مالک اور انتہائی معاملہ فہم تھے، (۳) ۶۶۸ھ ان کا تخمینی سال وفات ہے۔

ان کی تاریخ 'طبقات ناصری' ایک تاریخی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں ابتدائے آفرینش سے اپنی وفات سے دس سال پہلے (۶۵۸ھ) تک کے مشرقی اسلامی حکومتوں کی تاریخ آگئی ہے اور طبری اور دوسرے محتاط مؤرخین کی طرح انھوں نے بھی تاریخی حقائق راویوں کے ناموں کی صراحت کے ساتھ لکھے ہیں۔ اس میں بکثرت عربی عبارات اور اشعار بھی آتے ہیں جن سے ان کی عربی پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر

---

(۱) اخبار الاخیار ۸۷، (۲) آب کوثر ص ۱۳۱-۶، (۳) نزہۃ الخواطر ۱/۱۳۵۔

Marfat.com

چند اشعار لکھے جاتے ہیں :

الدین فی غبطة والملك فی جزل | والتاج والتخت فی حلی وفی حلل
وکم اقیم بجد العصر من صغو | وکم اسد بصروف الدهر من خلل

قد صادف الرضوان أیام الوری | من روح هذا البزم للسلطان
لازال یبقی فی جلالة ملکه | ومزید امکان ورفعة شان (۱)

سدید الدین محمد عوفی

عالم و مؤرخ اور شاعر محمد عوفی بخارا میں (۵۶۷ - ۵۷۲ھ کے درمیان پیدا ہوئے ان کی شرافت نسب کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی کی اولاد میں تھے بخارا میں تحصیل علم کے بعد خراسان وافغانستان، ماوراء النہر اور ایران کے بڑے شہروں میں تحصیل علم اور اہل علم سے ملاقاتوں کے بعد ۶۱۷ھ میں مغلوں کے حملوں سے بچ کر التمش کے ہم زلف اور والئی سندھ ناصر الدین قباچہ کے پاس آگئے ۶۲۵ھ تک اچ میں رہے جہاں اپنا تذکرہ 'لباب الالباب' لکھا اسی سال التمش نے سندھ فتح کر لیا عوفی قلعۂ بھکر میں محصور تھے، فتح کے بعد وہ التمش کے ساتھ دہلی چلے آئے (۲)

لباب الالباب قباچہ کے وزیر عین الملک اشعری سے منسوب کی اور

(۱) طبقات ناصری ۲، ۲۱۱ (لاہور ۱۹۵۲ء)

(۲) مقدمہ لباب الالباب۔ از تذ دینی، ۱۲،۱۱ دبرائون، نزهة الخواطر ۱/۳-۱۲۲

جوامع الحکایات التمش کے وزیر نظام الملک جنیدی کے لیے لکھی۔ اس کتاب سے ان کے ۶۳۰ھ تک زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

لباب الالباب ہندستان میں لکھا جانے والا پہلا فارسی تذکرہ ہے جس کے ۱۲ ابواب میں ماوراءالنہر، افغانستان، عراق، ایران و ہندستان کی مختلف حکومتوں کی ادبی سرگرمیوں کی مستند روداد مرتب کی گئی ہے وہ فارسی کی طرح عربی کے بھی شاعر و نقاد تھے اس لیے اپنے اور دوسرے عربی گو شعراء کے اشعار اور عبارتیں بھی نقل کرتے چلے جاتے ہیں، ناصر الدین قباچہ کے وزیر الصدر الاجل مجد الملک الجاجمی نے راے جاج نگری دس لاکھ پیادہ اور ایک لاکھ سوار اور ۷۰ سو ہاتھیوں کی فوج کو ۵۰ سواروں سے شکست دی، نیز بہرائچ، قنوج اور بنارس فتح کیے تو عوفی نے ۶۱۷ھ کے عربی خطبۂ عید میں بڑی مرصع زبان میں اس کی طرف اشارہ کیا:

"ایہا الناس اعتبروا فی ھذہ الشہور والاحوال من تقلب الامور و الاحوال، فان اللہ تعالیٰ جعل الغالب مغلوبا والسالب مسلوبا و الناکب منکوبا ومواد فساد الأعداء منقطعة ورایات اولیاءھم ترتفع .... فھذا ابن الجاجمی خرج کقدح ابن مقبل وبنات الدھر مجبل، لمدوخ البلاد وروح العباد ولم شعث بلاد الھند وصحح سقیمہ ووشح أعناق منابرھا بالخطب المحبرة بالقاب الناصرین الامام وتیمہ الخ"[1]

ان کی دوسری اہم کتاب جوامع الحکایات ولوامع الروایات چار حصوں میں، اور سو ابواب اور ۲۱۱۳ حکایات پر مشتمل ہے حصہ اول توحید و رسالت، دوم

---

(۱) لباب الالباب ۱/۳۲۵ ed. E. G. Browne & Qazvini, Leyden (1906)

Marfat.com

اخلاق حمیدہ، سوم اخلاق مذمومہ اور چہارم احوال عباد و بلاد میں ہے۔ یہ کتاب اپنے تاریخی مشتملات اور نادر حکایات کی وجہ سے فارسی کے کلاسیکی ادب میں شمار ہوتی ہے ملک الشعراء بہار کہتا ہے کہ "لباب الالباب اور جوامع" ایران کے ادبی افق کے دو ستارۂ تاباں ہیں اور جب تک فارسی زندہ ہے علمائے ادب و تاریخ ان کے مرہون منت رہیں گے"(۱)

جوامع الحکایات کی ایک جلد حیدر آباد سے ۶۴، ۱۹۶۵ء میں اور دوسری ایران سے شایع ہوئی ہے، دو جلدیں غیر مطبوعہ ہیں۔

علامہ حسن صغانی لاہوریؒ

شہیر آفاق محدث اور لغت نگار اور علامۂ روزگار شیخ رضی الدین حسن بن محمد عمری الصغانی وہ خوش قسمت محدث ہیں جن کے ذریعے وسط ہندستان میں درس و تصنیف حدیث کا باقاعدہ آغاز ہوا جس کا سلسلۂ فیض ہنوز جاری ہے، اور اس نے ہندستان سے بڑھ کر سارے عالم اسلام کو فیض یاب کیا ہے، علامہ صغانی کے تین بڑے کارنامے ایسے ہیں جن کے لئے ملت اسلامیہ ان کی رہین منت رہے گی۔ ایک مشارق الانوار جیسے مجموعۂ حدیث کی تالیف، دوسرے التکملہ اور العباب الزاخر جیسی اہم لغات کے ذریعے عربی زبان کی عظیم خدمت، تیسرے صحیح بخاری کے موجودہ متن کی تدوین و تحقیق جو عراق سے لے کر مشرقی عالم اسلام تک مروج ہے۔

علامہ صغانی ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی اور تعلیم حاصل کی، سلطان قطب الدین ایبک نے انھیں لاہور کا قاضی بنانا چاہا

---

(۱) جوامع الحکایات بہ تصحیح دکتر محمد معین، ص، ۳ (تہران ۱۹۶۱ء)

Marfat.com

مگر وہ غزنی چلے گئے اور وہاں تدریس میں مشغول رہے، پھر عراق وعرب کے علماء سے بھی استفادہ کیا، سیوطی نے لکھا ہے کہ بغداد میں انھوں نے ماہر لغات نظام مرغینانی سے استفادہ کیا (۱) ابن العماد حنبلی (م ۱۰۸۹ھ) مکہ میں ابوالفتوح بن الحصری اور بغداد میں سعید بن الرزاز سے سماعت کی خبر دیتا ہے (۲) پاکستان کے ڈاکٹر احمد خاں لکھتے ہیں کہ صغانی نے صاحب ہدایہ کے صاحبزادے ابوحفص عمر مرغینانی اور برہان الدین ابوالفتوح نصر بن ابی الفرج البغدادی مقیم مکہ (م ۶۱۹ھ) سے حدیث کی سماعت کی جنھیں امام الحرم اور امام الحطیم بھی کہا جاتا تھا، (۳) یاقوت حموی ۶۱۶ھ میں ان کے یمن آنے اور ان کی وہاں مقبولیت کا بیان کرتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ ۶۱۳ھ میں وہ مکہ مکرمہ میں تھے (۴) خلیفہ الناصر نے انہیں التمش کے پاس ۶۱۷ھ میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا پھر المستنصر نے سلطانہ رضیہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا (۵) ۶۳۷ھ میں سلطانہ رضیہ کے قتل کے بعد وہ مستقل طور پر بغداد واپس چلے گئے اور تصنیف وتدریس میں مشغول ہو گئے، ۱۹ شعبان ۶۵۰ھ اکتوبر ۱۲۵۲ء میں اپنی رہائش گاہ واقع حریم الظاہری بغداد میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق مکہ مکرمہ لے جا کر حضرت فضیل بن عیاضؒ کے پہلو میں جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے (۶)

---

(۱) بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ للسیوطی ۲۲۸ (قاہرہ ۱۳۲۶ھ)
(۲) شذرات الذہب ۵/۲۵۰ (بیروت ۱۳۹۹ھ) (۳) مقدمہ کتاب الانفعال از ڈاکٹر احمد خاں ص (ہ) اسلام آباد (۱۹۷۷ء) (۴) معجم الأدباء للیاقوت ۹/۱۹۱ (بیروت ۱۹۸۰ء) (۵) الجواہر المضیئۃ لعبد القادر القرشی ۱/۲۰۱ (حیدر آباد ۱۳۳۲ھ) (۶) علم حدیث: ڈاکٹر اسحاق ۲۵۲،

Marfat.com

ان کے ممتاز تلامذہ میں محدث شرف الدین دمیاطی (م ۷۰۵ھ) ذہبی (م ۷۳۵ھ) کے استاذ بھی تھے، ان کے علاوہ ابن البدیع التکریتی (م ۶۵۶ھ) (جو فقہائے مدرسہ مستنصریہ میں تھے) ابن الصباغ کوفی، برہان الدین محمود بلخی، شارح آثار النبرین فی اخبار الصحیحین ڈاکٹر حامد علی خاں ان کے تلامذہ میں نظام الدین ہروی اور خلیفہ الناصر اور المستنصر کو بھی شمار کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے ابن اسماعیل شہرزوری کے چچا احمد بن محمد کا مرثیہ صغانی نقل کیا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے

قد کنت تودع سمعی الدر منتظما فخدہ من جفن عینی الآن منتثرا

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون "صغانی کی عربی شاعری" میں صغانی کی چالیس کتابوں کا تعارف کرایا ہے (۱)

صغانی بحیثیت محدث

بحیثیت محدث علامہ صغانی کا مرتبہ بہت بلند ہے، اپنی دینی بصیرت کے تقاضے پر انھوں نے ہندستان میں (جہاں صحاح ستہ اور دوسرے مستند حدیثی مجموعے نہیں پہنچ سکے تھے یا عام دسترس میں نہ تھے) صحیحین کا ایک جامع انتخاب شائع کیا اور اسے عام فہم اور مقبول بنانے کے لیے حروف تہجی پر اور حذف اسانید کے ساتھ مرتب کیا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ صحیح احادیث سے استفادہ کر سکیں.

دوسری طرف انھوں نے اپنے زمانے کے صوفیہ اور واعظوں کے حلقوں میں ضعیف و موضوع حدیثوں کے سد باب کے لیے ان پر سخت نکیر کی اور ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کے انداز پر صحیح احادیث کی شناخت کا پیمانہ مقرر کیا۔

---

(۱) معارف، اعظم گڈھ، مئی ۱۹۸۴ء، نیز نزہۃ الخواطر ۱/۱۰۶

صغانی کا رسالہ فی الموضوعات، ابو المحاسن کی 'اللولؤ المرصوع' کے ساتھ مصر میں چھپ گیا ہے جس کے مقدمے میں وہ لکھتے ہیں:

"ہمارے زمانے میں احادیث موضوعہ کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہو گیا ہے، جنھیں قصہ گو مجلسوں میں اور خطبوں میں اور فقہاء و فقراء مدرسوں اور خانقاہوں میں بیان کرتے ہیں اور اس طرح سے موضوع احادیث آئندہ نسلوں تک پہنچائی جا رہی ہیں یہ صورت حال سنتِ رسولؐ سے قطعی ناواقفیت کا نتیجہ تھی، سچ تو یہ ہے کہ عرب کے بنجر خطے کے سوا کہیں اور محدث نظر نہیں آتے، جعلی احادیث اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نہاد اقوال کی اشاعت بڑی آزادی سے کتابوں کے ذریعے ہو رہی ہے اور کوئی اس پر توجہ نہیں کرتا کہ ان کا مقصد کیا ہے، مصنف کا نام مشہور ہونے سے اخلاف نے ان کتابوں کو بخوشی قبول کر لیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ اب خود مذہب ہی خطرے میں پڑ گیا ہے" (۱)

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "صغانی نے موضوع احادیث پر اپنے دو رسالوں میں بعض غیر موضوع حدیثوں کو بھی درج کر دیا ہے اس لیے علماء انھیں ابن جوزی اور صاحب سفر السعادۃ کی طرح متشددین میں سمجھتے ہیں، علامہ سخاوی نے 'فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث' میں صغانی کے رسالوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان میں بعض صحیح، حسن، اور معمولی ضعف والی حدیثوں کو بھی موضوع قرار دیدیا گیا ہے" (۲)

---

(۱) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ از ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۲۵۸، ۲۵۹ ان کے اس طرح کے رسائل مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں موجود تھے جو اب آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ منتقل ہو گئے ہیں۔

(۲) الفوائد البہیۃ لمولانا عبدالحی اللکنوی ص ۵۳ (بنارس ۱۹۶۷ء)

Marfat.com

صغانی صرف سند و رجال اور حدیث کے ظاہری پہلوؤں ہی پر نہیں بلکہ متن پر بھی تنقیدی نظر ڈالتے اور درایت سے کام لیتے تھے ان کے نقد حدیث کا نمونہ مدعی صحابیت بابا رتن (بھٹنڈہ) کے بارے میں تبیین الموضوعات میں ان کے دعاوی کی پر زور تردید سے ظاہر ہو جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"۹۵ھ کے بعد کوئی صحابی زندہ نہیں رہے اور اس سال ابو الطفیل رض کی وفات ہوئی تھی جن کو لوگ آخری صحابی سمجھتے تھے اور خود حضور ص نے فرمایا تھا کہ اس صدی کے شروع میں اس وقت کا کوئی آدمی زندہ نہ رہے گا، اس طرح رتن کی احادیث حکیم ترمذی کی احادیث کی طرح ہیں اور وہ سب بے اصل ہیں اور انھیں تکیہ نشیں فقرا دہراتے رہتے ہیں، جب کہ اللہ کا دین اس سے بلند ہے کہ وہ کسی جاہل یا غافل سے لیا جائے اور حضور ص کا خود ارشاد ہے کہ:

میں نے تمہیں ایک واضح دین پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے اور تم لوگ جب تک اللہ، اور میرے اہل بیت اور میرے اصحاب اور میری سنت کی اتباع کرتے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے" (۱)

استاذ عمر فروخ صغانی کے رسالہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ 'الاحادیث الموضوعۃ' کے نام سے ۱۳۰۵ھ میں قاہرہ سے شائع ہوا تھا (۲)

استاذ مصطفی السباعی ان کے اس رسالہ کے ساتھ ان کی دوسری کتاب 'الدر الملتقط فی تبیین الغلط' کا بھی ذکر کرتے ہیں (۳)

صغانی نے مشارق الأنوار سے پہلے صحیح احادیث کے ۴ مختصر مجموعے مرتب کر کے

---

(۱) نزہۃ الخواطر ۱/۱۱۸ (۲) تاریخ الأدب العربی: عمر فروخ ۳/۵۷۰ (بیروت ۱۹۷۹ء) (۳) السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ۲-۱۲۱ (بیروت ۱۹۷۸ء)

Marfat.com

علم حدیث کی خدمت واشاعت کی تھی، جنھیں صحیحین کے انتخاب کے ساتھ شامل کرکے مشارق کو ترتیب دیا، ڈاکٹر احمد خاں لکھتے ہیں :

"شیخ فرید ناگوری (م ۷۵۲ھ) کہتے ہیں کہ لوگ صغانی سے ان کی کتاب مصباح الدجیٰ ایک دن میں سن لیتے تھے، ناگور میں قاضی کمال الدین و قاضی حمید الدین نے اسی طرح سنا تھا جیسا کہ ناگوری کی سرور الصدور (ورق ۳۲۱) میں ہے،، (۱)

یہ چار مجموعے یہ تھے ۱۔ مصباح الدجیٰ من صحاح حدیث المصطفیٰ ﷺ، (اب نایاب کہا جاتا ہے)

۲۔ الشمس المنیرہ من الصحاح المأثورہ، (اس کا ایک نسخہ مشہد میں بتایا جاتا ہے) (۲)

۳۔ کشف الحجاب عن احادیث الشہاب۔ قاضی ابو عبداللہ محمد بن سلامہ القضاعی الشافعی (م ۴۵۴ھ) کی کتاب شہاب الأخبار فی الحکم والامثال والآداب کا خلاصہ تھی جس کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے (۳)

۴۔ چوتھی کتاب ابو العباس احمد بن محمد الاقلیشی کی النجم من کلام سید العرب والعجم ﷺ کا خلاصہ تھی۔

حدیث کے سلسلے میں ان کی شرح صحیح بخاری کا ذکر بھی آتا ہے لیکن اس کی موجودہ کیفیت معلوم نہیں حاجی خلیفہ اسے مختصر بتاتے ہیں (۴)۔ بروکلمن ان کی کتاب فی اسماء شیوخ البخاری کا ذکر کرتا ہے (۵)

---

(۱) مقدمہ کتاب الانفعال ص م از ڈاکٹر احمد خاں (۲) بروکلمن: تکملہ ۱/۶۱۵ بحوالہ تاریخ ادبیات پاک و ہند ۲/۱۵۰ (۳) کشف الظنون ۲/ (دار الفکر ۱۹۸۲ء)

(۴) کشف الظنون ۱/۵۵۳ نیز الجواہر المضیئۃ ۱/۲۰۲

(۵) تکملہ ۱/۶۱۵ بحوالہ مذکورہ۔

اسی سلسلے کی ایک کتاب درالسحابۃ فی بیان مواضع وفیات الصحابۃ ہے جو حیدرآباد سے ۱۳۴۴ھ میں شائع ہوئی ہے۔ علوم دینیہ سے متعلق کتابوں میں درجات العلم والعلماء زبدۃ المناسک (۱) اور فرائض پر ایک کتاب ہے (۲) ابن الفوطی نے ان کی بدائع النظام فی جوامع الاحکام کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۳)

"مشارق الانوار النبویۃ من صحاح الاخبار المصطفویۃ"

علامہ صغانی کی یہ وہ مبارک ومقبول کتاب ہے جس کے ذریعے قریب سات سو سال سے حدیث شریف کی اشاعت ہو رہی ہے اور مصنف کے ساتھ ہندستان کا نام روشن ہو رہا ہے، امت کے لیے اخلاص وخیرخواہی کی بنا پر انھوں نے احادیث صحیحہ کا یہ انتخاب مرتب کیا تھا اور اسے عوامل نحویہ اور پھر ان میں بھی حروفِ تہجی کی ترتیب کے لیے انھیں جو دیدہ ریزی اور جگر کاوی کرنی پڑی ہوگی وہ ظاہر ہے، اپنے حسنِ ترتیب وتالیف، حسنِ انتخاب، اور صحت ومعنویت کے لحاظ سے 'مشارق الانوار' کی اہمیت وافادیت ہمیشہ باقی رہے گی اور وہ انوارِ نبوت کی شعاعوں سے اہلِ دل کو زندگی وتابندگی کا پیغام دیتی رہے گی۔

اسلامی نظامِ تعلیم کے مشہور مؤرخ اور ہندستان کے ممتاز ترین عالم واہلِ قلم مولانا سید مناظر احسن گیلانی (م ۱۹۵۶ء) لکھتے ہیں:

"آہ غریب مشارق الانوار، کو اس کے وطن نے بھلا دیا، قدامت آدمی کو تھکا دیتی ہے نئی چیز میں لذت ہوتی ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ متن حدیث پڑھانے کے لیے اس سے اچھا

---

(۱) اتحاف النبلاء ۲۴۸ (۲) کشف الظنون ۲/۱۲۵۰

(۳) الحوادث الجامعہ ۲۸۷ بحوالہ تاریخ ادبیات ۲/۱۵۳

Marfat.com

مجموعہ مقطوع الاسناد حدیثوں کا شاید اب بھی پیش کرنا دشوار ہی ہے اس میں صحیحین سے ۲۲۴۶ حدیثوں کا انتخاب بڑی خوبی سے کیا گیا ہے" (۱)

ڈاکٹر محمد اسحاق نے صحیح لکھا ہے کہ "نشاۃ ثانیہ سے قبل کے دور میں شمالی ہند میں علم حدیث کی اشاعت میں اس کتاب سے جو غیر معمولی مدد ملی اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ مشارق الانوار ہی تھی جس نے اس زمانے میں ہند اور وسط ایشیا کے فقہ زدہ ممالک میں علم حدیث کے پرچم کو بلند رکھا" (۲)

پروفیسر محمد حبیب نے فوائد الفواد سے حضرت نظام الدینؒ کا صغانیؒ کے بارے میں یہ اعتراف نقل کیا ہے کہ

"اگر ان کو کسی حدیث میں دقت پیش آتی تو وہ رسولِ خداؐ کو خواب میں دیکھتے اور آپؐ سے حدیث کو صحیح کر لیتے، ..... (انھوں نے فرمایا کہ) اس وقت حضرتِ دہلی میں بڑے پائے کے عالم موجود تھے اور علوم میں مولانا صغانی دوسرے علماء کے برابر تھے لیکن علم حدیث میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے" (۳) افغانستان کے صوبہ قہستان کے مولانا شمس الدین بن امین الدین کا کہنا ہے کہ میں نے مشارق کی تمام احادیث، مراقبہ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں گزاری ہیں، (۴)

مشارق کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ چسٹر بیٹی لائبریری میں جس نسخے سے صغانی نے درس دیا تھا اس پر سامعین کے اسماء میں جمال الدین الکناسی، علی تمری

---

(۱) نظامِ تعلیم و تربیت از مولانا گیلانی، ۱۵۰، (۲) علم حدیث ص ۲۶۳

(۳) حضرت نظام الدین اولیاءؒ: از محمد حبیب ۲۴، ۲۵ (دہلی ۱۹۷۲ء) (۴) روضات الجنات معین الدین محمد زمجی اسفزاری ۱/۲۱۸ (علی گڈھ ۱۹۶۱ء)

Marfat.com

غرناطی، عبداللہ اندلسی مالکی کے نام بھی ہیں جنھوں نے ۲۷ جمادی الآخرہ ۶۴۳ھ میں مشارق ختم کی اور اس پر صغانی کے دستخط اس طرح ہیں:

"صحح ذلک وکتب الملتجیٔ الی حرم اللہ تعالیٰ الحسن الصغانی احلہ اللہ اعلی محال اولی الفضل والحجی وجعلہ علما فی الفضائل کالنجم فی الدجی حامدا ومصلیا" (۱)

'مشارق الانوار' کی بے پناہ مقبولیت کی وجہ سے اس کے سیکڑوں حاشیے اور شرحیں لکھی گئیں چند ممتاز شروح میں ایک علاء الدین قزوینی استاذ مدرسہ مستنصریہ بغداد نے لکھی، دوسری شمس الدین یحییٰ اودھی (م ۷۴۹ھ) نے لکھی (۲) مشہور شرح مبارق الازھار عزالدین الکرمانی الکوفی (م ۷۸۶ھ) کی ہے جو استانبول سے بارہا شائع ہوئی ہے (۳) تحفۃ الأبرار للبابرتی م ۷۸۶ھ، شوارق الأسوار از فیروزآبادی (م ۸۱۷ھ) المطالع المصطفویۃ از سعید گازرونی م ۷۵۸ھ، شرح ابن کمال پاشا (م ۹۴۰ھ) ابن الصائغ الزمردی م ۷۷۶ھ، شیخ زادہ م ۹۵۱ھ، علاء الدین قزوینی (سال تصنیف ۷۲۵ھ) کی شرحیں اور قاسم قطلوبغا م ۸۷۹ کا حاشیہ ان میں زیادہ مشہور ہیں (۴)۔ بروکلمن حدائق الازھار از وجیہ الدین ارزنجانی اور محمد رازی ہروی م ۸۲۹ھ کا ذکر کرتا ہے (۵)

---

(۱) Some Aspects of Religion: Prof. Nizami, p. 152

(۲) الدرر الکامنۃ ۲/۸۲ (حیدر آباد ۱۳۴۹ھ)

(۳) تاریخ الادب العربی: عمر فروخ ۳/۵۷۰

(۴) کشف الظنون ۲/۱۶۸۹-۹۰

(۵) تاریخ الادب العربی: بروکلمن ۶/۲۱۴ (مصر ۱۹۸۳ء)

لسانی خدمات

مذکورہ دینی خدمات کے بعد ان کی لغوی و لسانی خدمات کا ایک مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے کہ صغانی کی دوسری علمی شخصیت بحیثیت ایک ماہر زبان اور لغت نگار کی ہے اور عربی لغت نویسی کی کوئی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر ناقص رہتی ہے، صحاح جوہری (م ۳۹۳ھ) کے بعد بڑی لغت المحکم والمحیط الاعظم لابن سیدہ الاندلسی (م ۴۵۸ھ) ہے۔ پھر صغانی کی تکملہ اور العباب کا نمبر آجاتا ہے اس کے بعد ابن منظور افریقی م ۷۱۱ھ کی لسان العرب، اور فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) کی القاموس کا شمار ہے جو صغانی کی لغات سے مستفاد ہیں۔

سیوطی اور علامہ ذہبی اپنے تذکروں میں انھیں امام اہل لغت قرار دیتے ہیں۔ (۱) ان کی مشہور لغت 'اللباب الزاخر واللباب الفاخر' کے متعلق مولانا گیلانی لکھتے ہیں۔

"آج ساری دنیائے اسلام بلکہ یورپ کے مستشرقین کے ہاتھوں میں عربی لغت کی کتاب قاموس جو متداول ہے، کیا واقعی یہ مجد الدین الفیروز آبادی کا کام ہے، اس فن کی کتابوں سے جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اسی ہندستان کے عالم رضی الدین علامہ نے العباب کے نام سے جو کتاب لغت میں لکھنی شروع کی تھی اسی کا اور المحکم کا خلاصہ فیروز آبادی نے کر دیا ہے، بیچارے ہندی عالم کا کام نامکمل رہ گیا یعنی "میم" تک پہنچتے پہنچتے حیات ہو گئی صرف چند حروف رہ گئے تھے بس اسی کو ابن رسیدہ کی المحکم سے لے کر صاحب قاموس نے خلاصہ کر دیا، صغانی کی کتاب رہ گئی اور فیروز آبادی کا کام چل نکلا الخ" (۲)

---

(۱) بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ للسیوطی ۲۲۸ (قاہرہ ۱۳۲۶ھ)

(۲) نظام تعلیم و تربیت ص ۱۵۲

Marfat.com

حاجی خلیفہ نے العباب کو ۳۰ جلدوں میں بتایا ہے (۱) ڈاکٹر احمد خاں کی تحقیق کے مطابق 'العباب' کے چار جزء مکتبہ ایا صوفیہ، اور کوپریلی میں، ایک جزء دار الکتب المصریہ میں اور متفرق اجزاء مکتبہ مغربیہ تونس میں ہیں ..... سیوطی نے المزھر میں کہا ہے کہ صحاح کے بعد ابن سیدہ کی المحکم اور صغانی کی العباب ہے"(۲) العباب کا حرف ھمزہ پر محمد حسن آل یٰسین (راولپنڈی) کی تحقیق کے ساتھ وزارت ثقافت بغداد نے شائع کیا ہے۔(۳)

صغانی کی دوسری اہم لغت 'التکملہ والذیل والصلۃ' ہے جو صحاح جوہری کی تصحیح و تکمیل کے لیے لکھی گئی اس کے بارے میں مشہور محقق احمد عبد الغفور العطار لکھتے ہیں التکملہ صحاح سے متعلق کتابوں میں سب سے بہتر ہے جس میں ۶۰ ھزار مادے آگئے ہیں (۴)

وہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ صغانی نے ہزاروں نادرو نامانوس الفاظ کا اضافہ کیا ہے جو جوہری سے رہ گئے تھے (۵) اس کے نسخے دار الکتب المصریہ، سلیمانیہ استانبول میں اور جلد اول برٹش میوزیم میں ہیں (۶) مصری مخطوطہ ۶۴۲ھ کا ہے۔

اس کا ایک نسخہ صغانی کے قلم سے مجموعہ داماد زادہ مراد نمبر ۱۷۹۴ پر موجود ہے (۷) اب اسے عبد العلیم الطحاوی کی تحقیق سے مجمع اللغۃ العربیۃ، قاہرہ نے ۱۹۷۰ء/۱۹۷۴ء میں اس کا حصہ ۱-۴ شائع کیا ہے (۸)

---

(۱) کشف الظنون ۱۲۲۰/۲ (۲) مقدمہ الانفعال (۳) معارف، اعظم گڈھ، (مئی ۱۹۸۴ء) مقالہ حامد علی خاں صاحب (۴) الصحاح ومدارس المعجمات العربیۃ ص ۱۹۸، (۵) مقدمۃ الصحاح ۵۳۲، (قاہرہ ۱۹۸۲ء) (۶) معارف، (مئی ۸۴ء) (۷) بحوالہ تاریخ ادبیات ۱۵۰/۲ (۸) بروکلمن ۲۱۷/۶

اپنی دوسری لغت مجمع البحرین میں صغانی نے الصحاح اور اپنے تکملہ کو جمع کر دیا ہے جس کی ۱۲ جلدیں ہیں ان مصر، استانبول اور نیشنل لائبریری، پیرس میں موجود ہیں۔ ان کی شائع شدہ لغات میں الاضداد (بیروت، ۱۹۱۳ء) أسامی الذئب (استانبول ۱۹۱۴ء)

یفعول (تونس ۱۳۲۳ھ) ہیں (۱) ما بنتہ العرب علی فعال بھی مطبوعہ ہے ان کی اکثر کتابوں کے قلمی نسخے مکتبہ داماد زادہ استانبول میں ہیں۔ (۲) کتاب فعال، مجمع اللغۃ العربیہ، دمشق نے ۱۹۶۸ء میں شائع کی ہے۔ مقام تحسین و مسرت ہے کہ پاکستانی محقق ڈاکٹر احمد خاں نے صغانی کے تین رسالے اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کئے ہیں۔

۱- اسماء الغادۃ فی اسماء العادۃ، ۲- الشوارد فی اللغات، ۳- الانفعال (۹۶ صفحات اور ایک تفصیلی مقدمے کے ساتھ) (۳) اور کتابوں میں نقعۃ الصدیان فیما جاء علی وزن فعلان، خلق الانسان، توشیح الدریدیۃ، التراکیب الأسد، شرح ابیات المفصل، العروض کا ذکر محولہ کتب میں موجود ہے۔

صغانی شاعر بھی تھے مگر اشعار نایاب ہیں، سیوطی نے ان کا ایک حمدیہ قطعہ نقل کیا ہے جس پر ان کا ذکر خیر ختم ہوتا ہے:

یا راحم الطفل الرضیع المزعج	یا فاتح الباب المنیع المرتجی
ان کان غیری مبلسا مستیئسًا	فانا الفقیر المستکین المرتجی
اوکان غیری امنا فی سربہ	فانا المتیح المستجیر المرتجی
اساءت الراحات عنی وانثأت	یا من یقرب کل ناء مرتجی

---

(۱) تاریخ الادب العربی: عمر فروخ ۳/۵۶۹ (۲) معارف (مئی ۸۳ء ۱۹)
(۳) الانفعال: (اسلام آباد ۱۹۷۷ء)

Marfat.com

أنت الذی فیه شفاء السقم لا تصب الذرنیی ولا دواء المرتجی (۱)

یاقوت نے صغانی کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں جو انھوں نے اپنی کتاب مناسک الحج کے خاتمہ پر لکھے تھے ؎

شوقی الی الکعبة الغراء قد زادا فاستحمل القلص الوخادة الزادا...

فاقطع علائق ما ترجوه من نشب واستودع اللّٰہ أموالا وأولادا (۲)

---

(۱) بغیة الوعاة للسیوطی ۲۲۸، (۲) معجم الأدباء ۹/ ۱۹۰ (بیروت ۱۹۸۰ء)

باب (۶)

عربی ادب عہد خلجی میں (۶۸۹-۷۲۰ھ/۱۲۹۰-۱۳۲۰ء)

خلجی بادشاہوں کے نسب کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے بعض مؤرخین انھیں پٹھان کہتے ہیں اور افغانی ہونے کے سبب میرے خیال میں یہ رائے قرین قیاس ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خلجی، غلزئی قبیلہ کے نام کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔ بہرحال ترکوں کے ساتھ کشمکش میں خلجیوں کو فتح ہوئی اور ۳ جمادی الثانیہ ۶۸۹ھ/۱۳ جون ۱۲۹۰ء کو جلال الدین فیروز شاہ خلجی ستر سال کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھا وہ پابند شریعت انصاف پسند، رحم دل اور علم دوست بادشاہ تھا، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا معتقد تھا اور امیر خسرو اس کے درباری شاعر تھے، عصامی اور امیر حسن اس کے معاصر مؤرخ و شاعر تھے۔

برنی لکھتا ہے کہ "فیروز شاہ کے درباریوں میں تاج الدین عراقی، امیر خسرو، مؤید جاجرمی، پسر ایبک دعاگو، مؤید دیوانہ، صدر عالی، امیر ارسلان کلاہی، اختیار باغ، اور تاج خطیب تھے کہ انشاء و سخنوری، علم تاریخ، اور آداب شناسی

میں ان کی مثال نہ تھی، امیر خسرو ہر روز مجلس سلطانی میں نئی غزلیں لاتے اور بادشاہ بھی ان کی غزلوں کا شیفتہ تھا" (۱)

جلال الدین کا عہد ۶ سال کا تھا وہ اپنے ہم جو اور اقتدار پسند بھتیجے کے ہاتھ بڑی بیدردی سے ۶۹۶ھ میں قتل کر دیا گیا اس سے پہلے بلبن کے عہد کے مشاہیر علم کے تذکرے زیادہ ملتے ہیں جن میں سے بعض فیروز خلجی کے عہد میں بھی تھے، علاء الدین خلجی (۶۹۶-۷۱۶ھ) کو بیس سال کا طویل عرصۂ حکومت ملا جس کی وجہ سے بلبن کی طرح عہد علائی کے علماء و مشائخ کی تعداد بھی بڑی نظر آتی ہے۔ مؤرخ برنی عہد علائی کے ۴۶ ممتاز علماء کا ذکر کرتا ہے جو کسی بھی عہد کے لیے ایک فخر کی چیز ہے ان میں ممتاز ترین علماء کے نام اس طرح ہیں: قاضی فخر الدین ناقلہ، تاج الدین مقدم، ظہیر الدین لنگ، قاضی مغیث بیانوی، رکن الدین سنامی، ظہیر الدین بھکری، وجیہ الدین پائلی، حمید الدین مخلص، برہان الدین بھکری، شہاب الدین ملتانی، صلاح الدین ترکی، علاء الدین صدر الشریعہ۔ علاء الدین لاہوری، شمس الدین یحییٰ، شمس الدین گازرونی" (۲) عبد الباقی نہاوندی، نظام الدین کی 'طبقات اکبری' کے حوالے سے لکھتا ہے کہ

"عہد علائی میں قریب چار کسو شعراء و علماء، منجم، ارباب سیر و تاریخ، حکماء اور ہر فن کے ماہرین موجود تھے۔ جن کا ذکر نظام الدین نے کیا ہے، ان میں سے اکثر مشاہیر روزگار میں سے تھے اور ان میں شاید ہی کوئی ایسا ہوگا کہ آج تین سو سال گزرنے پر بھی اس کا لوگوں پر اثر نہ ہو" (۳)

سیاسی لحاظ سے بھی علاء الدین خلجی کا عہد بڑی اہمیت اور قدر و قیمت کا حامل تھا

---

(۱) تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۱۹۹ (کلکتہ ۱۸۶۲ء) (۲) ایضاً ص ۳۵۳
(۳) مآثر رحیمی از نہاوندی ۱/ ۳۲۹ (کلکتہ ۱۹۱۰ء)

سب سے پہلے تو اس نے اپنے حدود مملکت کو وسیع کر کے ہندستان کو سیاسی و جغرافی وحدت عطا کی اور جنوب میں حکومت کو دیوگیر تک وسیع کر دیا، پھر پانچ بڑے تاتاری حملوں سے ہندستان کو محفوظ رکھا اور اس کا ایسا دفاع کیا کہ تاتاری ہمیشہ کے لئے پسپا ہو گئے معاشی و معاشرتی لحاظ سے بھی اس نے اصلاحی عمل جاری کیا فسق و فجور اور ظلم و جور کا سدباب کیا اور محکمۂ احتساب اور نگرانی کا نظام قائم کیا، معاشیات پر سرکاری کنٹرول کے ذریعے عوام کے استحصال کو روکا، اور اشیاء کے نرخ متعین کر کے ایسی ارزانی پیدا کی جسے لوگ اب تک یاد کرتے ہیں۔ وہ ایک سخت گیر حاکم تھا لیکن اس کی سختی عوام ہی کی بھلائی کے لیے تھی۔

سلطان علاء الدین علماء و مشائخ کا قدرداں تھا مگر دولت و اقتدار پر مضبوط گرفت کی پالیسی کے تحت اس نے ان حضرات کو کوئی بڑی مالی مدد یا جاگیر نہیں دی نہ انھیں اقتدار میں شریک کیا اس کی نماز اور جمعہ و جماعت کی طرف سے غفلت کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مصری محدث مولانا شمس الدین ترک خدمت حدیث کی نیت سے ہندستان تشریف لائے تھے ان کے ساتھ حدیث کی چار سو کتابیں تھیں وہ ابھی ملتان ہی میں تھے کہ ان کو معلوم ہوا کہ سلطان نماز ادا نہیں کرتا اور جمعہ میں بھی حاضر نہیں ہوتا، یہ سنتے ہی انھوں نے دہلی کا ارادہ ترک کر دیا اور سلطان کو علم حدیث کی تشریح میں ایک رسالہ اور شکایت نامہ بھیجا۔ (۱)

بزرگوں میں وہ شیخ رکن الدین ملتانیؒ، بوعلی قلندر، پانی پتیؒ، اور حضرت خواجہ نظام الدینؒ سے خاص عقیدت رکھتا تھا۔ نظامی صاحب عہد علائی پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

---

(۱) سلاطین دہلی از پروفیسر نظامی ۲۴۱۔

"حقیقت میں عہد علائی، اسلامی ہند تاریخ کا عہد شباب تھا، اس دور میں زندگی کے جس شعبہ پر نظر ڈالیے خواہ وہ مذہب سے متعلق ہو، ادب سے ہو یا سیاست سے شگفتگی، امید اور امنگ کا ایک عجیب عالم نظر آئے گا۔ بعض اوقات تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام اسلامی دنیا کی آرزوئیں اور تمنائیں دلی کے قلب میں سمو دی گئی ہیں الخ" (۱) مگر افسوس کہ اس کے بیٹے قطب الدین مبارک خلجی نے اس کے سب کیے پر پانی پھیر دیا اور نا اہلی کے سبب ۴ سالہ حکومت کے ساتھ خلجیوں کی حکومت بھی ختم کر گیا" (۱)

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ کا دبستان علم و عمل

حقیقت یہ ہے کہ عہد سلطنت میں علامہ صغانی کو چھوڑ کر حضرت سلطان المشائخ سے بڑھ کر کسی علمی و دینی شخصیت نے علم و عمل، شریعت و طریقت اور اخلاق و عبادت کی ایسی جامعیت نہیں قائم کی جو ہندستان کی علمی و دینی تاریخ میں ایک وسیع، دیرپا اور ہمہ گیر دبستانِ علم و عمل کہا جائے، سلسلۂ چشتیہ کے علماء و مشائخ کے اس نذرین سلسلہ کے ذریعے ہندستان و پاکستان میں آج بھی علم و عمل کی یہ تحریک جاری اور وہ شمع روشن ہے۔ حضرت نظام الدینؒ کے روحانی و باطنی پہلو اور اس کے ہندستان گیر اور صدیوں پر پھیلے ہوئے دور رس اور دیرپا اثرات و برکات کا اندازہ کرنے کے لیے فوائد الفواد از امیر حسن بجریؒ (م ۷۳۷ھ) اور سیر الاولیاء از میر خورد سید محمد مبارک علوی (م ۷۷۰ھ) اور تاریخ مشائخ چشت، از پروفیسر خلیق احمد نظامی اور تاریخ دعوت و عزیمت، از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا مطالعہ

---

(۱) سلاطین دہلی از پروفیسر نظامی ص ۲۸۲

ناگزیر ہے، یہاں تو حضرت سلطان المشائخ کے علمی پہلو اور عربی سے آپ کے تعلق ظاہر کی نشاندہی مقصود ہے۔ حضرت کا تصوف اسلامی تصوف کہلانے کا مستحق تھا کیوں کہ وہ ہر علم و عمل کی سند کتاب و سنت میں تلاش کرتے تھے اور اپنے مشائخ و اساتذہ کے طریقے پر اپنے تلامذہ و مریدین کو بھی چلانے کی کوشش فرماتے تھے اس کے نتیجے میں ان کا عمل شریعت و طریقت کی جامعیت لیے ہوئے تھا اور علم و معرفت اور تفقہ و شیخت میں ان کے یہاں کوئی تضاد و تناقص نہیں محسوس ہوتا تھا۔

آپ کا نام و نسب اس طرح ہے محمد بن احمد بن علی حسینی، آپ کے دادا اور نانا بخارا سے آکر کچھ دنوں لاہور رہے پھر بدایوں آئے جہاں ۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔

نامور اساتذہ

آپ کو اپنے وقت کے جید اور نامور اساتذہ سے تحصیل علم کی سعادت حاصل ہوئی جن میں مولانا علاء الدین اصولی کا نام پہلے آتا ہے جن سے فقہ کی ابتدائی کتابیں قدوری تک پڑھیں۔ مولانا اصولی بڑے جید عالم اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مرید اور بڑے عابد و زاہد بھی تھے۔

شیخ عبدالحق انھیں بغایت بزرگ و کامل لکھتے ہیں اور ان کے صبر و رضا کا حال سناتے ہیں۔ (۱)

دہلی میں آپ نے مولا شمس الدین خوارزمی سے تلمذ کیا جو ناصر الدین محمود کے عہد میں مستوفی الممالک کے عہدے پر تھے۔ شیخ عبدالحق آپ کو افاضل روزگار میں شمار کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ شیخ نظام الدین انے ان کے پاس مقامات حریری یاد کی

---

(۱) اخبار الاخیار ۷۶

تھی۔ (۱)

حدیث کی اجازت آپ کو کمال الدین زاہد تلمیذ صغانی سے ملی جن کو فقہ کی تعلیم صاحب ہدایہ سے بیک واسطہ ملی تھی، ان سے مشارق الانوار کا درس لیا اور حفظ مقامات کے کفارے میں پوری مشارق الانوار حفظ کی۔ ان کے مرشد حضرت بابا فریدؒ خود بڑے عالم تھے اور علم کے حامی تھے وہ کہا کرتے تھے کہ درویش کو تھوڑا علم بھی چاہیے، انھوں نے حضرت نظام الدینؒ کو عوارف کے ۶ باب، تمہید سالمی، اور ۶ پارے تجوید کے ساتھ پڑھائے۔ (۲)

میر خورد لکھتے ہیں کہ "سلطان المشائخ کا علمی اشتغال اس درجہ تھا کہ آپ کا شمار تیز طبع و ذہین اور کامل دانشمندی میں ہونے لگا اور مولانا نظام الدین بحاث، و محفل شکن، سے مخاطب کیے جانے لگے، اور تمام علوم پر عبور کامل حاصل کر لیا، فقہ و اصول فقہ میں مہارت کے بعد اپنے رفیق مولانا شمس الدین دامغانی کے ساتھ انتہائی کتابیں پڑھیں اور حریری کے ۴۰ مقامات یاد کیے اور اس کے کفارے میں مشارق الانوار یاد کی اور مولانا کمال الدین زاہد سے اس علم کے غوامض حل کیے اور تصحیح و روایت حدیث میں انتہائی تحقیق کی"۔ (۳)

آپ کی خانقاہ دینی و عربی علوم کی درسگاہ بھی تھی آپ نے اپنے بہت سے مریدوں کو تلقین کے ساتھ تعلیم بھی دی تھی آپ کے ایک ممتاز شاگرد میر خورد لکھتے ہیں:

"اس ضعیف نے ان سرور اولیاءؒ کی خدمت میں قریب ۵۰ سال تلمذ کیا ہے اور ابتدا سے انتہا تک کتابوں کی قرات کی اور ہدایہ، بزدوی، کشاف، مشارق و مصابیح کی اجازت سے مشرف ہوا"۔ (۴)

---

(۱) انیس الاخیار ۷۷، (۲) سیر الاولیاء ۱۰۱، (۳) ایضاً ۱۰۷، (۴) سیر الاولیاء ۱۱۱۔

Marfat.com

میر خورد نے متعدد احادیث کے اشکال کی توجیہات نقل کی ہیں جو حضرت نظام الدینؒ سے منقول ہیں (۱) ان کے علاوہ عہد بلبن میں مسئلہ سماع پر علماء سے مناظرے میں انھوں نے جس طرح برجستہ احادیث پیش کیں ان سے ان کے تبحر علمی اور حاضر دماغی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

فرشتہ انھیں فاضل متبحر و سرآمد علمائے وقت، اور جامع علوم ظاہری و باطنی سے یاد کرکے لکھتا ہے "فقہ حنفی، تفسیر و حدیث اور اصول و کلام میں کامل استحضار رکھتے تھے"۔ (۲)

شیخ عبدالحق نے آپ کی شخصیت کے اصل جوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ان کا لقب سلطان المشائخ اور نظام اولیاء ہے وہ محبوبان و مقربان الٰہی میں ہیں، دیار ہندستان آپ کے آثار و برکات سے مملو ہے"۔ (۳)

کمال و جامعیت

حضرت محبوب الٰہیؒ کی ذات بابرکات جمال و کمال، اور جامعیت کا بے مثل نمونہ تھی علم و معرفت، عقل و فہم، خودداری و بے نیازی سلاطین سے کنارہ کشی اور بے خوفی، اور دوسری طرف غریبوں سے ہمدردی و غمگساری، انسان دوستی و دردمندی، خدمت خلق اور ہر خاص و عام کی خیر خواہی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے الفاظ میں 'آفتاب کی سی شفقت و فیض رسانی، زمین کی سی فروتنی و خاکساری' اور دریا کی سی فیاضی و سخاوت، کے آپ پیکر مجسم تھے۔

---

(۱) سیر الاولیاء: ۱۱۱-۱۱۳ (۲) تاریخ فرشتہ ۲/۳۹۳ (لکھنؤ ۱۸۶۵ء)

(۳) اخبار الاخیار: ۷۲

خود فرماتے تھے کہ:

"خواجہ صاحب نے خلافت دیتے ہوئے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہیں علم، عقل اور عشق سے نوازا ہے اور جس میں یہ تینوں صفتیں ہوتی ہیں وہ خلافت مشائخ کا مستحق ہوتا ہے اور اس کے ذریعے یہ کام بخوبی انجام پاتا ہے" (۱) حضرت اس جامعیت کے بارے میں فرماتے جس کے وہ خود اعلیٰ نمونہ تھے:

"پیر کو ایسا ہونا چاہیے کہ احکام شریعت و طریقت اور حقیقت کا عالم ہو اور جب ایسا ہوگا تو وہ ناجائز بات نہیں کہے گا" (۲)

تبحر علمی اور حدیث میں مہارت

گذشتہ صفحات میں مؤرخین و معاصرین کے بیانات اور فوائد الفواد اور سیر الاولیاء میں آپ کے عالمانہ ملفوظات و تحقیقات سے آپ کے تبحر علمی و مہارت حدیث کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جس شخص کو مشارق الانوار حفظ ہو اسے حافظ حدیث نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ سلطان المشائخ کے زمانے میں ہندستان میں صحیحین سنن ابی داؤد (جس کے حوالے طبقات ناصری میں ملتے ہیں) مصابیح السنۃ اور شرح معانی الآثار کی موجودگی کے متعدد ثبوت ملتے ہیں (۳)

ڈاکٹر اسحاق صاحب نے فوائد الفوائد میں بعض ضعیف موضوع احادیث سے استدلال کی وجہ سے لکھا ہے کہ:

"شیخ نظام الدین کے ملفوظات فوائد الفوائد کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے پائے کے محدث نہیں تھے، کیوں کہ اس کتاب میں منجملہ دوسری

---

(۱) اخبار الاخیار: ۶۲ (۲) فوائد الفواد، ۱۴۷ (۳) علم حدیث: ڈاکٹر اسحاق ص ۱۰۴—۱۰۵

Marfat.com

باتوں کے بہت سی موضوع احادیث بھی موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کا سبب یہ ہو کہ مشارق الانوار کے سوا حدیث کی کسی مستند کتاب کا انھوں نے مطالعہ نہیں کیا تھا،،(۱)

ڈاکٹر صاحب کی اس رائے میں جو بے اعتدالی ہے وہ ظاہر ہے، حضرت نظام الدین اپنے ملفوظات میں برابر فرماتے تھے کہ جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے (۲) بعض حدیثوں کے سلسلے میں فرمایا کہ "یہ حدیث کی معتبر و مشہور کتابوں میں نہیں،، (۳) جس عہد میں احادیث موضوعہ و ضعیفہ کی کثرت تھی اور صحاح ستہ بہت کم یاب تھی اس میں کسی عالم کا ان کو روایت کر دینا کوئی ایسا حادثہ نہیں جس کی وجہ سے بغیر اس کی معذوریوں کا خیال کیے ہوئے انتہائی رائے قائم کر لی جائے، مولانا مناظر احسن گیلانی نے حضرت نظام الدین پر اس الزام کا تفصیل سے دفاع کیا ہے. وہ لکھتے ہیں: "میں سلطان المشائخ کی سوانح عمری اس وقت نہیں بیان کر رہا ہوں، ورنہ دکھاتا کہ حدیث اور فقہ کے جوہری اور اساسی حقائق پر ان کی کتنی گہری نظر تھی خصوصاً حنفی فقہ کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو تعلق ہے اور ابن مسعودؓ کا جو خاص طریقہ روایت کرنے کا تھا، یعنی آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر کے وہ بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے، مرسل اور متصل کی صحت اور عدم صحت کے عالمانہ مباحث جو پائے جاتے ہیں، اسی عام مجلس میں باتوں ہی باتوں میں ان امور کی طرف وہ عمیق اور گہرے اشارے کرتے چلے گئے ہیں،،(۴)

بہر حال ڈاکٹر محمد اسحاق نے یہ اعتراف کیا ہے کہ:

"لیکن اس کے باوجود وہ (حضرت نظام الدینؒ) مستحق ستائش ہیں کہ انہوں

---

(۱) علم حدیث؛ ڈاکٹر اسحاق ص ۸۶ (۲) فوائد الفواد ۳-۱۰۲ (۳) ایضاً ۲۳۳

(۴) نظام تعلیم و تربیت ۱/۴-۱۶۳-

نے اپنی خانقاہ کے لوگوں میں مطالعۂ حدیث سے گہری دلچسپی پیدا کر دی، جس کی بدولت ان کے مریدوں اور مریدوں کے جانشینوں میں کافی بڑی تعداد ایسے علماء کی ہوگئی جنھوں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کرلی تھی ،،(۱)

آپ کی خدمت و مہارت حدیث کے لیے یہی بہت کافی ہے کہ انھوں نے روایت حدیث کا ایسا سلسلہ قائم کر دیا جو اب بھی برقرار ہے - روحانی اشتغال اور سلسلۂ چشتیہ کے ہندستان گیر نظام کی نگرانی کے باوجود علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے بھی وہ وقت نکال لیتے اور علم و ادب کی سرپرستی اور رہنمائی فرماتے رہتے تھے مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ فرماتے ہیں :

"اگرچہ اپنی مناسبت فطری اور شیخ کی نسبت باطنی کے اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلے میں معانی اور معانی کے مقابلے میں حقائق و احوال اور 'اسم' سے زیادہ 'مسمّی' میں مشغولیت بڑھتی گئی، پھر بھی علم و ادب سے مناسبت اور علمی ذوق آخر تک قائم رہا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ مولانا رکن الدین چغر نے کشاف اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخ کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پہنچائیں (ص ۳۱۷) یہ دونوں کتابیں مشہور فاضل علامہ محمود جار اللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) کی تصنیف ہیں، پہلی کتاب تفسیر میں ہے اور دوسری نحو میں، اس سے بھی آپ کے علمی ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، اسی سیر الاولیاء میں ہے کہ سید خاموش بن سید محمد کرمانی مجلس خلوت میں 'خمسۂ نظامی' حضرت خواجہ کی خدمت میں پڑھتے تھے (۲)

سلطان المشائخ کے ملفوظات میں جو عربی محاورات اور ابیات آئے ہیں ان

---

(۱) علم حدیث ۸۶ (۲) تاریخ دعوت و عزیمت ۳/۱۲۶، ۱۲۷ (لکھنؤ ۱۹۷۸ء)

Marfat.com

سے ان کے عربیت کے حسن مذاق کا اندازہ ہوتا ہے، ان کے اساتذہ نے ان کو جو سندیں دیں وہ فصیح عربی میں تھیں اسی طرح انھوں نے بھی فصیح عربی میں اپنے خلفاء و تلامذہ کو سندیں دی ہیں مثلاً قاضی محی الدین کاشانی کے خلافت نامے میں اپنے قلم سے لکھا:

"می باید کہ تارک دنیا باشی بسوی دنیا وارباب دنیا مائل نہ شوی وہ قبول نہ کنی وصلہ بادشاہاں نگیری، وگر مسافراں بتو برسند وبر تو چیزے نباشد ایں حال را نعمتی شمری از نعمت ہائی الٰہی ـــ فان فعلت ما امرتك وظنی بك أن تفعل كذلك فأنت خليفتي وان لم تفعل فالله خليفتي"۔(۱)

یہاں حضرت سلطان المشائخ کا ایک عربی خطبہ درج کیا جا رہا ہے جو توحید و معرفت کے ساتھ ایجاز و عربیت کا بھی نمونہ ہے:

الحمد لله الذى تقصرت عن رويته ابصار الناظرين وعجزت عن نعته أوهام الواصلين ابتدأ بقدرته الخلق ابتداءً واخترعهم على مشيته اختراعاً، وانطق لسان الذاكرين بذكر لا اله الا الله وأودع مفاتيح أنواره فى صدور العالمين لا يعلمها الا الله، وروح المشتاقين بروح الاشتياق فى مشاهدة جمال الله وأهرق دم المحببين بسيف الجلال فى بيداء الوصال الله، وأحرق قلب العاشقين بنار العشق فى ابتغاء لقاء الله وخلق الجنة والنار للمومنين والكفار ليجزى الذين اساءوا بما عملوا ويجزى الذين أحسنوا بالحسنى۔

فلو كانت الجنة نصيب العارفين بدون جماله ووصاله فوا ويلاه ولو كانت النار نصيباً لمشتاقين مع جماله ووصاله فوا شوقاه"۔(۲)

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۹۵، (۲) عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ از ڈاکٹر زبید احمد: ۲۱۶ (لاہور ۱۹۷۳ء)

Marfat.com

عربیت اور زبان دانی ان بزرگوں کا اصل میدان نہ تھا مگر اس کے باوجود ان کی تصنیفات و ملفوظات کے ذریعے عربی زبان و ادب کی جو بالواسطہ خدمت ہوگئی ہے وہ بھی قابل لحاظ و لائق اعتناء ہے۔

بہرحال قریب نوے (۹۰) سال تک علم و عمل، تقوی و طہارت، عبادت و اخلاق درد و محبت، اور سوز و گداز کی روشنی اور گرمی پھیلا کر یہ آفتاب علم و معرفت ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو غروب ہوگیا مگر اپنے پیچھے علم و عرفان کا ایک نظام شمسی چھوڑ گیا جس سے افق مشرق اب تک روشن ہے۔

سعدیٔ ہند
حضرت امیر خسروؒ

حضرت امیر خسروؒ جس طرح حیات و ممات میں اپنے شیخ کے ساتھ رہے اسے دیکھتے ہوئے یہاں بھی ان کا تذکرہ، ان کے عالی مقام شیخ کے ساتھ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول با آخر نسبتے دارد۔

حضرت امیر خسروؒ کی ذات میں جو رنگا رنگی اور تنوع ہے اور ان کی دلچسپیوں کا دائرہ جتنا وسیع ہے اس کے پیشِ نظر متقدمین و معاصرین نے بہت کچھ لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ انھیں اردو ہندی اور موسیقی کی بعض دھنوں کا بانی پہیلیوں اور معموں کے موجد اور فارسی کے شاعر اور ایک محب وطن کے طور پر تو پیش کیا گیا مگر ان کے عرفانی پہلو اور بہ حیثیت عالم و مؤرخ اور عربی کے شاعر و ادیب کے انھیں نظر انداز کیا گیا، حالانکہ ان کی تصانیف خصوصاً اعجاز خسروی، میں ان کی عربی نظم و نثر کے بہت سے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں جن کی وجہ سے برصغیر ہند و پاک میں عربی ادب کا کوئی مؤرخ و تذکرہ نگار انھیں نظر انداز نہیں

Marfat.com

کرسکتا۔ انھوں نے فن بلاغت کے مختلف اصناف کے نمونوں میں فارسی کے ساتھ عربی کے بھی بکثرت نمونے پیش کیے ہیں جو عربی زبان وادب پر ان کے عبور کامل اور ماہرانہ دسترس کا ثبوت ہیں۔

قدیم وجدید سبھی تذکرہ نگار امیر خسرو کی غیر معمولی ذہانت وعبقریت، جدت وجودت طبع، عالی دماغی وخوش فکری، تنوع اور توسع، ایجاد واختراع اور گوناگوں صفات وخصوصیات کی جامعیت اور عوام وخواص سب کی دلپذیر اور محبوب شخصیت پر متفق ہیں اور انھیں دنیا کے ان باکمالوں میں شمار کرتے ہیں جو اپنے عہد سے آگے بلکہ ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے باعثِ فخر، اور انسانیت کی مشترک میراث اور اس کے لیے باعث فیضان (Inspiration) ہوتے ہیں۔ وہ بیک وقت عربی وفارسی کے باکمال شاعر ونثر نگار، ایک دیدہ ور مؤرخ وتذکرہ نگار، ایک ماہر فن موسیقار، ایک ہفت زبان ماہر لسانیات، ایک کامیاب درباری وسپاہی، ایک سراپا درد واخلاص صوفی وزاہد، ایک جامع علوم وفنون عالم بلکہ علامۂ روزگار، اور ایک عظیم محب وطن بلکہ محبِ انسان وانسانیت ہستی کے مالک تھے جن پر عالم اسلام بلکہ ایشیا فخر کرسکتا ہے۔

امیر خسرو کے ایک مستند سوانح نگار ڈاکٹر محمد وحید مرزا صاحب نے بہت صحیح لکھا ہے کہ۔

"انگریزی کی ایک مثل کے مطابق یہ صحیح ہے کہ تنوع کمال کا منافی ہے، لیکن یہ مثل عام قابلیت اور اوسط درجے کی استعداد رکھنے والے انسانوں پر ہی صادق آتی ہے، صدیوں میں افلاک کی گردش دوام سے کوئی نہ کوئی ایسی جامع شخصیت پیدا ہو ہی جاتی ہے جو اس عام قاعدے سے بالاتر ہوتی ہے، اور یہی امتیاز اس صاحب کمال کے لیے عالمگیر شہرت اور ابدی ناموری کا باعث بن جاتا ہے،

ایسے ہی خوش قسمت لوگوں میں سے ایک امیر خسرو بھی تھے ،،(۱)

امیر خسرو کے سوانح میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اس لیے یہاں مختصراً ان کے کچھ حالات لکھے جاتے ہیں۔(۲)

ابوالحسن یمین الدین خسرو ۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء میں پٹیالی (ایٹہ) میں پیدا ہوئے، ان کے والد امیر سیف الدین ترک تھے۔ مغلوں نے جب بلخ کو تباہ کیا تو غالباً بخارا چلے آئے پھر وہاں سے ہندستان آکر التمش کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور مغلوں کے ہاتھ ایک معرکے میں شہید ہوئے۔ ان کے بعد خسرو کی پرورش اور تعلیم ان کے نانا عماد الملک کے زیر سایہ ہوئی۔ پھر بلبن کے بھتیجے کشلی خاں (ملک چھجو) سے دو سال وابستہ رہے، پھر شاہزادہ محمد کے ساتھ ۵ سال ملتان میں رہے۔ اور مغلوں کے ہاتھ اس کی شہادت پر بڑے درد انگیز مرثیے لکھے، اس شاہزادے کی مدح میں انھوں نے ۲۳ قصیدے لکھے تھے، مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ "امیر نے سات بادشاہوں کی خدمت کی۔ ۱۔ غیاث الدین بلبن، ۲۔ کیقباد، ۳۔ جلال الدین خلجی، ۴۔ علاء الدین خلجی، ۵۔ قطب الدین خلجی، ۶۔ غیاث الدین تغلق، ۷۔ محمد تغلق جو ربیع الاول ۷۲۵ھ میں تخت دہلی پر بیٹھا اور امیر خسرو نے چند ماہ اس کا زمانہ دیکھ کر ۱۸ شوال ۷۲۵ھ میں وفات پائی۔ اور دہلی میں اپنے شیخ کے مزار کے پاس دفن ہوئے تاریخ وفات اس طرح ہے ؎ شد عدیم المثل یک تاریخ او   واں دگر شد طوطیٔ شکر مقال"(۳)

---

(۱) امیر خسرو: از ڈاکٹر وحید مرزا ص ۶ (الہ آباد ۱۹۴۹) (۲) تفصیل کے لیے وحید مرزا صاحب کی کتاب کے علاوہ ملاحظہ ہو: حیات خسرو: احمد سعید مارہروی، شعر العجم (۲) علامہ شبلی، خسرو شناسی از ظ۔ انصاری، امیر خسرو: سید غلام سمنانی۔

(۳) خزانۂ عامرہ: آزاد، ۲۱۱ (کانپور ۱۸۷۱ء)

Marfat.com

امیر خسرو کی زندگی کا نمایاں پہلو حضرت نظام الدینؒ سے ان کی عقیدت مندانہ وابستگی بھی ہے خود شیخ نظام الدین بھی ان پر انتہائی شفقت فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر شریعت اجازت دیتی تو میں اپنی قبر میں بھی خسرو کو ساتھ رکھتا' اور یہ کہ میں خسرو کے بغیر جنت میں نہیں جاؤں گا، فرشتہ لکھتا ہے کہ شیخ نظام الدین بارہا فرماتے تھے کہ:

خدا مرا بسوز سینۂ ایں ترک بخشد[1] — خدا مجھے اس ترک کے سوزدروں کے سبب بخشدے گا۔

خسرو کی تعریف میں آپ نے ایک رباعی بھی کہی تھی ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست — ملکیت ملک سخن آں خسرو راست
ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست — زیراکہ خدا ناصر خسرو ماست[2]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "امیر خسرو سلطان الشعراء اور برہان الفضلاء ہیں' وادی سخن میں یگانۂ عالم اور انتخاب بنی آدم ہیں وہ سخن وری میں خدا کی دنیاؤں میں سے ایک دنیائے بے پایاں ہیں مضامین و معانی اور اسالیب سخن پر انھیں جو قدرت تھی وہ اگلے پچھلے کسی شاعر کو نہ تھی الخ" (۳)

تصانیف

امیر خسرو کثیر التصانیف اور بڑے زود نویس مصنف تھے، برنی اور امیر خورد کا کہنا ہے کہ ان کی تصانیف سے ایک کتابخانہ بن سکتا تھا۔ جامی کا بیان ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ۹۹ تھی (۴) اس سلسلے میں ڈاکٹر وحید مرزا صاحب تحقیق کے بعد لکھتے ہیں کہ "اس طرح ۲۱ تصانیف ایسی رہ جاتی ہیں جو یقین کے

---

(۱) تاریخ فرشتہ ۲/۴۰۴ (طبع ۱۸۶۵ء) (۲) امیر خسرو: ڈاکٹر وحید مرزا ۱۶۲ بحوالہ ہفت اقلیم
(۳) اخبار الاخیار ۹۶ (۴) امیر خسرو: وحید مرزا ۱۹۳

Marfat.com

ساتھ خسرو کی طرف منسوب کی جاسکتی ہیں۔ اور یہ سب کی سب اس وقت موجود ہیں۔(۱)

تصانیف کے نام اس طرح ہیں ۱۔ تحفۃ الصغر، ۲۔ وسط الحیوٰۃ، ۳۔ غرۃ الکمال ۴۔ بقیہ نقیہ، ۵۔ مطلع الانوار، ۶، شیریں وخسرو، ۷۔ مجنوں ولیلیٰ، ۸۔ ہشت بہشت ۹۔ آئینہ سکندری، ۱۰۔ قران السعدین، ۱۱۔ عشقیہ، ۱۲۔ نُہ سپہر، ۱۳۔ مفتاح الفتوح ۱۴۔ اعجاز خسروی، ۱۵۔ نہایۃ الکمال، ۱۶۔ خزائن الفتوح، ۱۷۔ بدیع العجائب ۱۸۔ افضل الفوائد، ۱۹۔ خالق باری، ۲۰۔ تغلق نامہ۔

امیر خسرو کا عربی کلام

امیر خسرو کی عربی نظم ونثر دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ انھیں عربی وفارسی میں سے کس زبان پر زیادہ قدرت تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ چونکہ انھوں نے اپنے اظہار خیال کا بڑا ذریعہ فارسی کو بنایا اس لیے عربی کی حیثیت ان کے یہاں ثانوی زبان کی ہو گئی۔ اگر انھوں نے عربی کو اپنے خداداد فضل وکمال کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہوتا تو حسان الہند مولانا آزاد بلگرامی پر سبقت کے ساتھ فوقیت بھی حاصل کر لیتے اور ہندستان عربی کے ایک اور بڑے ادیب کے لیے مشہور رہتا۔ خسرو کی عربی نظم ونثر کے نمونے 'خزائن الفتوح' اور 'رسائل الاعجاز' میں ملتے ہیں۔ خزائن اس وقت سامنے نہیں اس لیے رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی کی روشنی میں ان کی عربی نثر ونظم سے اجمالی بحث کی جاتی ہے۔

اس بحث سے پہلے خسرو کی 'بقیہ نقیہ' سے ایک عربی فارسی کی مشترک غزل بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔

---

(۱) امیر خسرو: وحید مرزا، ۱۹۴

Marfat.com

لمناك فی فؤادی الم بلادواء   أرنی الجمال یوما کرما ألاشفائی
منم ودر تو ہر شب خیریت نزا کجایم   تو درون سینہ خرم خبرم نہ کجائی
أیسوغ یا بخیلی نہب الثمار غرا   وذووا لمنی دوا ما حرموا عن اجتنائی
ہمہ بہرہ مند رویت سے حیرت خموشی   کہ گدائی بے زباں راندہد کسے گدائی
أتنام مستمرا بتغافل وعینی   بہواك كل لیل ربطت علی السماء
ز حیات من ز ہجرت دو دمی بجیلہ ماندہ   ز تو ایں قدر نیاید کہ دمی بسویم آئی
واذا مضیت شوقا بفنائك المعلی   رأت العیون حالی وبكت علی غنائی

زسنان و تیر گرچہ دل و سینہ زخمی گردد
نبود بہ نزد خسرو چو جراحت جدائی (۱)

اعجاز خسروی یا رسائل الاعجاز

اعجاز خسروی اگر خسرو کا اعجاز نہیں تو کرامت ضرور ہے، ناقدین نے عام طور پر اسے ادب و انشاء کی ایک روایتی کتاب سمجھا ہے جب کہ وہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے اور اپنے اندر گوناگوں خصوصیات رکھتی ہے، وہ بنیادی طور پر انشاء و ترسل کی کتاب ہے مگر اس فن کی رسم و روایت سے بہت الگ اور بہت برتر ہے۔

انھوں نے اسے ستر سال کی ضعیف العمری میں ۷۱۹ھ میں مرتب کیا، اس عمر میں ان کی یہ حاضر دماغی اور طباعی حیرت انگیز ہے جیسا کہ انھوں نے لکھا ہے کہ اعجاز خسروی کے ذریعے وہ عربی و فارسی انشا پردازی کا حسین

---

(۱) امیر خسرو: ڈاکٹر وحید مرزا ص ۲۹۹ - ۳۰۰

Marfat.com

امتزاج اور خوشنما سنگم پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ ہندوستانی روایات کو بھی شامل کرنا چاہتے ہیں۔

اس طرح ان کا یہ ادبی کارنامہ ایک تہذیبی کارنامہ بھی ہے جس کے ذریعے انھوں نے ہند۔ اسلامی تہذیب کی داغ بیل ڈالی اور بین الاقوامی مفاہمت و مصالحت کی راہ ہموار کی۔

اعجاز خسروی ۵ حصوں میں اور قریب ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اس میں انھوں نے تحریر و انشاء کے نئے نئے اسالیب بتائے اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق اس کے آداب و اطوار بیان کیے اس طرح انھوں نے ایک مثالی و مہذب معاشرے کے تہذیبی و ثقافتی اصول و ضوابط اور اقدار و معیار کا ایک نقشہ پیش کر دیا۔

ڈاکٹر وحید مرزا اس کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"اس کتاب کی تالیف کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ مرصع و مزین نثر کے نمونے پیش کیے جائیں اور مختلف قسم کے صنایع و بدایع کے استعمال کو واضح کیا جائے اور اس طرح اگر ایک طرف یہ کتاب خسرو کا سکہ اقلیم نثر میں بھی اسی طرح رواں ہونا ثابت کرتی ہے جس طرح مملکتِ نظم میں، تو دوسری طرف اس زمانہ کے شوقین طبع کاتبوں اور نثر نویسوں کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ اور معیار بھی مہیا کرتی ہے۔ سچ ہے کہ آج ۶ سو سال بعد شاید بہت کم لوگوں میں اتنی ہمت اور اس قدر استقلال ہوگا کہ وہ اس کتاب کی بغور ورق گردانی بھی کر سکیں اس کے نکات اور مطالب کو سمجھنا یا ان سے مستفید ہونا تو بڑی بات ہے" (۱)

---

(۱) امیر خسرو: ص ۳۰۲، ۳۰۳

Marfat.com

کتاب کے پہلے دونوں حصوں میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق چیزوں کی مناسبات اور انکی رعایت ملحوظ رکھنے پر زور دیا گیا ہے اور صنعت ایہام وتخیل کے تحت رعایت لفظی ومعنوی، تجنیس واستعارہ سے کام لیا گیا ہے۔ ان میں فارسی وعربی میں نمونے کے خطوط بھی لکھے گئے ہیں، پوری کتاب میں عربی فارسی اشعار اس کثرت سے لکھے ہیں کہ کتاب نظم ونثر دونوں کا مجموعہ بن گئی ہے۔ انسانی زندگی میں عام طور پر کام آنے والی اشیا ہواقع کی مناسبت سے عربی وفارسی اشعار موزوں کرنا انتہائی بیدار مغزی اور روشن دماغی کی دلیل ہے۔

تیسرا حصہ صنائع وبدائع پر ہے اور اس میں بہت سی صنعتیں پیچیدہ بھی ہیں جو خود امیر خسرو کی ایجاد ہیں۔

چوتھے پانچویں حصے میں خسرو نے اپنے خطوط درج کیے ہیں جو انھوں نے اپنے معاصرین کو لکھے تھے ان سب سے مختلف علوم وفنون کے علاوہ اس زمانے کے علمی وتہذیبی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور تاریخی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ کتاب کے شروع میں فارسی کے رواج کے سبب اپنے عربی اشعار کے لیے معذرت کی ہے کہ ان کی نشو ونما عربی ادبیات کے زیر سایہ ہوئی ہے اور ابیوردی، کعب بن زہیرؓ، اور ابو تمام سے وہ بہت متاثر رہے ہیں (۱) اس کے ساتھ انھوں نے وضاحت کی ہے کہ کتاب کے تمام اشعار خود ان کے ہیں (۲)

اس مجموعے کے عربی اشعار اور عربی نثر چونکہ بطور نمونہ لکھی گئی ہے

---

(۱) اعجاز خسروی ۱/ ۳۷ (لکھنؤ ۱۸۷۶ء) (۲) ۱/ ۷۸

Marfat.com

اس لیے اس میں کچھ تکلف کا احساس ہوتا ہے مگر یہ تکلف و تصنع بھی اور وہ بھی اس کثرت کے ساتھ کس کے بس کی بات ہے؟ ان میں بھی بعض بعض اشعار بہت اچھے اور بے ساختہ ہیں، اس کتاب میں عربی اشعار کی تعداد ڈاکٹر محمد علی خاں صاحب کے بقول ۶۶۷ ہے، وہ لکھتے ہیں

"فارسی کے مقابلہ میں ان کا عربی کلام بہت کم ہے مگر عربی شعر کہنے پر ان کو پوری قدرت حاصل تھی... انھوں نے عربی قصیدے بھی لکھے ہیں" (۱)

ڈاکٹر زبید احمد صاحب لکھتے ہیں:

"یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی ہے لیکن فن بلاغت اور اسلوب بیان سے متعلق اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تمام مثالیں جو بالکل نئی بھی ہیں عربی میں ہیں، امیر خسرو بہت سے ادبی محاسن، اسلوب بیان اور صنعت لفظی کے موجد ہیں" (۲)

مولانا سید عبد الحی صاحب حسنی خسرو کی عربیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"امیر خسرو کی فارسی میں قابلیت کی شہرت ہے، یہ عربی کے بھی ماہر ادیب تھے اور عربی کے جملہ علوم و فنون پر نظر رکھتے تھے مثلاً نحو، معانی، بیان، عروض و قافیہ میں انھوں نے نئے قسم کا اضافہ کیا عربی میں ان کے بڑے لطیف اشعار ہیں" (۳)

---

(۱) معارف (جولائی ۱۹۶۸ء)

(۲) عربی ادبیات (اردو): زبید احمد ص ۲۰۹

(۳) الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند للسید عبد الحی الحسنی ص ۴۴ (دمشق ۱۹۸۳ء)

Marfat.com

مولانا عبدالحی صاحب نے نمونہ کے طور پر ان کا یہ قطعہ درج کیا ہے:

ذاب الفواد وسال من عینی الدم　　وحکی الدوامع کل ما أنا أکتم
واذا أبحت لدی الوری کرب النوی　　تبکی الأحبة والأعادی ترحم
یا عاذل العشاق دعنی باکیا　　ان السکون علی المحب محرّم
من بات مثلی فهو یدری حالتی　　طول اللیالی کیف بات متیم (۱)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خسرو کا منتخب عربی کلام، سادگی و شگفتگی سلاست وحلاوت اور عمدگی و برجستگی کا کیا اچھا نمونہ ہے جو عربی ادب کے سی بھی اچھے انتخاب میں جگہ پا سکتا ہے۔

دوسرا نمونہ ڈاکٹر زبید احمد نے درج کیا ہے جو علاء الدین خلجی کی مدح یں ہے۔ جو قصائد متنبی کی یاد دلاتا ہے:

فی مهجتی سکنت محبتها کما　　مدح الملیک المستعان الأعظم
أعنی علاء الدین سلطان الوری　　ملکا تولد من سلالة آدم
عین الحیا بل عینه عین الحیا　　یم الندی بل کفه عین الیم
من جوده الفیاض قد یحکی اذا　　لعب الغراب علی رمیم الحاتم
ما کان یعطش سیفه بقرابه　　الا ویسقی من کووس جماجم
رشح لمدحتك العلیة خسروا　　بالشعر لیس کمثله فی العالم
کن بالخلود علی الارائك ماعدا　　فانا اخصك بالبقاء الدائم (۲)

اعجاز خسروی ان کے عربی کلام خصوصاً مفرد اشعار کا بڑا مجموعہ ہے جس میں ہر طرح اور ہر سطح کے اشعار ملتے ہیں اس کی ابتدا وہ ان اشعار سے کرتے ہیں:

---

(۱) نزھۃ الخواطر ۲/۴۰ (۲) عربی ادبیات ص ۲۳۶

Marfat.com

هذا الکتاب بفضل اللہ ذی الکرم — انشأت سحر الصید الجن والنسم
فاللہ نوّر أعیان الکرام بہ — مالاح حرف علی القرطاس من قلم (١)

مرشد کی مدح میں یہ دو شعر بھی ہیں ؎

نظم اللہ أمرہ حتی — امرنا من نظامہ انتظما
اذ کان یبسط کفہ فی دعوۃ — ملک الاجابۃ عاجلا یستقبل (٢)

متفرق اشعار کا نمونہ یہ ہے ؎

نقع علی ذیل تملکہ شعاری — خیر لذی من العبیر المستعار (٣)
خذ ما کتبت بجد لو ترید تری — سحرا حلالا علی القرطاس بالقلم (٤)
ضیاء الشمس لا یخفی بحال — ولو کان التراکم فی السحاب (٥)
لو کان اکتب حال البین فی ورق — عین الدماء من الاقلام ینفجر (٦)

صنعت ترجمۃ اللفظ کی مثال ؎

اذا دعا لعطایاک انجمانادی — غدا النجوم کما فی مسرۃ شادی (ایک جگہ) (٧)

امیر خسرو "اعجاز خسروی" کے دیباچہ میں عربیت کی داد اس طرح دیتے ہیں:

"الحمد للہ الذی خلق القلم للرقم وخلق النسم لرقم القلم وأجری قلمہ علی الخلق بالحکم والحِکم وجعل القلم علما للعلم فی العالم کما قال عز وجل علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم، والصلوٰۃ علی الرسول المرسل الأمی الذی انزل الیہ الکتاب وبری بہ اللوح والقلم بما یصدر منہما الصدق

---

(١) اعجاز خسروی ص ١/٢ (٢) ایضاً ص ١/١١٠ (٣) ایضاً ص ١/٧٨ (٤) ایضاً ١/٨٢ (٥) ایضاً ٢/٧٥ (٦) ایضاً ٢/٢٢٣ (٧) ایضاً ٣/٧٨

Marfat.com

والصواب وعلیٰ آلہ وأصحابہ ذوی الفضل والآداب ثبتنا
اللہ علی اتباعھم للنجاۃ یوم الحساب"۔ (۱)

سلطان علاء الدین خلجی کی مدح اس طرح کرتے ہیں جو بلاغت کا
ایک نمونہ بن گیا ہے:

"وھو السلطان القادر القامع القاھر، البرھان الباھر
الظاھر الزاھر، کاسر أعناق المعاندین، مالک رقاب
صنادید الشرق والصین، باسط المسند العلی أعلی علیین
علاء الدنیا والدین، شمس الخلفاء والسلاطین، ظل اللہ
علی العالمین، فلک المعالی قطب الأعالی، محیط الربع المسکون
بدائرۃ الجنود، محرق عظام الکفرۃ بنائرۃ السیف فی الحدود،
رافع ایوان الملک علی قصر القیاصرۃ، ناصب أعلام الفتح
بکسر الأکاسرۃ، صوارمہ مشھودۃ الآفاق وعوارفہ
معروفۃ بضمان الأرزاق، أمر طوائف الانسان بامر خالق
الروح والجان، حامی الأمۃ المحمدیۃ من طوارق الحدثان،
ابو المظفر محمد شاہ السلطان المنصور من خیر الناصرین
بالفتح المبین ناصر أمیر المومنین۔

یدعوا البرایا مد ظل محمدؐ وعداہ تعدم مثل ظل محمدؐ (۲)

صفی الدین ارموی شافعی

فقہ و کلام کے بڑے صاحب تصانیف

---

(۱) اعجاز خسروی ۱/۲ (لکھنؤ ۱۸۷۶ء) (۲) ایضاً ص ۱۳-۱۴

Marfat.com

علماء میں تھے ان کے علوئے مرتبت اور علمی بلندی کا کچھ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے علامہ ابن تیمیہؒ جیسے آدمی سے مناظرہ کیا تذکروں میں آپ کے زیادہ حالات نہیں ملتے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں

"ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحیم بن محمد ارموی شافعی متکلم، ہندستان میں ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے صاحب علم نانا سے تعلیم پائی اور پھر دہلی سے ۶۶۷ھ میں مکہ مکرمہ جا کر حج کیا اور چند ماہ وہیں مقیم رہے پھر یمن آئے تو وہاں کے بادشاہ مظفر نے ان کا اکرام کیا اور انھیں چار سو دینار دیے پھر وہاں سے مصر آئے اور ۴ سال رہے، پھر انطاکیہ ہوتے ہوئے روم گئے اور قونیہ میں ۱۱ سال، سیواس میں ۵ سال، اور قیاریہ میں ایک سال رہے اور قاضی سراج الدین سے ملاقات پر انھوں نے ان کا اکرام کیا پھر ۶۸۵ھ میں دمشق آئے اور اسے وطن بنالیا اور مدارس رواحیہ، دولعیہ، ظاہریہ، آمابکیہ میں استاذ رہے اور اصول وکلام میں کتابیں لکھیں، اور افتاء میں بھی مشغول رہے، اپنی کتابیں دارالحدیث اشرفیہ کو ہدیہ کردی تھیں کہ حسن سلوک ان کی سرشت میں تھا۔ سہ شنبہ ۱۹ صفر (۷۱۵ھ) میں وفات پائی اور مقابر صوفیہ میں دفن ہوئے، مرتے وقت صرف ظاہریہ سے تعلق تھا جہاں آپ کی وفات ہوئی، ان کے بعد ابن الزملکانی استاذ ہوئے اور ابن صصری نے آمابکیہ کا درس سنبھالا۔"(۱)

ابن حجر انھیں فقیہہ شافعی واصولی کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے دمشق میں فخر بن البخاری سے سماعت کی اور

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۱۴/۷۵ (مصر ۱۳۵۸ھ)

Marfat.com

دیانتداری کے ساتھ فتوی دیا اور فقراء کی خبر گیری کی، اصول دین میں الفائق، اور اصول فقہ میں النہایۃ لکھیں اور جب ابن تیمیہ کے لیے ایک مجلس برپا ہوئی تو صفی الدین ان سے مناظرہ کے لیے منتخب ہوئے، اثنائے بحث میں انھوں نے ابن تیمیہ سے کہا کہ

أنت مثل العصفور تنط من هنا الی هنا ومن هنا الی هنا

(آپ گوریے کی طرح کہیں ٹھہرتے نہیں بلکہ یہاں سے وہاں اچکتے پھرتے ہیں)

ذہبی کہتے ہیں کہ ان میں دینداری وعبادت گزاری تھی اوراوراد و وظائف کے پابند اور مذہب سلف کے مطابق خوش عقیدہ تھے، آخر صفر ۷۱۵ھ میں انتقال کیا۔" (۱)

علامہ سبکی کہتے ہیں کہ "ان سے ہمارے شیخ علامہ ذہبی نے روایت کی ہے، ... ان کی تصانیف عمدہ اور جامع ہیں خصوصاً النہایۃ

ابن تیمیہ سے مسئلہ حمویہ کے بارے میں امیر تنکز کے سامنے دارالسعادۃ میں مناظرہ ہوا جس میں علماء جمع ہوئے اور ان کی فرمائش پر شیخ ہندی بھی حاضر ہوئے، وہ بڑے مقرر تھے اور تقریر میں کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتے تھے جس سے ان کا مقابلہ مشکل تھا، انھوں نے تقریر شروع کی تو ابن تیمیہ عادت کے مطابق جلد بازی سے کام لینے لگے اس پر شیخ ہندی نے ان سے شکایت کی کہ آپ تو گوریے کی طرح ادھر سے ادھر پھدکتے پھر رہے ہیں اور پکڑ میں نہیں آتے، امیر تنکز شیخ ہندی کی تعظیم کرتا تھا اور ان کا معتقد تھا۔ شیخ ہندی تمام حاضرین کے لیے قابل احترام تھے

---

(۱) الدرر الکامنۃ ۴/۱۴، ۱۵ (حیدرآباد، ۱۳۴۹ھ)

Marfat.com

جنھوں نے ابن تیمیہ کی رائے سے اختلاف کیا اور ابن تیمیہ ذاتِ باری کی جہت کے مسئلے میں قید کیے گئے اور شہروں میں اس کی منادی کردی گئی جس کے سبب ان کے ماننے والے عہدوں سے معزول کر دیے گئے"(۱) یہ مناظرہ، رجب ۷۱۲ھ میں ہوا تھا۔

مولانا گیلانی نے اپنے مخصوص انداز میں اس مناظرہ کی روداد لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"ابن تیمیہ کے خلیفہ، ارشد حافظ ابن قیم کے عقلی معلومات کا سرچشمہ بھی یہی بے چارہ ہندستانی عالم ہے۔ ابن حجر نے درر میں ابن قیم کا تذکرہ درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرأ فی الاصول علی الصفی الہندی (۳/۴۰۱) الاصول سے عقلی اسلامی علوم مراد ہیں یعنی اصول فقہ اور علم کلام، مشہور فلسفی مؤرخ جب ٹیونس سے پہلی مرتبہ مصر پہنچا ہے تو قاہرہ کی شان و شوکت، علماء و فضلاء کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا، اسی سلسلے میں اس نے قاہرہ کے چند خاص مرکزی مشاہیر کا بھی نام لیا ہے جن میں ہم ایک الصفی الہندی کو بھی پاتے ہیں"(۲)

ان کی کتابوں میں الفائق فی أصول الدین اور الرسالۃ التسعینیۃ فی الاصول الدینیۃ کا ذکر بروکلمن نے کیا ہے (۳)

---

(۱) طبقات الشافعیہ ۵/۲۴۰ بحوالہ نزہۃ الخواطر ۲/۱۴۰، نیز معجم المولفین: عمر رضا کحالہ ۱۰/۱۶۱ (مکتبہ المثنی، بغداد) التاج المکلل ۳۰۲

(۲) نظام تعلیم و تربیت ۱/۳۴۴ (۳) تکملہ ۲/۱۴۳ بحوالہ تاریخ ادبیات ۲/۱۵۶

Marfat.com

زبید احمد صاحب نا معلوم مخطوطات میں ان کی کتاب الوصول الی علم الاصول کو بھی شمار کرتے ہیں (۱) خدا بخش لائبریری پٹنہ کی فہرست میں اس کا نام نہایۃ الوصول الی علم الاصول بتایا گیا ہے (۲) حاجی خلیفہ نے الزبدہ فی علم الکلام کا ذکر کیا ہے (۳)

پروفیسر نظامی صاحب نہایۃ الوصول اور الفقہ فی اصول الدین کو نایاب بتاتے ہیں (۴) یہ الفقہ دراصل الفائق ہے۔

---

(۱) عربی ادبیات ۲۹۳ (۲) فہرست بانکی پور لائبریری ۲۱/ ۱۵۶
(۳) کشف الظنون ۲/ ۶ (۴) Some Aspects of Religion: P. 266

Marfat.com

باب (۷)

(عربی ادب عہد تغلق میں)

(۷۲۰-۸۱۵ھ/۱۳۲۰-۱۴۱۴ء)

مبارک خلجی کو اس کے نو مسلم امیر خسرو خاں نے قتل کر کے دہلی سلطنت کی روایات اور دینداری کو ختم کر کے غیر اسلامی رسم و رواج کو فروغ دینا شروع کیا جس کے نتیجے میں اندیشہ پیدا ہو گیا کہ ہندوستان سے اسلامی حکومت کا کہیں خاتمہ نہ ہو جائے

نظامی صاحب لکھتے ہیں کہ " مورخوں کا بیان ہے کہ خسرو خاں نے تخت نشینی کے بعد اہانتِ اسلام پر کمر باندھ لی تھی، برنی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ دہلی پھر ہندوانہ ہو جائے گی اور مسلمانی وہاں سے ختم ہو جائے گی،، (۱)

خسرو خاں نے خلجی خاندان کا قتل عام بھی کیا تھا کہ کوئی حکومت کا دعویدار نہ رہے پھر عام طور پر ظلم و ستم اور اضطراب و انتشار کا بازار گرم تھا.

---

(۱) سلاطین دہلی ۳-۳۰۳

اور عوام و خواص پریشان تھے۔ اس صورت حال میں غازی ملک حاکم ملتان (جو بعد میں غیاث الدین تغلق کے نام سے حکمراں ہوا) کو اللہ نے توفیق دی اور اسنے حالات کی اصلاح اور سلطنت کے استحکام کے لیے کمر ہمت باندھی اور خسرو خاں سے بڑے معرکہ کے بعد یکم شعبان ۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء کو دہلی سلطنت کے تخت پر بیٹھا اور اس طرح مسلم حکومت کی گرتی دیوار کو ایک بار پھر مستحکم کر دیا۔

وہ بڑے دبدبے کا فوجی جنرل رہ چکا تھا، علاء الدین کے زمانے میں اس نے ۲۹ بار مغلوں کو شکست دے کر ہندستان کی حفاظت کی تھی، بادشاہ ہونے کے بعد اس کی رعایا پروری، دینداری اور علم دوستی میں اور اضافہ ہو گیا۔ مشائخ میں شیخ علاء الدین اجودھنی (خلیفہ شکر گنج رح) شیخ رکن الدین ملتانی رح، اور بو علی قلندر پانی پتی رح سے اسے عقیدت تھی البتہ مبارک خلجی کی عطا کردہ رقم کی عدم واپسی اور مسئلہ سماع پر مناظرہ وغیرہ کی وجہ سے وہ حضرت نظام الدین رح سے کشیدہ رہا۔ برنی کے بیان کے مطابق وہ ہر اہم موقع پر علماء، فقہاء، اور اساتذہ کو جمع کر کے اپنے سامنے انعام دیتا تھا (۱) افسوس کہ ایسا لائق بادشاہ ۴½ سال حکومت کے بعد ہی ۷۲۵ھ میں ایک حادثہ میں فوت ہو گیا۔

محمد تغلق (۷۲۵ - ۷۵۲ھ) فقہ و معقولات کا عالم، علماء کا قدرداں مگر سخت گیر اور جدت پسند بادشاہ تھا کہا جاتا ہے کہ وہ حافظ قرآن تھا اور ھدایہ اسے ازبر تھی اور معقولی عالم عضد الدین دہلوی کا شاگرد تھا

---

(۱) سلاطین دہلی ۳۱۴ بحوالہ فیروز شاہی

Marfat.com

اور علم الدین شیرازی، سعد منطقی وغیرہ اہل علم سے علمی مذاکرے کرتا رہتا تھا مگر اپنے آمرانہ اور شاہانہ مزاج اور اپنی معقول پسندی کی انتہا کے سبب وہ علماء و مشائخ کے لیے متکبرانہ رویہ اختیار کر کے نامعقولیت کا بھی مرتکب ہو جاتا تھا۔ اگرچہ اس کے بارے میں ہندستانی مؤرخین پر پورا اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اکثر عرب مورخین اس کی تعریف ہی کرتے ہیں مثلاً محمد تغلق کا معاصر مؤرخ ابن فضل اللہ عمری (۷۰۰ - ۷۴۹ھ) نے اپنی کتاب مسالک الأبصار میں لکھا ہے کہ:

"بادشاہ میں بہت سی خوبیاں ہیں، قرآن اور ہدایہ جو فقہ حنفی میں ہے اس کو ازبر یاد ہے، معقولات میں بھی نہایت اچھی دستگاہ رکھتا ہے، خط پاکیزہ ہے، اس نے جسمانی، روحانی اور ادبی ریاضت بھی خوب کی ہے، شعر کہتا ہے اور شعر سنانے کی فرمایش بھی کرتا ہے، اشعار کے مطالب و معانی خوب سمجھتا ہے، علماء فضلاء سے بحث و مناظرہ کرتا ہے، شعراء اور بالخصوص فارسی شعراء کی غلطیاں پکڑتا ہے جس کی وجہ سے اس کی فارسی مہارت اور زبان دانی ہے ..... ابوصفا شبلی (کہتے ہیں) میں نے سلطان کو سب عالموں سے گو کہ ان کی تعداد بہت تھی فرداً فرداً باتیں کرتے دیکھا، بہت سے عالم اس کے دربار سے منسلک ہیں۔" (۱)

(ترجمہ از ڈاکٹر فاروق)

عمری انھیں مستند راوی سراج ہندی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) صنوء جدید علی تاریخ الھند: ڈاکٹر خورشید احمد فارقی ص ۳۸، ۳۹، (دہلی ۱۹۶۱ء)

Marfat.com

"یہ سلطان شریعت کا پابند ہے اور اہل علم کی قدر کرتا ہے، اس کی حکومت میں علماء کا احترام کیا جاتا ہے اور وہ اپنا وقار اور بھرم قائم رکھنے کے لیے ظاہر و باطن کی اصلاح کا بے انتہا خیال رکھتے ہیں الخ" (۱)

قلقشندی نے لکھا ہے کہ دو سو فقیہ سلطان کے دسترخوان پر موجود ہوتے تھے، دورانِ طعام میں وہ ان سے تبادلۂ خیالات کرتا رہتا تھا.... صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے ان میں سے ایک شافعی مذہب کا تھا باقی سب حنفیوں کے تھے۔ ۱۷۰ اسپتال، اور ہندستان میں دو ہزار خانقاہیں بڑے بازار اور بڑے حمام تھے (۲)

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "محدث و فقیہ مولانا عبدالعزیز اردبیلی جنھوں نے ابن تیمیہ، المزی، اور الذہبی سے تعلیم پائی تھی، بادشاہ کے پاس آئے تو اس نے بہت اکرام کیا" (۳)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں "محمد بن تغلق بہت فیاض، متواضع اور عالم آدمی تھا ہدایہ اسے حفظ تھی اور حکمت سے واقف تھا، کسی نے اسے یاقوت کی لکھی ہوئی الشفا لابن سینا پیش کی تو اسے ایک لاکھ مثقال یا اس سے زیادہ دیا.... اس کی خدمت میں اتنے اطباء، حکماء، ندماء و علماء اور مغنی جمع ہو گئے تھے جو کسی اور کے پاس نہ ہو سکے تھے، اسے ہندستان کے ممبروں پر سلطان العالم، اسکندر الزمان اور خلیفۃ اللہ فی الأرض کہا جاتا تھا" (۴)

---

(۱) ضوء جدید علی تاریخ الہند: ڈاکٹر خورشید احمد فارق ص ۴۷ (۲) صبح الاعشیٰ فی کتابۃ الانشاء: ۵/۶۹ (قاہرہ، ۱۹۱۴ء) (۳) رحلۃ ابن بطوطہ ۲/۴۲
(۴) الدرر الکامنۃ ۳/۴۶۰، ۴۶۱

Marfat.com

نہاوندی کا بیان ہے کہ "وہ عجائب مخلوقات میں اور جامع ایجادات تھا کبھی سکندر کی طرح ہفت اقلیم کی فتح کا ارادہ کرتا، کبھی چاہتا کہ جن وانس اس کی اطاعت سے باہر نہ ہوں، کبھی سلطنت کو نبوت کے ساتھ جمع کرنے کی تمنا کرتا کہ احکام شرعی و ملکی کو خود نافذ کرے الخ" (۱)

شیخ محمد اکرام عہد محمد تغلق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس زمانے کی کئی ہستیاں قابل ذکر ہیں مثلاً برنی، ابن بطوطہ، فخر الدین (جو فن تعمیر کا ماہر تھا) شہاب الدین ابو العباس احمد (جو فن خطابت میں بے نظیر تھا) مشہور ترین شاعر اور ملک الشعراء بدر چاچ تھا، قصائد کے علاوہ بدر نے ایک مثنوی شاہنامہ لکھی" (۲)

فیروز شاہ تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ/۱۳۵۱-۱۳۸۸ء)

فیروز شاہ کا قریب ۴۰ سالہ دور حکومت ہندستان کے لیے بڑی خیر و برکت، خوشحالی و فارغ البالی اور تہذیبی و تمدنی ترقی کا تھا مورخین اس کے عہد کو مثالی عہد قرار دیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس نے ۵۰ نہریں جاری کیں، ۴۰ مسجدیں، ۲۰ خانقاہیں، ۱۰۰ محلات، ۵۰ ہسپتال، ۱۰۰ مقبرے ۱۰ حمام، ۱۰۰ پل، اور ۱۵۰ کنویں تعمیر کرائے اور باغ تو ہزاروں کی تعداد میں لگوا کر ہندستان کے ہر مشہور مقام کو رشک گلزار بنا دیا۔۔۔۔

نگر کوٹ کی فتح میں اسے ۱۳۰۰ سنسکرت کی کتابیں ملیں جنھیں اس نے فارسی میں ترجمہ کا حکم دیا، اس نے سیاسیات پر خود ایک کتاب لکھی تھی

---

(۱) مآثر رحیمی ۱/۴۵ ۳ (۲) آب کوثر ۴۲۳

Marfat.com

اور جگہ جگہ اس کے کتبات لگائے تھے"(۱)

شیخ اکرام عہد فیروزی کے بارے میں لکھتے ہیں "فیروز آبادی اسی زمانے میں ہندستان آئے، عہد فیروزی کے تین اور قابل ذکر بزرگ مولانا احمد تھانیسری قاضی شہاب الدین کے استاذ مولانا خواجگی، اور قاضی عبد المقتدر تھے، مشائخ میں سب سے زیادہ مشہور چراغ دہلیؒ تھے، شیخ صدر الدین ملتانی اس دور کے بڑے شیخ تھے انھیں بادشاہ نے شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا اس زمانے کا بہترین شاعر مطہر تھا وہ کڑا کا رہنے والا تھا، اس کے ممدوحوں میں ایک امیر ملک الشرق عین الملک تھا جس کی انشائے ماہر و مشہور رہے مطہر خود ایک عالم تھا اور اس کا نصاب نصیب اخوان" جو ۷۷۶ھ میں تالیف ہوا، ہندستان میں بہت مقبول رہا ہے" (۲)

معاصر مؤرخ شمس سراج عفیف شہادت دیتا ہے کہ "فیروز شاہ اگرچہ فرمانروا تھا لیکن در حقیقت اپنے علم و تفوق کے اعتبار سے اولیاء و علماء کے گروہ میں داخل تھا بادشاہ بے حد لشکر نواز اور رعیت پرور تھا اور خلق محمدی سے مستفید و فیاض تھا ....

میرے مرشد کے پیر حضرت خواجہ قطب الدین منور نے بارہا اس بارے میں فرمایا ہے کہ سلطان فیروز شاہ زمرۂ مشائخ طریقت میں داخل ہے .... بادشاہ نے علماء و مشائخ و صالحین کو ۳۶ لاکھ تنکے بطور مدد معاش عطا فرمائے تھے" (۳)

---

(۱) نزہتہ الخواطر ۲/ ۱۱۲ ــ ۱۱۱ (۲) آب کوثر ۳۱ ــ ۳۰ ۴ھ (۳) تاریخ فیروز شاہی (اردو) از فدا علی طالب ص ۱۷، ۱۹، ۱۲۹ (حیدرآباد، ۱۹۳۸ء)

عفیف نے لکھا ہے کہ "فیروز شاہ کے آخری دنوں کی دلچسپیاں تین چیزوں میں تھیں، قیدیوں کی آزادی، مساجد کی آبادی، اور مظلوموں کی دادرسی" (۱)

علماء و فقہاء، اور دوسرے اصحابِ فضل و کمال کو گرانقدر وظائف کے ساتھ فیروز شاہ نے بہت سے مدارس قائم کرائے اور تعلیمی نظام و نصاب میں بہت وسعت پیدا کی نظامی صاحب لکھتے ہیں:

"نظام الدین بخشی اور فرشتہ نے اس کے قائم کیے ہوئے مدارس کی تعداد تیس بتائی ہے، ان مدرسوں میں مدرسہ فیروز شاہی، مدرسہ سیری، اور مدرسہ شاہزادہ بزرگ فتح خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مدرسہ فیروز شاہی اس دور کا سب سے زیادہ اہم تعلیمی مرکز تھا، حوض خاص کے کنارے ایک خوشنما باغ کے صحن میں مدرسہ کی دو منزلہ عمارت تھی، شیراز اور دمشق کے قالین ہر طرف بچھے ہوئے تھے، مدرسہ کے پرنسپل مولانا جلال الدین رومی اپنے زمانے کے مشہور عالموں میں شمار ہوتے تھے ان کے علمی تبحر کا یہ حال تھا کہ

~ راوی ہفت قرأت سند چاردہ علم — شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چار

اساتذہ مصری دستار اور شامی جبہ استعمال کرتے تھے، طلبہ کو اخراجات کے لیے خزانہ سے مالی مدد ملتی تھی" (۲)

مطہر نے حوض علائی کے مدرسے کے متعلق جو لکھا ہے اس سے اس زمانہ کے علماء کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے:

عالمانِ عربی لفظ و عراقی دانش — ہمہ در جبۂ شامی و بمصری دستار

---

(۱) تاریخ فیروز شاہی ۵۰۹ کلکتہ ۱۸۹۱ء (۲) سلاطین دہلی ۴۲۹ھ۔

Marfat.com

در فقاہت بہ بخارا و سمرقند نشاں — در بلاغت بہ حجاز و یمن و نجد منار
گفتم ایں عالم آفاق جلال الدین است — رومی آں کز نشیں رہ کند در دم فنجار (۱)

ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں:- "فیروز تغلق کا شمار ہند کے سب سے زیادہ دیندار مسلمان بادشاہوں میں ہوتا ہے اور وہ بھی بڑا عالم اور علم کا قدردان وسرپرست تھا، اس کے عہد میں کئی مشہور مصنف ہوئے جنھوں نے زیادہ تر فقہ پر کتابیں لکھیں،، (۲) بہر حال پروفیسر نظامی نے فیروز شاہ کی عام مذہبی شہرت کے خلاف بھی شواہد پیش کیے ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے محمد تغلق کے مقابلے میں اپنے رویے میں اعتدال قائم رکھا۔

دبستان نظام الدین اولیاءؒ:

حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے علمی و عملی کارناموں کی ابتدا عہد بلبن سے ہو کر عہد خلجی اور پھر عہد غیاث الدین تغلق تک پہونچتی ہے۔ پھر عہدِ تغلق سے لے کر دہلی سلطنت کے خاتمے تک حضرت چراغِ دہلی کے تلامذہ و خلفاء کے ذریعے دبستانِ نظام الدینؒ کے محسوس اثرات موجود تھے اس لیے اس دور کو بھی عہد نظامی ہی کی توسیع سمجھنا چاہیے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی ذات بابرکات اپنے علمی و عملی امتیازات

(۱) آب کوثر ۳۴۲ (۲) عربی ادبیات ۱۶

Marfat.com

وکمالات اور دیرپا اور دور رس اثرات کے لحاظ سے سلسلۂ چشتیہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، خصوصاً اس کا علمی پہلو اور عربی و فارسی میں تصوف کی خدمت واشاعت بہت ہی قابل قدر اور لائق استفادہ ہے۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے اپنے خلفاء کے ذریعے جس طرح سلسلہ کو ہندستان گیر بنایا تھا اسے حضرت چراغ دہلیؒ نے اور فروغ دیا اور ان کے خلفاء اور تلامذہ نے اس کو علم وادب کی آب وتاب بھی عطا کی۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

"فیروز تغلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندستان کو جو فیوض وبرکات پہنچے اس میں حضرت سید نصیر الدین ہی کا ہاتھ تھا۔ ۳۲ سال تک انھوں نے سلسلۂ چشتیہ کا مرکزی نظام دارالحکومت دہلی میں بیٹھ کر کامیابی کے ساتھ چلایا، پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا جس نے جنوبی ہند ہی نہیں سارے ہندستان کو عشق ومحبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے معطر کر دیا۔ یعنی حضرت سید محمد گیسو دراز مدفون گلبرگہ (م ۸۲۵ھ) حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرے خلیفۂ علامہ کمال الدین (م ۷۵۶ھ) تھے جن کی اولاد اور خلفاء نے اس سلسلہ کو اس صدی تک آب وتاب کے ساتھ قائم رکھا، اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ مدنی، شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مولانا شاہ فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی، شاہ نیاز احمد بریلوی، اور خواجہ سلیمان تونسوی جیسے اکابر روزگار گذرے، جنھوں نے عشق الٰہی کا بازار گرم رکھا اور لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں میں محبت الٰہی اور خدا طلبی کی آگ بھر دی۔ حضرت چراغ دہلیؒ کے خلفاء میں شیخ عبدالمقتدر کندی، شیخ احمد تھانیسری، شیخ جلال الدین حسین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں

Marfat.com

جہاں گشت، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان میں ہر ایک شیخ وقت تھا اور مرجع خلائق "(۱)

نظامی صاحب نے بھی ان الفاظ میں حضرت چراغِ دہلی کے کارنامے کا تعین کیا ہے:

"حضرت نظام الدین کے بعد چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کو حضرت نصیر الدین نے سنبھالا، ان میں اپنے پیر و مرشد کی بہت سی خوبیاں تھیں ..... کوئی جفا و قفا ایسی نہ تھی جس سے انھیں دوچار ہونا نہ پڑا ہو، لیکن ان کی زبان پر کبھی حرف شکایت نہ آیا اور ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش پیدا نہ ہوئی، حضرت چراغِ دہلوی کو اپنے سلسلہ کا کام انتہائی نامساعد حالات میں کرنا پڑا" (۲)

فرشتہ لکھتا ہے "شیخ نصیر الدین اودھی شیخ نظام الدین اولیاء کے قائم مقام اور جانشیں تھے، علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور اخلاق حسنہ سے موصوف تھے ..... مخدوم جہانیاں سید جلال نے مکہ میں عبداللہ یافعیؒ کی زبان سے سنا کہ مشائخ ہند میں اب چراغ دہلی رہ گئے ہیں" (۳)

شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں کہ "شیخ نصیر الدین، شیخ نظام الدین کے مشہور اور بڑے خلفاء میں تھے اور ان کے محرم اسرار اور وارث احوال تھے، شیخ نظام الدین کے بعد دہلی کے صاحب ولایت تھے اور آپ شیخ کے بغایت متبع تھے، اور ان کا طریقہ فقر و صبر اور تسلیم و رضا تھا" (۴)

---

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت ۳/ ۱۵۱ (۲) تاریخ مشائخ چشت ۱۸۱، ۱۸۲ (دہلی) (۳) تاریخ فرشتہ ۲/ ۳۹۸، ۳۹۹ (۴) اخبار الاخیار ۷۸

آپ کی تعلیم جید اساتذہ سے ہوئی تھی جن میں مولانا عبدالکریم شروانی، افتخار الدین گیلانی بھی ہیں، ھدایہ مولانا فخرالدین ہانسوی سے اور اصول بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھی، حضرت نظام الدین کے خلیفہ اور فاضل زمانہ مولانا شمس الدین یحییٰ سے خصوصی استفادہ کیا اور اس طرح ان کا اعتراف کیا ہے

سألت العلم من أحياك حقا فقال العلم شمس الدين يحيىٰ

حافظ محمد حسین مرادآبادی سیر العارفین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "وہ ۲۵ سالہ عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے پھر ۸ سال دشت نوردی کی اور مجاہدے کیے کہ افطار بر گ سنبھالو سے کرتے رہے، ۳۴ سالہ عمر میں دہلی آکر حضرت نظام الدینؒ کے مرید ہوئے" (۱)

آپ نے حضرت نظام الدینؒ کے زہد و تقویٰ، عزیمت و استقامت، توکل و قناعت، اور تعلیم و تربیت کے طریقے پر پوری زندگی گزاری اور اپنے انفاس قدسیہ سے اہل زمانہ کی بڑے پیمانے پر اصلاح فرمائی، اپنے مرشد ہی کی طرح صبر و ضبط اور تسلیم و رضا اور خدمتِ خلق آپ کا امتیازی شیوہ رہا، تذکروں میں ہے کہ ایک قلندر نے آپ کی خانقاہ میں گھس کر آپ کو چھری سے ۱۱ زخم لگائے مگر آپ نے اسے برداشت کیا اور مریدوں کو انتقام لینے سے منع فرماتے ہوئے اسے بیس۲۰ تنکے عطا کیے اور بہت معذرت کے ساتھ رخصت کیا، اس واقعے کے تین سال بعد ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔

آپ کی وفات کے حالات بجائے خود درس عبرت و بصیرت ہیں شیخ اکرام لکھتے ہیں:

---

(۱) انوار العارفین از محمد حسین مرادآبادی ۳۱۱، (بریلی ۱۲۹۰ھ)

"مرتے وقت آپ نے وصیت کی کہ میری تدفین کے وقت حضرت سلطان المشائخ کا خرقہ میرے سینے پر رکھدیں، میرے پیر کا عطا کردہ عصا میرے پہلو میں ہو، ان کی تسبیح، میری شہادت کی انگلی کے گرد لپیٹ دیں، ان کا کاسۂ چوبیں میرے سر کے نیچے رکھا جائے اور ان کی کھڑاویں بھی میرے ساتھ دفن کی جائیں۔

یہ چیزیں وہ تبرکات تھے جو حضرت سلطان المشائخ کو بابا فرید سے ملے تھے اور بزرگانِ چشت میں پشت در پشت منتقل ہوتے آئے تھے، یہ تبرکات تو حضرت چراغ دہلی کے ساتھ دفن ہو گئے، لیکن حضرت سید گیسودرازؒ نے اس کھاٹ کی رسیاں ہی اتار لیں، جس پر انھوں نے حضرت کو غسل دیا تھا، اور انھیں اپنے گلے کا ہار بنا کر کہا کہ میرے لیے اپنے پیر کا یہی خرقہ کافی ہے"۔(۱) ایسے ہی مواقع کے لیے شاعر نے کہا ہے ؎

لقد کانت حیاتک لی عظات　　　وأنت الیوم أوعظ منک حیاً

وقت کے بڑے شعراء نے آپ کے مرثیے لکھے، مطہر کہتا ہے ؎

جہاں بماتم خواجہ نصیر دیں محمود　　　ہزار گونہ فغاں کرد و نوحہ وزاری
بقیۂ سلف و یادگار اہل کرم　　　کہ کرد ختم خلافت بملک دینداری (۲)

طریقت و مشیخت کے سلسلے میں آپ نے جو محتاط روش اپنائی وہ بھی ان کی بصیرت اور بلند نگاہی کا ثبوت ہے، وفات کے قریب خادم نے مریدوں کی فہرست پیش کی تو آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ مولانا زین الدین ان لوگوں کو اپنے ایمان کا غم کھانا چاہیے اس کی کہاں گنجائش ہے کہ یہ لوگ دوسروں کا بوجھ اٹھائیں"۔(۳)

---

(۱) آب کوثر ۴۲۲ بحوالہ سیر العارفین، ۹۷ (۲) اخبار الاخیار ۸۴ (۳) آب کوثر ۴۲۲

Marfat.com

اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ بنوں، یہ کار طریقت بازیچۂ اطفال بن گیا ہے پھر آپ نے سنائی کا یہ شعر پڑھا۔

مسلمانان مسلمانان اسلمانی مسلمانی!! ازین آئین بے دینان پشیمانی پشیمانی

فرماتے تھے کہ "غم ایمان باید خورد و در پی کرامت نباید بود"، (اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے، کرامت کے درپے نہ ہونا چاہیئے۔ (۱)

آپ کے علم و فضل، خدا ترسی اور انداز تعلیم و تربیت کا اندازہ آپ کے مجموعہ ملفوظات "خیر المجالس" سے کیا جا سکتا ہے جسے آپ کے مرید حمید شاعر قلندر نے مرتب کیا ہے۔ اس میں جا بجا آیات و احادیث کی علمی تشریح کی گئی ہے اور عربیت کے لطائف و نکات سمجھائے گئے ہیں، مثال کے طور پر ایک بار لوگوں کے استفسار پر "جاھدوا فینا"، کی تفسیر میں فرمایا کہ "(ای لأجلنا وجاھدوا فی اللہ ای لأجل اللہ) کلمۂ فی میں شدت تعلق و اتصال ہے جو کلمۂ لام میں نہیں فی ظرف کے لیے ہے اور ظرف ہی میں مظروف ہوتا ہے اس کی وضاحت کے لیے یہ آیت پڑھی: انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب۔ فقراء و مساکین تو پیٹ بھرنے کے لیے لیتے ہیں، لیکن فک رقبہ (غلامی سے آزادی) کسی کو زندگی دینے کے مرادف ہے اور اس کی شدت و اہمیت زیادہ ہے اس لیے اس میں فی کا اور دوسرے مصارف میں لام کا استعمال کیا، یہ تو نحو و معانی و بیان کے مطابق تشریح تھی، مشائخ کا بیان یہ ہے کہ مجاہدے تین طرح کے ہوتے ہیں ایک خوف جہنم سے دوسرے امید جنت میں تیسرے برائے خاص ذات حق، پہلے مجاہدے تو للہ ہوئے تیسرا

---

(۱) اخبار الاخیار ۸۰

مجاہدہ فی اللہ ہو اور اس میں شدت ہونی چاہیے تاکہ اس کا حق ادا ہو
اسی لیے فرمایا۔ وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ،،(۱)

شیخ اکرام نے آپ کی علمی تحریک کے بارے میں بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ:۔
"واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک اشاعتِ علم اور ارشاد و ہدایت کا تعلق ہے
خاندان تغلق و سادات کے عہد حکومت میں حضرت چراغ دہلی اور ان کے
معتقدین سب سے زیادہ ممتاز ہیں اور اگر اس زمانے کو روحانی و علمی
نقطۂ نظر سے حضرت چراغ دہلی اور ان کے خلفاء کا زمانہ کہیں تو بجا ہے،،(۲)

آپ کے ۶۰ مکاتیب کا مجموعہ ۲۰۴ صفحات میں صحائف السلوک
کے نام سے شائع ہوا تھا جس میں بکثرت آیات و احادیث اور عربی اشعار
ہیں اور ۲۷ واں مکتوب عربی میں ہے (۳)

۲۔ مولانا شمس الدین یحییٰ

مولانا شمس الدین یحییٰ اودھی
عہد تغلق کے بڑے اساتذہ میں تھے، حضرت نظام الدین رح کے مرید و خلیفہ اور
حضرت چراغ دہلی کے استاذ تھے، شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ "وہ شیخ نظام الدین
کے بڑے خلفاء میں اور مشاہیر علماء شہر میں تھے، دہلی کے اکثر لوگ ان
سے تلمذ رکھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے" شیخ نظام الدین کی خدمت میں جب
حاضر ہوئے تو ان کے استفسار پر بتایا کہ مولانا ظہیر الدین سے اصول
بزدوی پڑھتے ہیں اور اس میں یہ مشکل پیش آئی ہے، شیخ نے وہ مشکل
حل کر دی تو ان کا اعتقاد اور بڑھ گیا اور کچھ عرصے بعد شیخ کے مرید ہو گئے،

---

(۱) اخبار الاخیار ۸۳ (۲) آب کوثر ۴۱۶ (۳) صحائف السلوک ص ۱۰۲ (جھجر، رہتک
غیر مؤرخ)

Marfat.com

مولانا علائق سے دور رہتے تھے، انھوں نے شادی بھی نہیں کی اور مرید بھی کم بنائے۔ محمد تغلق نے اخیر عمر میں انھیں بلا کر ہدایت کی کہ آپ جیسا عالم یہاں کیا کر رہا ہے کشمیر جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیجئے گھر آکر سامان سفر تیار کرنے لگے مگر یہ بھی فرمایا کہ لوگ مجھے وہاں بھیج رہے ہیں اور حضرت خواجہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ اپنے پاس بلا رہے ہیں اسی کے دوسرے روز ان کے سینے پر ایک دنبل نکلا اور بیمار پڑ گئے۔ محمد تغلق نے حکم دیا کہ انھیں میرے پاس لاؤ کہ بہانہ تو نہیں کر رہے ہیں، مگر اسی اثناء میں آخرت کا بلاوا آچکا تھا، ان کی قبر چبوترہ یاراں پر ہے" (۱)

شیخ عبدالحق نے ان کی شرح مشارق الانوار کا ذکر بھی کیا ہے۔ مولانا آزاد بلگرامی نے ان کے اساتذہ میں مولانا فریدالدین شافعی اودھ کے شیخ الاسلام کا نام بھی لیا ہے (۲) ڈاکٹر فضل الرحمٰن سیوانی نے ان کی ایک کتاب "شمس المعارف" کا ذکر کیا ہے (۳)

مولانا عبدالحی صاحب نے سنہ وفات ۷۴۷ھ بتایا ہے (۴)

ان کی شرح مشارق کا ذکر صاحب تذکرہ علماء ہند نے بھی کیا ہے (۵)

ڈاکٹر محمد اسحاق لکھتے ہیں کہ شمس الدین پہلے ہندی محدث اور دوسرے مسلمان شارح ہیں جنھوں نے مشارق کی شرح لکھی بدقسمتی سے یہ شرح اب ناپید ہے" (۶)

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۹۵ (۲) سبحۃ المرجان ۱/ ۳۲ (۳) ایضاً حاشیہ ۳۲ (۴) نزہۃ الخواطر ۲/ ۱۴۷ (۵) تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی ۸۶، ۸۷، لکھنؤ ۱۸۹۴ء (۶) علم حدیث ۔ ۸۶

Marfat.com

۳۔ مولانا فخر الدین زرادی

یہ بھی دلی کے بڑے علماء میں تھے مولانا یحییٰ کے ہم درس، اور شیخ نظام الدینؒ کے خلیفہ تھے ہدایہ کے احادیث کی تخریج صحیحین سے بھی کرتے تھے، اس پایہ کے عالم تھے کہ شیخ بنگال اخی عثمان سراج جب حضرت نظام الدین کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ میں ۶ ماہ میں عثمان کو عالم بنا دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غیاث الدین تغلق کے دربار میں حضرت نظام الدینؒ کے مسئلہ سماع میں یہ بھی مددگار رہے تھے۔ محمد تغلق جیسے سلطان جابر کے سامنے بھی انھوں نے کلمۂ حق کہنے سے گریز نہیں کیا، اسی کے حکم سے دولت آباد اور پھر وہاں سے حجاز گئے اور واپسی پر غرق سمندر ہو گئے (۷۴۸ھ) (۱)

ان کا ایک علمی رسالہ اصول السماع ۱۳۱۱ھ میں مولوی غلام محمد خاں کے اردو ترجمے کے ساتھ مسلم پریس جھجر سے ۶۲ صفحات پر شائع ہوا تھا، اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"الحمد للہ الذی خص الأولیاء بحسن الاستماع وأطاب سرائرھم بلطائف المخاطب(۲) عند السماع وأسمع قلوبھم کلامہ القدیم بکشف القناع، والصلوٰۃ علی محمد سید الانبیاء بالاجماع وعلیٰ آلہ واتباعہ" (ص ۶)

---

(۱) علم حدیث، ۸۷، اخبار الاخیار ۸۹، ۹۰

(۲) یہ لفظ غالباً الخطاب ہے، یہ نسخہ اغلاط کتابت سے پر ہے اور ایسی غلطیاں بہت سی ہیں۔ (ش)

Marfat.com

یہ رسالہ چند فصلوں پر مشتمل ہے اور شستہ عربی میں لکھا گیا ہے اور سماع کے جواز میں عقلی و نقلی بحث و نظر سے کام لیا گیا ہے اور اپنی حد تک اس کا جواز ثابت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، مصنف سے پوری طرح اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی ان کے دلائل کے وزن کا بہر حال اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب نے ان کی ان کتابوں کے نام لکھے ہیں ۱۔ العثمانیہ (صرف میں ایک رسالہ جو شیخ سراج الدین کے لیے لکھا تھا، ۲۔ الخمسین (کلامی مسائل پر رسالہ) ۳۔ کشف القناع عن وجوہ السماع ۴۔ أصول السماع (۱)

العثمانیہ سے مراد ہے غالباً صرف کا وہی رسالہ ہے جو 'زرادی' کے نام سے مدارس عربیہ میں پڑھایا جاتا رہا ہے۔

۴۔ مولانا معین الدین عمرانی

عہد تغلق کے ممتاز صاحب درس و تصنیف علماء میں تھے۔ شروع میں حضرت چراغ دہلی سے اعتقاد نہ تھا مگر مولانا خواجگی کے اصرار پر ان کی خدمت میں گئے اور معتقد ہو کر واپس ہوئے محمد تغلق نے انھیں قاضی عضد الدین ایجی (صاحب مواقف) کو لانے کے لیے ایران بھیجا تھا وہاں کے بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے اپنی سلطنت کی پیشکش کر کے ان کو روک لیا اور مولانا عمرانی کو بڑے اکرام کے ساتھ واپس کیا۔ شیخ عبدالحق نے انھیں "دانشمند عظیم اور استاد شہر" سے یاد کیا ہے (۲)

---

(۱) تحفۃ الخواطر ۲/۱۰۵، دہلی سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہو گئی ہے

(۲) اخبار الاخیار ۴۰

مولانا آزاد بلگرامی انھیں مدار الافاضل قرار دیتے ہیں اور ان کی تصانیف میں کنز، حسامی، اور مفتاح العلوم پر حواشی کا ذکر کیا ہے (۱) شیخ اکرام نے تذکرۂ مصنفین شیخ عبد الحق کے حوالے سے حاشیہ منار کا بھی ذکر کیا ہے (۲) مجمدار نے ان کے حاشیۂ تلویح کا ذکر کیا ہے جو ندوۃ العلماء کے علامہ شبلی لائبریری میں ہے۔ (۳)

مولانا خواجگی دہلوی

مولانا خواجگی بن محمد دہلوی بھی اس عہد کے جید اساتذہ میں سے تھے خواجہ چراغ دہلی کے خلیفہ، مولانا عمرانی کے شاگرد اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاذ تھے (۴)

شیخ نے لکھا ہے کہ ان کے اور احمد تھانیسری کے درمیان مواخاۃ تھی مگر حضرت گیسو درازؒ کے حملۂ تیموری کا خواب کا اعتبار کر کے مولا خواجگی تو کالپی چلے آئے اور احمد تھانیسری دلی میں رہے اور تیمور کی قید میں رہ کر رہائی پائی اور پھر کالپی آئے (۵) ۸۰۹ھ میں وفات پائی، قلعۂ کالپی کے اندر آپ کی قبر ہے (۶)

ضیاء الدین سنامی

علامہ عمر بن محمد بن عوض حنفی سنامی، بڑے

---

(۱) سبحۃ المرجان ۱/۹۱ (۲) آب کوثر ۴۲۵
The Delhi Sultanate, by R.C. Mayumdar, P. 532. (۳)
Bombay (1967) (۴) علم حدیث ۹۳ (۵) اخبار الاخیار ۱۳۹
(۶) ایضا ۱۴۱ (۶) نزھۃ الخواطر ۳/۶۴

Marfat.com

متقی عالم تھے آپ کے وعظ میں تیس تیس ہزار کا مجمع ہو جاتا تھا اور لوگ دم بخود سنتے رہتے تھے، آپ بدعت پر سختی سے نکیر بھی کرتے تھے چنانچہ شیخ نظام الدین پر سماع کے لیے اعتراض کرتے تھے مگر مرض وفات میں شیخ نظام الدین جب ان کی عیادت کے لیے گئے تو انھوں نے اپنا عمامہ ان کے راستے میں بچھا دیا اور پھر اسے اپنے سر پر رکھا اور بوسہ دیا مگر شرم کی وجہ سے شیخ کی طرف نظر نہ اٹھائی، شیخ واپس ہو رہے تھے کہ ان کی وفات کی خبر ملی، شیخ نے فرمایا مولانا کی ایک ذات حامیٔ شریعت رہ گئی تھی افسوس وہ بھی نہ رہی، شیخ نظام الدین ان کے اعتراض پر معذرت کرتے اور ان کے احترام میں فرق نہ آنے دیتے۔(۱)

احتساب کے موضوع پر شرعی نقطۂ نظر سے انھوں نے مدلل بحث کی ہے اور "نصاب الاحتساب" کے نام سے ایک عمدہ کتاب لکھی ہے۔ جو اپنی عربیت کے لحاظ سے بھی قابل قدر ہے۔

نصاب الاحتساب، غالباً کلکتہ سے عربی ٹائپ کے ۲۲۲ صفحات پر شائع ہوئی تھی بطور نمونہ اس کا مقدمہ درج کیا جاتا ہے:

الحمد للہ الحسیب الرقیب علی نوالہ ایمانا واحتسابا والصلوٰۃ علیٰ رسولہ الحسیب النسیب محمد وآلہ ما یحصیٰ کتابا ولاحسابا، أما بعد فقد جمع عبدہ الغریق فی بحر فضلہ الطامی عمر بن محمد بن عوض السنامی الہم اللہ تعالیٰ تقواہ فیما یکتسب ویجعل لہ مخرجا ویرزقہ

---

(۱) اخبار الاخیار ۱۰۵، ۱۰۶

Marfat.com

من حیث لایحتسب فی تصانیف هذا الکتاب وھو نصاب الاحتساب
مسائل اختصت بالنسبة إلی حسب منصب الحسبة والاحتساب
من کتب معتبرة بین الفقهاء محول علیها عند العلماء بعد ما
تحمل فی جمعه نصبا وکمل فی قیده نصبا وصرف الی تنقیحه
وتصحیحه مدة مدیدة وتکلف فی ترتیبه وتهذیبه
شدة شدیدة لیکون للمبتلی به آیة یعرف بها فیما
یحتاج الیه غایة وهی مرتبة علی خمسة وستین بابا "(ص۲)

مولانا عبدالحی صاحب نے ان کی اور کتابوں میں "تفسیر سورۂ یوسف" اور "فتاویٰ ضیائیہ" کا نام بھی لکھا ہے (۱) معلوم نہیں کس غلط فہمی کی بنا پر کشف الظنون کے مرتب نے اس کتاب (نصاب) کے ذکر میں سید مرتضیٰ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ ضیاء الدین برنی بغدادی عالم کی کتاب ہے (۲)

عہد تغلق کے دیگر ممتاز علماء:
حمید الدین مخلص دہلوی

مولانا آزاد بلگرامی نے انھیں "عمدۃ العلماء، وقدوۃ الفضلاء" کے القاب سے یاد کیا اور لکھا ہے کہ ان کی ہدایہ پر ایک مفید شرح ہے جس میں انھوں نے بڑی محنت کی ہے، حاجی خلیفہ نے اسے لطیف شرح قرار دیا ہے،

علامہ ابن کمال نے کہا ہے کہ یہ ایک اہم شرح ہے جس میں شروع ہدایہ کا خلاصہ آگیا ہے مگر اس میں ناہمواری ہے الخ،، (۳)

---

(۱) نزہۃ الخواطر ۲/ ۷، ۹۸۹ (۲) کشف الظنون ۱/ ۵۳ (قسطنطیۃ ۱۳۱۰ھ)
(۳) سبحۃ المرجان ۱/ ۳، ۷۴، ۷۴ -

Marfat.com

مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں کہ شرح ہدایہ مکمل نہیں کر سکے، ایک تفسیر کشف الکشاف ہے۔ آپ کا ذکر فیروز آبادی نے 'الالطاف الخفیہ فی اشراف الحنفیہ' میں اور علی قاری نے الاثمار الجنیہ میں کیا ہے۔ آپ نے ۷۶۴ھ میں وفات پائی"۔(۱)

سعید بن عبداللہ ہندی

ان کا ذکر شمس الدین حسینی دمشقی نے حافظ حدیث کی حیثیت سے کیا ہے القاب میں نجم الدین ابوالخیر بغدادی ثم دمشقی حنبلی کہا ہے اور یہ کہ بغداد میں نشو ونما پائی طلب حدیث میں دمشق آکر ابن الرضی بنت الکمال، الجزری، المزی وغیرہ جیسے محدثین سے سماعت کی اسکے علاوہ مصر، حلب، حماۃ، ثغر اور قدس میں بھی سماعت و روایت کی رجال کے ساتھ درایت حدیث بھی حاصل تھی، ذہبی نے بھی ان کی ان خصوصیات کی تعریف کی ہے، طاعون میں ۷۴۹ھ میں عمر کی چوتھی دہائی میں انتقال کیا مزی نے سروجی کے واسطے سے ان سے روایت کی ہے"۔(۲)

عمر رضا کحالہ انھیں محدث و مورخ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور سنہ ولادت ۷۱۲ھ بتاتے ہیں اور ان کی دو کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ کتاب فی وقعۃ بغداد اور عدۃ الطائفین (۳)

عالم بن العلا اندرپتی

فریدالدین عالم بن العلا اندرپتی وقت کے

---

(۱) نزہۃ الخواطر ۲/۱۶۲ (۲) ذیل تذکرۃ الحفاظ: شمس الدین الدمشقی ۶۵ (دار احیاء التراث، بیروت) (غیر مورخ) (۳) معجم المؤلفین: عمر رضا کحالہ ۴/۲۲۵، الدرر الکامنہ ۲/۱۳۴

Marfat.com

عالم و فقیہ تھے۔ فقہ میں زاد السفر (فتاوی تاتارخانیہ) ۷۷۷ھ میں امیر کبیر تاتارخاں کے لیے لکھی، فیروز شاہ اسے اپنے نام سے منسوب کرنا چاہتا تھا مگر وہ تاتارخاں سے دوستی کے سبب اس پر راضی نہیں ہوئے، فاضل چلپی نے اسے کتاب عظیم بتایا ہے اور یہ کہ وہ محیط برہانی، الذخیرہ، الخانیہ، الظہیریہ، وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے (۱) اس کے نسخے رامپور (علا ۳۶۱) آصفیہ ۲/۱۰۵۲، بانکی پور ۱۵/۱۷۱۔ ۱۹/۱۷۱) میں پائے جاتے ہیں (۲) ــــ ۷۸۶ھ کے قریب انھوں نے وفات پائی۔

یہاں امیر تاتارخاں کے متعلق جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ غیاث الدین تغلق کو نوزائیدہ اور لاوارث ملے، اس نے ان کی پرورش کی اور محمد تغلق نے امارت سپرد کی جسے انھوں نے بخوبی نبھایا وہ امارت کی تمام خصوصیات کے ساتھ علم و فضل اور دینداری سے بھی موصوف تھے، حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے (۳) سراج عفیف لکھتا ہے کہ "اس امیر کی صحبت میں ہمیشہ علماء و فضلاء کا مجمع رہتا تھا، اور تاتارخاں اس مقدس گروہ کی عزت کرتا تھا، تاتارخانی جو بہترین و مشہور زمانہ تفسیر ہے اسی امیر کی جمع کردہ ہے ..... ہم کہہ سکتے ہیں کہ عالم کی تمام تفاسیر اس ایک کتاب میں جمع ہو گئی ہیں ...... اسی طرح خان اعظم نے ایک مجموعۂ فتاوی بھی مرتب کیا ..... یہ مجموعہ تقریباً ۳۰ جلدوں میں مرتب ہوا۔ تاتارخاں علم شریعت میں مرتبۂ عالی رکھتا تھا اور شریعت کی اتباع و تبحر سے طریقت اور طریقت سے علم حقیقت کی بارگاہ میں باریاب ہوا" (۴)

---

(۱) نزہۃ الخواطر ۲/۶۷ (۲) عربی ادبیات ۲۹۶ (۳) نزہۃ الخواطر ۲/۱۸، ۱۹

(۴) تاریخ فیروز شاہی (اردو) ۲۶۵ فتاویٰ تاتارخانیہ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب کی تحقیق کے ساتھ دہلی سے شائع ہو چکی ہے (ش)

Marfat.com

تاتارخاں نے جلوس فیروز شاہی کے چند سال بعد وفات پائی۔

سراج الدین عمر بن اسحاق

قاضی ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی، دہلوی ثم مصری، اپنے عہد کے بڑے صاحب درس و تصنیف حنفی علماء میں تھے، اپنی تصانیف کے لحاظ سے ہندستان کے چند منتخب اور مشاہیر علماء میں ان کا شمار ہو سکتا ہے ۷۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور مولانا وجیہ الدین دہلوی، شمس الدین خطیب دولی سراج الدین تقفی، رکن الدین بدایونی سے تعلیم پائی اور یہ لوگ ابو القاسم التنوخی تلمیذ حمید الدین ضریر کے تلامذہ میں تھے، اور ضریر شمس الائمہ کردری کے تلمیذ تھے جو صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی کے تلمیذ تھے (۱)، اس طرح قاضی ابو حفص چار واسطوں سے صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے اور اس نسبت نے ان کے علم میں یہ برکت پیدا کی کہ فقہ حنفی میں متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف اور دیار مصریہ کے قاضی القضاۃ ہوئے۔

عالم عربی میں ان کا ذکر سب سے پہلے ان کے معاصر عبد القادر قرشی (م ۷۷۵ھ) نے کیا ہے انھوں نے ان کے ایک استاذ سید فخر الدین مبارک بن الحسن الملقب بالامام الزاھد کا بھی ذکر کیا ہے جو ۷۲۴ھ میں دہلی میں موجود تھے اور جن سے قاضی صاحب نے فقہ کی تعلیم پائی تھی۔ (۲)

حافظ ابن حجر نے قاضی صاحب کا بہت جامع تذکرہ لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیہ: مولانا عبد الحی، ۱۲۲ (۲) الجواہر المضیئۃ للقرشی ۱۵۱/۲

Marfat.com

"علامہ حنفی قاضی سراج الدین ہندی اصول فقہ وحدیث سے بہت واقف اور منطق وتصوف اور حکمت کے عارف تھے وہ ۷۴۰ھ سے پہلے قاہرہ آئے تھے ...... آپ کو اپنے مذہب حنفی کے فروع کا استحضار تھا، شمس اصبہانی اور ابن الترکمانی سے بھی آپ نے تحصیل علم کی تھی اور مبسوط کتابیں لکھیں اصول فقہ میں مغنی کی شرح اور ابن الساعاتی کی البدیع کی شرح کی، ہدایہ کی شرح طویل ہے مگر اسے مکمل نہ کر سکے۔ خوش اطوار اور خوش گفتار تھے، قاضی عسکر ہوئے پھر جمال الدین ابن الترکمانی کے نائب رہے۔ اس عہدے پر طویل مدت تک رہنے کے بعد ھرماس سے اختلاف کے بعد انھیں معزول کر دیا، پھر شعبان ۶۹ ۷ھ میں ابن الترکمانی کی موت کے بعد مستقل قاضی رہے، آپ بڑے معزز، جری، اور فصیح اللسان تھے اور امرا آپ کا احترام کرتے تھے، ...... البسطامی کی وفات کے بعد ۷۶۱ھ میں جامع طولونی میں تفسیر کا درس سپرد کیا گیا ..... اس سب کے باوجود الجائی کے خلاف وقف اشرفیہ کے واقعہ میں انھوں نے بڑی ثابت قدمی دکھائی جس کا ذکر میں نے 'قضاۃ مصر' میں ان کے ترجمے میں کیا ہے۔ ۷ رجب ۷۷۳ھ کو انتقال کیا جس رات علامہ سبکی کا انتقال ہوا۔"(۱)

علامہ سیوطی نے 'حسن المحاضرۃ' میں آپ کے حالات وتصنیفات کا ذکر کیا ہے جسے مولانا فرنگی محلی نے نقل کیا ہے۔ وہ قاضی صاحب کو امام، علامہ، مناظر، ماہر بحث ومباحثہ، بیحد ذہین اور بے نظیر قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی تصانیف عالم اسلام میں عام ہو گئی تھیں۔ (۲)

---

(۱) الدرر الکامنہ ۳/۱۵۴، ۱۵۵

(۲) الفوائد البھیۃ ۱۲۲

Marfat.com

مولانا عبدالحی صاحب حسنی لکھتے ہیں کہ حرمین کے سفر میں انھوں نے عوارف شیخ خضر، شیخ رباط سدرہ سے سنی اور وہیں قطب قسطلانی سے ان کی کتاب کی روایت کی، پھر قاہرہ جاکر احمد بن المنصور الجوہری وغیرہ سے سماعت کی الخ،،(۱)

طاشکبری زادہ نے بھی ان کی جلالت علمی کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ "ان کا علم بہت وسیع تھا، پیش قدمی میں جری تھے، جلال و ہیبت والے تھے، وحدت الوجود والے صوفیوں کی بڑی سخت حمایت کرتے تھے،،(۲)

قاضی شوکانی نے بھی ان کے بارے میں انھیں خیالات کا اظہار کیا ہے (۳) مولوی رحمان علی صاحب نے مختصراً ذکر کیا ہے (۴) البتہ ایوب قادری صاحب نے کچھ تفصیل دی ہے (۵)

سراج ہندی کی تصانیف میں کئی اہم کتابوں کی شرحیں ہیں جن میں ہدایہ امام محمدؒ کی جامع صغیر و کبیر اور زیادات، صحیح بخاری کی شرح التوضیح (آصفیہ ۴/۲۴۸) علم اللسان میں ظفر الدین ابن الساعاتی (م ۶۶۹ھ) کی بدائع النظام کی شرح (عاطف ۲۹۴۰)، اصول فقہ میں جلال الدین خجندی خبازی (م ۶۹۱ھ) کی المغنی فی اصول الفقہ، کی شرح المنار کی شرح، الاربعین کی شرح (بنگال ۲/۵۱۴)

مستقل کتابوں میں فتاوی الہدایۃ (رامپور ۲۲۷) الفتاوی السراجیۃ، جسے بعد میں محمد بن عبداللہ الغزنوی، التمرتاشی (م ۱۰۰۴ھ) نے مرتب کیا، صوفیہ کی حمایت میں انھوں نے مستقل کتاب لکھی جس کا نام لوائح الانوار فی الرد

---

(۲) عربی ادبیات ۲۹۵ (۳) حدائق الحنفیہ ۲۹۱ (لکھنؤ ۱۸۸۶ء) (۴) کشف الظنون ۲/۱۱۴۳ (۵) ایضاً ۲/۱۱۹۸

علی من أنکر علی العارفین من لطائف الأسرار، ہے۔ مذہب حنفی کی تائید میں الغرۃ المنیفۃ فی ترجیح مذھب أبی حنیفۃ، ہے جو فہرست آصفیہ کی جلد دوم ص ۱۰۹۶ پر مذکور ہے (۱) زبدۃ الأحکام فی اختلاف الأئمۃ الأعلام، ان کی غالباً واحد کتاب ہے جس کی خبر ڈاکٹر زبید احمد نے دی ہے کہ وہ دہلی سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی ہے (۲)

مولوی فقیر محمد جہلمی نے اللوامع شرح جمع الجوامع، کا ذکر بھی کیا ہے (۳) حاجی خلیفہ نے شرح عقائد طحاوی، (۴) اور رازی کی الطریقۃ البہائیہ کے عربی ترجمہ و تعلیق کا ذکر کیا ہے (۵) ان کی ایک تفسیر کا بھی تذکرہ کیا ہے (۶) کحالہ نے لکھا ہے کہ شاخت نے ان کی ۱۹ کتابوں کا ذکر کیا ہے (۷)

مولانا فرنگی محلی نے ہدایہ کی شرح کا نام التوشیح بتایا ہے اور کتابوں میں الشامل فی الفقہ، شرح بدیع الأصول شرح تائیۃ ابن الفارض، شرح المختار، اور عدۃ الناسک فی المناسک کا ذکر کیا ہے (۸)

اخیر میں اس تاریخی حقیقت کا انکشاف دلچسپی کا باعث ہوگا کہ ان کے معاصر ابن فضل اللہ عمری (م ۷۴۹ھ) نے مسالک الأبصار میں محمد تغلق کے عہد کے ہندستان کے بارے میں معلومات انھیں سے حاصل کی ہیں اور ان کا حوالہ بھی دیا ہے، پھر ابوالعباس احمد قلقشندی نے ۸۱۹ھ میں صبح الاعشیٰ کی تالیف کے وقت ان سے مدد لی یا ان سے روایت کر کے اور کچھ مسالک الابصار سے لے کر ہندستان کے بارے

---

(۱) یہ کتاب کراچی سے شائع ہو چکی ہے (مؤلف) (۲) عربی ادبیات ۲۹۵ (۳) حدائق الحنفیہ ۲۹۱ (لکھنؤ ۱۸۸۶ء) (۴) کشف الظنون ۲/ ۱۱۴۳ (۵) ایضا ۲/ ۱۱۹۸ (۶) ایضا ۱/ ۴۴۸ (۷) معجم المؤلفین ۷/ ۲۷۶ (۸) الفوائد البہیہ ۱۲۲۔

Marfat.com

میں لکھا، اس طرح ہمارے ہندستانی عالم نے عالم عربی میں ہندستان کی شہرت وعزت میں اضافہ کیا۔ قلقشندی نے انھیں مدرسہ بیدمریہ قاہرہ کا استاذ بھی لکھا ہے (۱)

قاضی عبدالمقتدر کندی

قاضی عبدالمقتدر بن قاضی رکن الدین شرکی کندی دہلوی جو قاضی شریحؒ کے خاندان سے تھے، ہندستان کے ان نامور علماء وعربی شعراء میں تھے جن کا لامیۃ الھند طغرائی (م ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء) کے لامیۃ العجم کی طرح عرب وعجم میں مشہور ومعروف ہوگیا ہے اور ان کا عربی کلام، عہد سلطنت میں عربی ادب کے ارتقاء کی ایک نمایاں علامت ہے۔

ان کا جامع تذکرہ شیخ عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے جسے بجنسہ یہاں نقل کرنا مناسب ہے، وہ لکھتے ہیں:

"قاضی عبدالمقتدر بن قاضی رکن الدین شرکی کندی شیخ نصیرالدین محمود کے خلیفہ تھے، دانشمند اور درویش کامل، قاضی شہاب الدین کے استاذ اور بغایت فصیح وبلیغ تھے اور قصیدہ وغزل کہتے تھے لامیۃ العجم کے مقابلے میں ان کا قصیدہ ان کے کمالِ فصاحت کی دلیل ہے، ہمیشہ درس وافادہ میں مشغول رہتے تھے، شیخ نصیرالدین اور ان کے اکثر خلفاء کا طریقہ علمی اشتغال اور حفظِ شریعت کا تھا، ان کا کہنا تھا کہ "کسی شرعی مسئلے میں غور وفکر ریاکاری کی ہزار رکعتوں سے بہتر ہے" کہتے ہیں کہ وہ ایام طالب علمی میں شیخ نصیرالدین کے پاس جاکر علمی بحث کرتے تھے اور شیخ اس کو پسند بھی فرماتے تھے اور ان کی ہمت افزائی بھی فرماتے تھے، یہاں تک کہ

---

(۱) صبح الاعشیٰ ۵/۶۱-۹۸

وہ ان کے مرید ہو گئے اور فضیلت ظاہری کے ساتھ نعمت باطنی بھی حاصل کرلی۔

ان کے کسی معتقد نے 'مناقب الصدیقین' نام کی کتاب میں تمام مشائخ چشت کے ساتھ ان کے بھی بہت سے احوال و کرامات لکھے ہیں، اسی میں لکھا ہے کہ کسی دن قاضی شہاب الدین نے کچھ سونا پایا اور تنہائی میں اپنی والدہ سے کہا کہ اسے دفن کردینا چاہیے، یہ کہہ کر قاضی عبدالمقتدر کی مجلس میں پہنچے تو قاضی صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا کہ "تم تو سونا دفن کرنے کی فکر میں ہو علم میں کیسے مشغول رہو گے؟" وہ فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک ایسا طالب علم آتا ہے اس کا پوست بھی علم ہے اس کا مغز بھی علم ہے اور اسکی ہڈی بھی علم ہے اور اس سے ان کی مراد قاضی شہاب الدین ہوتے تھے۔

ان کی وفات ۲۶ محرم ۷۹۱ھ میں ۸۸ سال کی عمر میں ہوئی ان کی اور ان کے والد صاحب کی قبر میں خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی درگاہ میں (جسے خانقاہ شیخ عبدالصمد کہتے ہیں، شیخ عبدالصمد عہد سکندری کے اکابر میں تھے جو جونپور سے دہلی آئے اور اپنے اجداد کے مزارات تعمیر کیے جو موجود ہیں) حوض شمسی کے جنوب میں ہیں"۔(۱)

اس کے بعد شیخ دہلوی نے ان کے لامیۃ کا انتخاب درج کیا ہے۔

مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں، اخبار الاخیار، ہی کے ترجمے کو سامنے رکھا ہے۔ تمہید میں لکھتے ہیں:

ھو عالم مقتدر علی العلوم	وہ علوم ظاہری و باطنی کے جامع عالم
الصوریۃ والمعنویۃ وکوکب	اور ایسے نیر رخشاں تھے جس نے اپنی
دری أنار الآفاق باللوامع	عدستا بانیوں سے آفاق کو روشن

(۱) اخبار الاخیار ۱۴۶

Marfat.com

القدسية ...... واقام دولة العلم والتدريس وأفاض علی زمرة الطالبين شحاشع التقديس(۱)

کردیا تھا، اور اپنے دم سے علم وتدریس کی حکومت قائم کردی تھی اور طالبین کے قلوب کو مقدس کرنوں سے روشن کردیا تھا۔

مولانا عبدالحی حسنی لکھتے ہیں کہ "وہ اپنے آبائی وطن تھانیسر میں پیدا ہوئے اور مولانا شمس الدین یحییٰ اودھی سے درسی کتابیں پڑھیں، اور کشاف ، شیخ نصیر الدین سے پڑھیں"۔(۲)

عام تذکروں میں لامیۃ الہند کے ۷۹ شعر ملتے تھے لیکن ہندستان کے ممتاز محقق وعالم مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم نے اپنی تحقیق وجستجو سے ان کی تعداد ۹۱ تک پہنچائی اور متن کی تحقیق وتشریح کے ساتھ اسے ۱۱ صفحات میں ثقافۃ الہند (دہلی) کے ستمبر ۱۹۵۰ء کے شمارے میں شائع کیا، وہ اس کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ "کندی کا لامیہ، سلاستِ الفاظ اور حلاوت میں طغرائی کے لامیہ کا ہم پلہ ہے اور ان کمال فصاحت و بلاغت کی کھلی شہادت ہے اور اسی لیے ہند کے ادیبوں اور شاعروں میں بہت مشہور رہا اور بہت سے لوگوں نے اس کی شرحیں اور حاشیے لکھے جن میں آخری نام فارسی میں لکھی جانے والی کتاب غنیۃ المفتقر، کا ہے،، اور یہ واقعہ ہے کہ عربی قصیدہ کے محاسن کے ساتھ، کندی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و پیغام کا بڑی جامعیت کے ساتھ تعارف کرایا ہے، اور زہد وتقویٰ اور محاسن اخلاق کی اس انداز میں تلقین کی ہے جس میں بڑی رعنائی وشگفتگی ہے۔ زبان وبیان.. میں بھی متانت ہے اور ماہرانہ قدرتِ کلام کا پتہ چلتا ہے اور قدماء کا رنگ جھلکتا ہے۔ یہاں لامیہ

---

(۱) سبحۃ المرجان ص ۷۵،۷۶ (۲) نزہۃ الخواطر ۲/۱۲

Marfat.com

کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔

انتخاب لامیۃ الہند

یا سائق الظعن فی الأسحار والأُصل ... سلّم علی دار سلمیٰ فابک ثم سَل
عن الظباء التی من دأبها أبدا ... صید الأسود بحسن الدلّ والخجل
وعن ملوك كرام قد مضوا قددا ... حتی یجیبك عنهم شاهِدُ الطلل
وانی رجل من معشر سَحِبوا ... ذیل التبتل والتقویٰ علی زحل
لا یطمعون، ولكن كان دیدنهم ... إعطاء ما ملكوا كالعارض الهطِل
یا طالب العزّ فی العقبیٰ بلا عمل ... هل تنفعنك فیها كثرة الأمل
یا أیها الطفُل أنت الطِفل فی أمل ... وشمس عمرك قد مالت الی الطَفل
فاقنع من العیش بالأدنیٰ، تكن ملكا ... إن القناعة كنز عنك لم یزُل
ثم اغتنم فرصة من قبل أن ضعفت ... قواك من سطوة الأمراض والعلل
ولا تكن لمزید الرزق مضطربًا ... واقنع بما قسم القسّام فی الأزل
لا تغترر بزمان كان شیمته ... ان غیّر العزّ منه منتقل
فلا تغرن دنیاكم، فان بها ... من عزّ بزّ فكن منها علی وجل
ولا مناص من الله العزیز وإن ... فررت منه الی الدأماء والقلل
یا أیها الناس، إن العمر فی سفر ... وإن أوقاتكم، والله، كالظلل
إن المنایا بلا شك لآتیة ... وأنتم فی المنیٰ والمین والكسل
طوبیٰ لذی عُسر، بالفقر مفتخر ... بالجوع مبتهج بالله مشتغل
هیهات أین الأولیٰ كانوا أولی شرفٍ ... ومكنة وعلاً فی الأعصر الأول

Marfat.com

محمدٌ خیرِ خلقِ اللہ قاطبۃ ۔۔۔ ھو الذی جل عن مثل وعن مثل
لہ المزایا بلا نقص ولا شبہٍ ۔۔۔ لہ العطایا بلا منٍّ ولا بدل
لہ المکارم أبھی من نجوم دجی ۔۔۔ لہ العزائم أمضی من قنا البطل
لہ جلالٌ جلیل جل منقبۃ ۔۔۔ بین الأجلۃ أھل المجد والجلل
لہ جمالٌ اذا ما الشمس قد نظرت ۔۔۔ الیہ قالت: ألا یا لیت ذلک لی
أقام دینا متینا فاستقام لہ ۔۔۔ الی القیامۃ معصوما بلا خلل
وأیّد الحق والإسلام محتسبا ۔۔۔ بالآی والرأی والھدی والأسل
النصر قادمہ والفتح خادمہ ۔۔۔ کلاھما عن حماہ غیر مرتحل
أتیتنا بکتاب جلّ منفعۃ ۔۔۔ وجئتنا بسبیل ناسخ السبل
بعثت بالملۃ البیضاء راسخۃ ۔۔۔ عقابھا سائر الأدیان والملل
أفحمت کل بلیغ بالکتاب کما ۔۔۔ جادلت بالسیف أھل الجدل والجدل
رُسل الالہ عیونٌ فی خلیقتہ ۔۔۔ وأنت فیھا بعونِ اللہ کالکحل
أوتوا علوما وأعمالا بلا ریب ۔۔۔ نعوذ باللہ من علمٍ بلا عمل
لاھُمّ لاھُمّ! شرّف روح کلھم ۔۔۔ بروح قربک والریحان والنزل
یا سید المرسلین المکرمین آدم ۔۔۔ شَفاعۃ لعبید ضارع وجل
اردتُ مدح نبی اللہ مجتھدا ۔۔۔ حتی عجزتُ فقال العقل لی: "فقل
یا عبد مقتدرٍ أوصاف سیدنا ۔۔۔ تعلو علوّا عن التفضیل والجُمل!

مولانا احمد تھانیسری

مولانا احمد بن محمد تھانیسری اپنے استاذ قاضی عبد المقتدر کندی کی طرح علوم دینیہ اور شعر وادب میں فاضل یگانہ اور مشہور زمانہ ہیں اور ان کا قصیدہ دالیہ

Marfat.com

ہندستانی عربی ادب کا ایک شاہکار ہے ... وہ اپنے استاذ کی طرح شیخ نصیر الدین دہلوی کے مرید بھی تھے، فقہ واصول اور عربیت میں بہت امتیاز رکھتے تھے، حملۂ دہلی میں تیمور نے انھیں گرفتار کرلیا تھا مگر بعد میں ان کے علمی مقام سے واقف ہوکر انھیں رہا کردیا۔ تیمور کے دربار میں صاحب ہدایہ کے پوتے سے (جو دربار تیمور میں شیخ الاسلام تھے) کچھ تیز کلامی ہوگئی، تیمور نے تنبیہ کی کہ یہ صاحب ہدایہ کے پوتے ہیں، اس پر مولانا تھانیسری نے کہا کہ ان سے اگر ایک غلطی ہوگئی تو کوئی بات نہیں ان کے دادا سے تو متعدد غلطیاں ہوئی ہیں، اس پر شیخ الاسلام نے ان کی وضاحت چاہی، مولانا نے اپنے فرزندوں اور شاگردوں کو اشارہ کیا مگر تیمور نے معاملہ رفع دفع کردیا، مولانا وہاں سے کالپی آکر مقیم ہوئے۔ وہاں ان کے صاحبزادوں اور قاضی شہاب الدین میں کچھ رنجش ہوئی، قاضی صاحب نے مولانا خواجگی سے شکایت کی تو مولانا نے اس طرح ان کی دلدہی کی ۔

ای بیش ازاں کہ از قلم آید ثنای تو | واجب بر اہل مشرق و مغرب دعای تو
ای در بقای عمر تو نفع جہانیاں | باقی نماند ہر کہ نخواہد بقای تو (۱)

۸۲۰ھ میں انتقال کیا اور قلعہ کالپی کے اندر مدفون ہوئے۔

مولانا غلام علی آزاد آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: "وہ ایسے عالم ہیں کہ ان کی تحریر موتیوں جیسی اور ان کی تقریر سلسبیل جیسی تھی، روحانی نور کے بھی حامل تھے" (۲)

ان کا قصیدہ دالیہ بھی مولانا امتیاز علی خاں عرشی (ناظم رضا لائبریری رامپور) نے ثقافۃ الہند (دہلی) کے جون ۱۹۵۲ء کے شمارے میں

---

(۱) اخبار الاخیار ۱۴۰-۱۴۱ (۲) سبحۃ المرجان ۹۲

Marfat.com

شائع کرایا تھا، اس کا ایک انتخاب اگلے صفحے پر پیش خدمت ہے،

انتخاب دالیۂ تھانیسری

أطار لبی حنین الطائر الغرد　　وهاج لوعة قلبی النائه الكمد
واذكرتنی عهود ابالحمی سلفت　　حمامة صدحت من لاعج الكبد
باتت تؤرقنی والقوم قد هجعوا　　من بین مضطجع منهم ومستند
ما زار طرفی غمض بعد بعدكم　　ولا خیال سرور دار فی خلدی
لیت الهوی لم یكن بینی و بینكم　　ولیت جبل و وادی غیر منعقد
كانت مواسم أیام وغرتها　　ولت سراعا علی رغم ولم تعد
صاروا أحادیث تروی بعد ما ملؤوا　　مسامع الدهر بالالفاظ كالشهد
ولیس فی الدین والدنیا وأخرتی　　سوی جناب رسول الله معتمدی
بالشرع معتصم للدین منتقم　　فی الله مجتهد بالله مقتصد
العدل سیرته والفضل طینته　　والبذل شیمته فی الوجد والوبد
یا أفضل الناس من ماض ومؤتنف　　واكرم الخلق من حر ومن عبد
أفدیك بالروح والقلب المشوق معا　　والنفس والمال والأهلین والولد
عطفا علی ذرفقا بی ومكرمة　　فلیس غیرك یا مولای ملتحدی
واشفع الی الله لی فی أن یشطنی　　عن الهوی وذوی الدنیا ومن سدد
یا رب صل وسلم دائما أبدا　　علی النبی نبی الحق والرشد
محمد احمد الهادی لأمته　　الی الصراط صراطا غیر ملتحد
وصحبه وذویه الطاهرین ومن　　أحبهم شغفا فی الغیب والعهد (۱)

---

(۱) نزہۃ الخواطر ۳/۱۲-۹، اشعار کا اردو ترجمہ انکے تذکرہ میں نیز ملاحظہ ہو نقوش لاہور رسول نمبر ۱/۷-۲۲۶ (۱۹۸۴ء)

حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ مَنیریؒ

حضرت مخدوم شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ اپنے عہد میں بہار کے صاحبِ ولایت تھے، مشرقی ہندستان میں ان کا وہی مقام تھا جو مغربی ہندستان میں حضرت نظام الدین اولیاء کا تھا، ان کی وجہ سے اس خطے میں علم و عمل صالح، زہد و تقویٰ، شریعت و طریقت خدا طلبی و فکر آخرت اور زندگی میں صالح انقلاب کی ایسی ہوا چلی اور فضا قائم ہوئی جس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاتے ہیں اور نامعلوم زمانے تک کیے جاتے رہیں گے۔ ان کے خلفاء و تلامذہ کا وسیع سلسلہ ایک مستقل دبستانِ فکر و عمل ہے جس نے علمی و تہذیبی زندگی پر اپنے لافانی نقوش مرتسم کیے ہیں۔

ان کے ملفوظات و مکتوبات کا متصوفانہ بلکہ داعیانہ و متکلمانہ اسلامی ادب میں وہی مقام ہے جو شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے خطبات و مواعظ، امام غزالیؒ کی احیاء علوم الدین، اور 'کیمیای سعادت'، شیخ سہروردیؒ کی عوارف المعارف، ابن عربیؒ کی 'فتوحات مکیۃ'، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کا ہے۔ اور جو قدیم و مستند اسلامی لٹریچر کا گراں قدر حصہ ہیں

کہا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم کے پردادا مولانا تاج فقیہ النخلیل (شام) سے آکر مُنیر ضلع (پٹنہ) میں قیام پذیر ہوئے جسے بختیار خلجی سے پہلے مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا، حضرت مخدوم کے ایک فرد خاندان سید محمد مراد اللہ ندوی منیری لکھتے ہیں "۲۷ رجب روز جمعہ ۵۷۶ھ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور منیر ان کے قبضے میں آیا ..... بختیار خلجی کا ورود جب بہار میں ہوا اس وقت منیر شریف کی عنانِ حکومت سلطان المخدوم سیدنا شاہ یحییٰ منیری قدس سرہ کے ہاتھ میں تھی،

Marfat.com

آپ نے باصرار حکومت منیر کو بختیار خلجی کے سپرد کر دیا،، (۱)

آپ کے نانا سید شہاب الدین جگ جوت تھے جو شیخ شہاب الدین سہ
کے مرید تھے اور جن کی ایک صاحبزادی کے بطن سے شیخ احمد چرم پوش پیدا ہو
مخدوم صاحب منیر میں شعبان ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم و
پائی خوبیٔ قسمت سے انھیں عہد بلبن کے جید عالم مولانا شرف الدین ابو تو
دہلوی کا تلمذ حاصل ہو گیا جو دہلی سے سنار گاؤں (ضلع ڈھاکہ) جاتے ہو
منیر میں رکے، مخدوم صاحب ان سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے ساتھ س
گاؤں چلے گئے، اور وہاں بڑے انہماک سے تعلیم مکمل کی اور استاذ زادی
شادی ہوئی اور تین اولادیں ہوئیں جن میں ذکی الدین زندہ رہے اور ان کی
نے بھی وہیں انتقال کیا، مخدوم صاحب انھیں لے کر منیر آئے اور والدہ سے ا
لے کر تلاش مرشد میں دہلی گئے اور وہاں حضرت نظام الدینؒ اور پانی پت
شرف الدین قلندرؒ سے ملے یہ غالباً ۶۹۰ کا واقعہ ہے (۲)

شیخ نظام الدین نے ان کے بارے میں فرمایا "سیمرغی است نصیب
دام ما نیست" (مناقب الاصفیاء) بالآخر سلسلہ کبرویہ فردوسیہ میں خو
نجیب الدین فردوسی (م ۶۹۱ھ) کے مرید ہوئے جو خواجہ رکن الدین فردو
اور وہ خواجہ بدر الدین سمرقندی کے، اور وہ خواجہ سیف الدین باخرزی کے
وہ خواجہ نجم الدین کبریٰ (م ۶۱۰ھ) کے مرید تھے اور وہ خواجہ ضیاء الدین ابو
عبد القاہر سہروردیؒ (عم شیخ شہاب الدین سہروردیؒ) کے مرید تھے۔

---

(۱) آثار منیر: سید مراد اللہ ندوی، ص ۳، ۵ (پٹنہ ۱۳۶۷ھ) (۲) شیخ عبد الحق دہلوی نے
نہیں یہ کیسے لکھا ہے کہ حضرت نظام الدین کا ان کے پہنچنے سے پہلے انتقال ہو گیا تھا اخبار الاخیار

شیخ سے خلافت پاکر واپس ہو رہے تھے مگر بہیا (ضلع بھوجپور، بہار) کے
ل میں جذبۂ الٰہی نے آپ پر غلبہ کیا اور آپ ۱۲ برس عالم وارفتگی میں وہیں
ہے اور سخت مجاہدے کیے اس کے بعد راجگیر تشریف لائے جہاں خواجہ نظام الدین
ے متوسلین اور محمد تغلق کے ایما سے خانقاہ تعمیر ہوئی اور راجگیر جاگیر میں ملا،
ر شیخ نے فیروز کے عہد میں اسے واپس کر دیا،

نصف صدی سے زائد عرصہ ارشاد و تلقین اور عبادت و ریاضت میں
ار کر اور اپنے بعد ایک اصلاحی سلسلہ چھوڑ کر آپ نے شب پنجشنبہ ۶ شوال
۷۸ھ/۵ جنوری ۱۳۷۱ء میں نہایت اچھے اور مثالی احوال و کوائف میں
تقال کیا (وفات نامہ از زین بدر عربی) نماز جنازہ، شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے
ھائی جو دہلی سے بنگال جا رہے تھے ایک پوتی سے اور ایک بھائی سے خاندانی
سلسلہ جاری ہے۔ "شیخ حسین معز شمس بلخی کے بقول اس عرصے میں ایک لاکھ
سے زائد انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے جن میں سے بعض اقوال
کے مطابق کم از کم تین سو آدمی عارف کامل اور واصل بحق ہوئے، متعدد ہندو فقیروں
اور مرتاض جوگیوں کے قبول اسلام اور آپ کے ہاتھوں تکمیل و تحقیق تک پہونچنے
کے واقعات بھی نقل کیے گئے ہیں" (۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس طرح آپ کے کمالات کا ذکر کیا ہے "او از
شاہیر مشائخ ہندوستان است چہ احتیاج کہ کسی ذکر مناقب او کند، او را تصانیف
عالی است از جملہ تصانیف او مکتوبات مشہور تر و لطیف ترین تصانیف اوست
بسیاری از آداب طریقت و اسرار حقیقت در انجا مندراج یافتہ" (۲)
مخدوم صاحب کی عربی تحریر کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

---

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت ۳/۱۷۷-۲۰۴ (ملخص) (۲) اخبار الاخیار ۱۱۳

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

استغفر الله من جميع ما كره الله وأتوب اليه اللهم انى استغفرك بما قدمت وما أخرت وما اسررت وما اعلنت وما أسرفت، أنت المقدم و أنت المؤخر وانت على كل شئ قدير، اللهم إنى أستغفرك من كل ذنب تبت اليك ثم عدت فيه، واستغفرك لما اردت بوجهك مخالطة بما ليس لك فيه رضاء واستغفرك لما وعدتك من نفسى ثم اخلفتك لما دعانى اليه الهوى من قبول الرخص مما اشتبه على وهو عندك حرام واستغفرك من الذنوب التى لا يعرفها غيرك ولم يطلع عليها أحد سواك ولا يسعها الا علمك ولا ينجينى منها الا عفوك واستغفرك لكل يمين سلفت منى فخشيت فيها عندك وأنا ماخوذ لها،

لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين، واستغفرك لكل نعمة أنعمت على سترت بها على معاصيك واستغفرك يا عالم الغيب والشهادة من كل سوء عملتها فى بياض النهار وسواد الليل وفى خلاء وملاء وسر وعلانية وانت ناظر الى اذا ارتكبها من العصيان يا حليم يا كريم يا رحيم يا عظيم لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين، واستغفرك لكل فريضة وجبت على فى آناء الليل وأطراف النهار تركتها عمدا أو خطاءً أو نسيانًا وأنا مسئول بها لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين واستغفرك لكل سنة من سنن المرسلين

Marfat.com

ومحمد علیہم السلام فترکتہا غفلۃ أو سہوا أو تہاونا او لقلۃ مبالاۃ بہا و انا معاتب بہا لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم (۱)

مخدوم بہاری بحیثیت محدث

حضرت مخدوم یوں تو تمام ہی علوم دینیہ میں درک رکھتے تھے مگر انھیں خصوصی مناسبت حدیث سے تھی صحیحین کے علاوہ مسانید وسنن وغیرہ بھی ان کے مطالعہ میں رہی تھیں اور وہ اپنے مکتوبات وملفوظات اور تصانیف میں احادیث کے بکثرت حوالے دیتے ہیں اور ان کی تشریح وتوضیح بھی کرتے ہیں، ڈاکٹر محمد اسحاق لکھتے ہیں:

"شرف الدین منیری علاقۂ بہار کے ایک ممتاز محدث تھے وہ حدیث سے متعلق تمام علوم مثلاً علم تاویل الحدیث، علم رجال الحدیث، اور علم مصطلحات الحدیث پر پورا عبور رکھتے تھے، انھوں نے اپنے مکتوبات اور تصوف کی کتابوں میں احادیث کثرت سے نقل کی ہیں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بہت سے مواقع پر انھوں نے علم حدیث کے مختلف پہلوؤں مثلاً روایت بالمعنی، شروط الراوی وغیرہ پر اپنی تصانیف میں طویل بحثیں بھی کی ہیں اور صحیحین مسند ابی یعلی موصلی، شرح المصابیح اور مشارق الانوار کے حوالے بھی دیے ہیں، قیاس کیا جاتا ہے کہ النووی (م ۶۷۲ھ) کی شرح صحیح مسلم کا ایک نسخہ

(۱) مکتوبات سہ صدی ص ۴۰۰ (لاہور ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء)

Marfat.com

ان کے پاس موجود تھا اور انھوں نے اس کا غائر مطالعہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو نہ صرف بہار بلکہ پورے ہند میں صحیحین کی تعلیم شروع کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ انھیں احادیث نہ صرف زبانی یاد تھیں بلکہ ان پر عمل بھی کرتے تھے،، ان اوصاف کے علاوہ شرف الدین منیری قرآن وحدیث دونوں کی متصوفانہ تعلیمات پر بھی سند مانے جاتے تھے۔۔۔۔ شیخ زین الدین ساکن دیوہ نے ان کو صحیح مسلم کا ایک نسخہ بطور ہدیہ دیا تھا،، (۱)

آپ کے خلفاء میں مظفر بن شمس الدین بلخی (م ۷۸۸ھ) نے مشارق الانوار کی شرح لکھی تھی جو غالباً ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی ضائع ہو گئی، انھوں نے اپنے بھتیجے اور شاگرد حسین نوشاہ توحید کو صحیحین کی سند دی۔

حسین بن معز نوشاہ توحید م ۸۴۴ھ کی پرورش حضرت مخدوم نے کی تھی ان کے والد شیخ الاسلام معز بھی معروف محدث تھے انھوں نے حسین کو صحیح مسلم ہدیہ کی تھی، رسالہ' اورادہ فصلی' میں صحاح ستہ، سنن بیہقی اور مستدرک سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ احمد لنگودریا (م ۸۹۱ھ) نے مصابیح' ۶ ماہ میں حفظ کی تھی، انھوں نے اپنے مجموعہ ملفوظات میں صحیحین ومشارق وغیرہ کے بکثرت حوالے دیے ہیں۔ (۲)

تصانیف اور مکتوبات

حضرت مخدوم کثیر التصانیف بزرگ تھے مگر ان کی بیشتر تصانیف محفوظ نہیں ان کی تصانیف، ملفوظات اور مکتوبات ان کے بلند علمی وروحانی مقام کے شاہد ہیں

(۱-۲) علم حدیث ۹۵ - ۹۸

Marfat.com

کتاب و سنت سے استفادہ کے ساتھ مشائخ کے اقوال' اور عربی فارسی اور کبھی ہندی اشعار بھی حسب موقع آتے ہیں، ان کی کتابوں کا اصل موضوع انسانی زندگی کی تطہیر و تعمیر اور صلاح و فلاح ہے۔ خداشناسی اور مقصد زندگی کی پہچان، اور اس کے لیے اخلاص، اور جد وجہد اور اسوۂ نبوی کا اتباع اس کے ذرائع و وسائل بتائے گئے ہیں۔ یہ بلند پایہ عارفانہ و محققانہ مضامین خشک علمی پیرائے میں نہیں بلکہ ادبی انداز میں اور پورے جوش و قوت، دلی جذبات و احساسات، اور کہیں کہیں بڑے والہانہ و عاشقانہ انداز میں بیان ہوئے ہیں اس لیے ان کی علمی و فکری قدر و قیمت کے ساتھ ان کی ادبی اہمیت بھی ہے شیخ اکرام نے لکھا ہے کہ:

"ان مکتوبات میں سنجی یا تاریخی اندراجات نہ ہونے کے برابر ہیں، فی الحقیقت یہ مکتوبات، تصوف، اخلاق اور فلسفہ کے مختلف مسائل پر مستقل رسالے ہیں۔ کشف المحجوب، اور عوارف کے بعد (فوائد الفواد جیسے ملفوظات کو چھوڑ کر) جن صوفیانہ رسائل نے سب سے زیادہ شہرت پائی اور صوفیائے کبار کے نزدیک قریباً ایک دستور العمل کی حیثیت حاصل کر لی وہ مکتوبات یحییٰ منیری تھے۔

علمی حلقوں میں سب سے زیادہ رواج شیخ شرف الدین کی تصانیف کو ہوا اور امید ہے کہ جو کوئی پاک و ہند میں اسلامی فلسفے کی تاریخ مرتب کرے گا ..... اسے شیخ شرف الدین کی تصانیف سے قیمتی مواد ملے گا"(۱)

مسٹر برڈس لارنس اس طرح انھیں نذر عقیدت پیش کرتے ہیں:=

"حضرت منیری کے اہل خانقاہ کا کہنا ہے کہ انھوں نے ایک ہزار کتابیں لکھیں جن میں وضاحت، احساسات اور Perception ہے جسکی ہندستان تصوف میں

---

(۱) آب کوثر ۴۳۹ - ۴۴۰

چند ہی مثالیں ملیں گی، ان کا ایک بڑا کام ابو نجیب سہروردی کی آداب المریدین کی شرح ہے، عہد وسطیٰ کے کسی صوفی کے ان کی طرح ایسے ملفوظات نہیں جن کے مجموعے ہیں ان میں بہترین بدر عربی کا معدن المعانی ہے،، (۱)

حضرت مخدوم ہی کے سلسلے کے ایک فرد ڈاکٹر سید نعیم الدین فردوسی لکھتے ہیں:

"حضرت مخدوم کے تبحر علمی کی کچھ انتہا نہ تھی، معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے تروح و حواشی بزبان عربی بڑی بڑی کتابوں پر عرب و شام میں موجود ہیں اور ملفوظات بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کی معلومات کی کوئی حد نہ تھی،، (۲) آپ کے موجودہ مکتوبات و ملفوظات تیس سال کے عرصے میں مرتب ہوئے ہیں یعنی ۷۴۶ھ سے ۷۷۵ھ تک اور بعض مجموعے چند ماہ میں تیار ہوئے تھے اس سے حضرت مخدوم کی کثرت تصانیف کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

ان کے مکتوبات پر بہترین تعارف و تبصرہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ، نے لکھا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مخدوم کی زندگی کی یادگار اور ان کے علوم و کمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے جو نہ صرف اس عصر کی تحقیقات میں، بلکہ معارف و حقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے، علم کی گہرائی، تحقیقات کی ندرت، مشکلات کی عقدکشائی، ذاتی تجربات، اذواق صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سنت کے عمیق و صحیح فہم، مقام نبوت کی حرمت و عظمت کے بیان، شریعت

---

(1) An Ower view of Sufi Literature, by. Bruce- Lawrence P. 47, 51, (PATNA).

(۲) مکتوباتِ صدی مترجمہ نجم الدین احمد فردوسی ۴۲ (کراچی ۱۹۷۶ء)

Marfat.com

کی حمایت، اور وجد انگیز نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانے میں حضرت مخدوم کے مکاتیب اور مکتوباتِ امام ربانی کی نظیر نہیں آتی، ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے محققین وعارفین کے علم وفکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے اور انھوں نے معرفت الٰہی، ایمان ویقین مشاہدہ وادراک، تصفیۂ قلب وتزکیۂ نفس، روح کی لطافت وذکاوت، اخلاق کی باریکیوں، اور نفس انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات وفتوحات حاصل کیں، اور ان کی ذکاوت اور قوت فکریہ کے طائر بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا اور کن کن فضاؤں میں پرواز کی۔

علوم ومعارف کے علاوہ یہ مکاتیب زور قلم، قوت بیانی اور حسن انشاء کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہتر ادبی نمونوں میں شامل اور "ادب عالی" میں شمار کیے جائیں" (۱) افسوس ہے کہ حضرت مخدوم کی کوئی عربی تصنیف محفوظ نہیں، تبرک کے طور پر عربی میں ان کے استغفار کی عبارت پچھلے صفحات پر پیش کی جا چکی ہے جو غالباً اس وقت ان کی واحد عربی تحریر کہی جا سکتی ہے۔

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت ۳/۲۴۰، ۲۴۱

Marfat.com

(۸)

باب

(عربی ادب لودھی عہد میں)

(۸۵۵-۹۳۲ھ/۱۴۵۱-۱۵۲۶ء)

فیروز شاہ کے بعد محمود شاہ جیسے کمزور بادشاہ کے عہد میں تیمور نے ہندستان پر حملہ کر کے دہلی کی مسلم سلطنت کو عرصے تک کے لیے کمزور کر دیا جس کے نتیجے میں کئی صوبائی حکومتیں مستحکم اور قائم ہو گئیں اور قریب نصف صدی تک انتشار و بحران کی کیفیت طاری رہی۔ اس کی واپسی کے بعد دولت خاں لودی نے دہلی سلطنت کو سہارا دیا اور فوجی مہمات سر کیں، مگر ۱۴۱۴ء میں خضر خاں کے مقابلے میں شکست کھائی اور حصار میں محصور ہو گیا اور اس طرح دہلی سلطنت خاندان تغلق سے نکل کر سادات کے ہاتھ میں چلی گئی، مگر حالات اتنے خراب ہو چکے تھے اور ہر طرف بغاوت و خود مختاری کی ایسی ہوائیں چل رہی تھیں کہ سلاطین سادات اپنے ۳۷ سالہ عہد میں کوئی بڑا کارنامہ نہیں انجام دے سکے، نہ مورخین نے ان کے عہد کی علمی سرگرمیوں کا کچھ حال لکھا، معاصر مورخ (V.D.Mahajan) نے سید عہد پر نظامی صاحب کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے کہ "(آخری سید بادشاہ علاء الدین عالم شاہ

کی رضا کارانہ ترک سلطنت کے بعد) سادات کی ۳۷ سالہ حکومت جو ملتان کی صوبیداری سے شروع ہوئی تھی، بدایوں کی صوبہ داری پر ختم ہوئی اور عہد وسطیٰ کی تاریخ کے لیے کوئی سیاسی و تہذیبی طور پر قابل ذکر چیز چھوڑے بغیر دہلی سلطنت کی تخریب و تعمیر کے درمیان ایک ناگزیر مرحلہ ثابت ہوئی "(۱)

نظامی صاحب اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں :

"۱۳۸۸ء سے ۱۴۵۱ء تک جو ۶۴، ۶۵ سال کا عرصہ گزرا وہ شمالی ہندستان میں بڑی ابتری اور انتشار کا دور تھا، ۱۳۹۸ء میں تیمور کا حملہ ہوا جس سے شمالی ہندستان کی سیاسی اور تمدنی زندگی کی بنیادیں ہل گئیں اور دہلی کی عظمت خاک میں مل گئی، فیروز شاہ کے کمزور اور نااہل جانشیں حالات پر قابو نہ پا سکے، ۱۴۱۳ء میں تغلق خاندان کا خاتمہ ہوا اور سیدوں کی حکومت قائم ہو گئی، یحییٰ سرہندی نے تاریخ مبارک شاہی میں ان سلاطین کا حال لکھا ہے لیکن ان کے مذہبی رجحانات کے متعلق کوئی معلومات بہم نہیں پہنچائی "(۲)

سلطان بہلول لودھی

(۱۴۵۱-۱۴۸۹ء)

لودھی سلاطین کی بادشاہت، ہندستان میں باقاعدہ افغانی النسل حکومت تھی، جس کی ابتدا، سلطان بہلول لودھی سے ہوئی۔ بہلول کے دادا ملک بہرام ملتان میں مقیم تھے جہاں ان کے ۵ بیٹے بھی ان کے ساتھ تھے، ان میں ایک کالا لودھی، بہلول کا باپ تھا، دوسرا بیٹا سلطان شاہ تھا جسے خضر خاں حاکم

---

(۱) The Sultanate of Delhi, V.D. Mahajan, P. 244

(۲) سلاطین دہلی ص ۴۳۸

ملتان نے اسلام شاہ کا والیٔ سرہند بنایا، کالا بھی اس کے ساتھ تھا جہاں بہلول کی ولادت ہوئی۔ کالا نیازی افغانوں کی ایک جنگ میں مارا گیا اور بہلول اپنے چچا اسلام شاہ کے زیر تربیت آگیا، وہ اسے بیٹے کی طرح مانتا تھا، اس نے اس کی لیاقت سے متاثر ہوکر اپنا داماد اور جانشیں بھی بنایا۔

بہلول سرہند، لاہور، پنجاب اور سندھ کا والی بھی بنا اور پھر ۸۵۰ھ میں ہندستان کا بادشاہ ہوا، مورخین نے بہلول کے اقتدار میں آنے کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ وہ تجارت کے سلسلے میں سامانہ سے گزر رہا تھا، جہاں وہ ابن سید نامی مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے پوچھا، تم میں سے کون شخص دو ہزار تنکہ میں دہلی کی بادشاہی خریدے گا؟، بہلول کے ساتھی قطب خاں اور فیروز خاں خاموش رہے، بہلول کے پاس ۱۶۰۰ تنکے تھے جنھیں اس نے یہ کہہ کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا کہ اس سے زیادہ نہیں، ان بزرگ نے وہ رقم قبول کرتے ہوئے خوشخبری دی کہ "بادشاہی دہلی مبارک باشد" اور تمہارے یہ دو ساتھی تمہاری نوکری کریں گے اور یہ شعر پڑھا ؎

سالکانِ رہِ ہمت چو ارادت بینند ملک کاؤس و فریدوں بہ گدای بدہند

خود بہلول یہ شعر پڑھتا تھا ؎

نعمتِ من ہیچ دانی از کجا است از درِ دلہا گدائی کردہ ام (۱)

بہلول حکمت و شجاعت، دینداری اور رعایا پروری، علم دوستی اور علماء نوازی میں امتیازی شان کا مالک تھا، اس نے چالیس سالہ عہد میں ہمیشہ فتح حاصل کی اس کے ساتھ ہی باہمی خونریزی و خانہ جنگی سے بھی بچنے کی کوشش کرتا تھا، شرقی سلطان نے جب اس پر کئی بار فوج کشی کی تو بالآخر اس نے اسے شکست دے کر جونپور کو اپنی مملکت میں

---

(۱) تاریخ داؤدی از عبداللہ (بتصحیح شیخ عبدالرشید) ۳، ۴ (علی گڈھ ۱۹۶۹ء)

Marfat.com

شامل کر لیا، اس کا طویل عہد حکومت عہدِ وسطیٰ کے بہترین زمانے میں شمار ہو سکتا ہے، شخصی طور پر بھی وہ بہت سے محاسن و فضائل کا حامل تھا مؤرخ عبداللہ لکھتا ہے:

"وہ دین پرور شجاعت شعار اور سخاوت آثار تھا طبعی حلیم و کریم تھا، شریعت کا سختی سے پابند تھا، بیشتر اوقات علماء و فقراء کی صحبت میں گزارتا تھا اور محتاجوں کی پرسشش احوال کرتا اور سائل کو کبھی محروم نہ کرتا تھا، پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھتا تھا، انصاف کا بڑا خیال رکھتا تھا اور رعایا کی عرضیاں خود سنتا تھا الخ" (۱)

عبداللہ نے بہلول کے عفو و حلم اور علماء کے احترام کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اس عہد کے ایک عالم ملا قادن نے جمعہ کے دن خطبہ کے بعد افغانوں کا مذاق اڑایا مگر بہلول نے مسکراتے ہوئے صرف اتنی تنبیہ کی کہ "ملا قادن! بس کن کہ ما ہم بندگان خدائیم"، (ملا قادن! بس کیجیے کہ ہم بھی خدا کے بندے ہیں) (۲)

بہلول نے سہروردی مشائخ کی بڑی قدردانی کی شیخ سماء الدین رح بھی اس پر شفقت فرماتے تھے جونپور کی تسخیر کے وقت بھی ان کی ہمدردیاں بہلول کے ساتھ تھیں، بہلول کی وفات پر وہ اس کی قبر پر مراقب ہوئے اور سلطان کی نجات اخروی کی بشارت سنائی۔

سکندر لودھی ۱۴۸۹-۱۵۱۷ء

سلطان سکندر لودھی بہ حیثیت مجموعی، سلاطین دہلی کے ان چند سلاطین میں ہے جو اپنی دینداری، علم پروری اور اچھے طرز حکومت کے لیے یاد کیے جاتے ہیں۔

---

(۱) تاریخ داؤدی ص ۱۰ (۲) ایضاً ص ۱۲ نیز واقعات مشتاقی ۱۰،۱۱ بحوالہ سلاطین دہلی ۳۴۴

Marfat.com

وہ خود عالم تھا اور علم و علماء کی قدر دانی بھی کرتا تھا، اس وجہ سے اس کے ۲۸ سالہ عہد میں علوم دینیہ اور علوم عقلیہ کے ساتھ فارسی ادب نے بھی بہت ترقی کی اور ہندوؤں نے بھی فارسی پڑھنی شروع کی۔ شیخ اکرام لکھتے ہیں: "سکندر ایک قابل اور بیدار مغز بادشاہ تھا، اس نے آگرہ کی بنیاد رکھی اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا..... اس نے علم و فن کی طرف بہت توجہ کی، اس کے زمانے میں ملتان کے دو بڑے عالم شیخ عبداللہ تلنبی، اور شیخ عزیز اللہ دہلی تشریف لائے انھوں نے درس و تدریس کے معیار کو بہت بلند کیا۔" (۱)

نظامی صاحب نے سکندر لودھی کے مذہبی تعصب و مبالغہ کو اس کے عہد میں غیر اسلامی رجحانات اور ارتداد کے واقعات کا ردِ عمل قرار دیا ہے، مگر مذہب کی حمایت کے باوجود اس نے رعایا پروری اور انصاف کا دامن نہیں چھوڑا چنانچہ ہندو، سرکاری دفاتر میں بڑی تعداد میں داخل ہوئے اور اہم عہدوں پر بھی فائز رہے، اور خود مسلمانوں نے بھی ہندی زبان میں شعر و ادب کی خدمت کی۔

علماء و مشائخ کی قدر دانی میں وہ اپنے نامور والد بہلول ہی کے نقشِ قدم پر تھا کر کشیتر کے اجتماع پر پابندی لگانے کے سلسلے میں اس نے علماء اور خاص طور پر ملک العلماء میاں عبداللہ جودھنی سے مشورہ کیا اور ان کا کلمۂ حق قبول کیا، اسی طرح تخت نشینی سے پہلے شیخ سماء الدینؒ کی خدمت میں میزان پڑھنے کے بہانے تین بار ان کی زبان سے "بدان أسعدك الله في الدارين" کہلانا اور پھر کتاب بند کر کے ان کی دست بوسی اس کے حسن عقیدت کا غماز ہے (۲)

بہار کے سفر میں اس نے علماء و مشائخ کے پاس حاضری دی اور شیخ بدھ حقانی

---

(۱) آبِ کوثر ۴۵۴ (۲) تاریخ داؤدی ۳۴

شیخ بدن منیری، شیخ بدھ طیب اور شیخ فخر الدین کو نذریں پیش کیں (۱) واقعات مشتاقی میں ہے کہ وہ ہر رات کھانے پر ۷۰ علماء کے ساتھ علمی مسائل پر گفتگو کرتا تھا (۲)

اس عہد کے علماء میں شیخ سعد اللہ (شیخ عبدالحق محدث کے دادا) شیخ رزق اللہ مشتاقی (شیخ محدث کے چچا) مولانا الہداد جونپوری، شیخ عبدالوہاب بخاری، شاہ جلال شیرازی، میاں طٰہٰ، حکیم بہوہ، میاں خواجگی، تلنبی برادران رفیع الدین صفوی، اور مولانا جمال الدین دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عبداللہ لکھتا ہے کہ "اس کی سلطنت کے زمانے میں عرب وعجم" اور اطراف ہند کے اکابر، علماء اور مشائخ اس کی عنایت و محبت کی وجہ سے دہلی و آگرہ آکر بس گئے تھے اور وہ خود بھی زیادہ تر آگرہ میں رہتا تھا،" (۳)

بادشاہ کی علم پروری کے رجحان کے سبب رعایا میں بھی یہ میلان پیدا ہو گیا تھا، عبداللہ لکھتا ہے کہ:

"کار خانۂ علمیت کار بجائے رسانیدہ کہ جمیع امرازادہا و سپاہیان بہ کسب فضائل مشغول بودند" (۴)

علم کا ایسا رواج ہوا کہ تمام امراء کے لڑکے اور سپاہی تک تحصیل علم و فضل میں مشغول ہو گئے تھے۔

عبداللہ اخیر میں کہتا ہے کہ "عہد سکندر عجیب عہد تھا اس زمانے کے لوگ خوش نصیب تھے کہ سکندر جیسا حاکم ان کو ملا تھا

بقومی کہ نیکی پسند خدای ۔۔۔ بہ ایشان دہد حاکم نیک رای
چو خواہد کہ ویراں شود عالمے ۔۔۔ کند ملک در پنجۂ ظالمے (۵)

---

(۱) سلاطین دہلی ۵۷ (۲) ایضاً ۵۸ نیز تاریخ داؤدی ۳۵، ۳۶،
(۳) تاریخ داؤدی ۳۶ (۴) ایضاً ۸۰ (۵) ایضاً ۷۹

Marfat.com

اور پھر اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے :۔

شہنشاہی چو ذوالقرنین گشت اسلام لبانی مسلم شد از اں بروی خطاب اسکندر ثانی (۱)

سلطان ابراہیم لودھی

۷ ذی الحجہ ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء میں سلطان سکندر لودھی کے انتقال پر اس کا بیٹا ابراہیم لودھی اس کا جانشیں ہوا وہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا، اس نے علماء کی قدر دانی بھی کی اور طبعاً بہادر اور شجاع بھی تھا، مگر غلط مشیروں کے مشوروں پر عمل کر کے وہ اپنے امراء اور ارکان سلطنت سے بدگمان ہوتا گیا جس کے نتیجے میں خود افغان امراء نے بابر کو ہندستان کی دعوت دی اور اس کے ساتھ مل کر ابراہیم کے ساتھ افغانی حکومت کو بھی ختم کر دیا۔

عبداللہ لکھتا ہے کہ "جب اقتدار پر پوری طرح قابض ہو گیا تو اپنے والد کے امراء سے بدگمان ہو گیا اور ان کو پریشان کرنے لگا جس کی وجہ سے وہ خوف و نفرت میں مبتلا ہو گئے اکثر امراء سکندری پر بداعتمادی کر کے انھیں قید میں ڈال دیا۔ سکندر کے امیر کبیر میاں بھوا جب کچھ کنارہ کش ہوئے تو ان سے بدگمان ہو کر ان کے پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر ملک آدم کے سپرد کر دیا جس کے یہاں انھوں نے وفات پائی، کچھ امراء قلعۂ گوالیار پر قبضہ کرنے والے تھے مگر اس نے انھیں آگرہ طلب کر کے ان کے اخلاص کے باوجود انھیں قید کر دیا، خان بزرگ اعظم ہمایوں شروانی کو بے قصور مقید کر دیا، اس وجہ سے بہت سے امراء نے علم مخالفت بلند کر دیا" (۲)

---

(۱) تاریخ داؤدی ۸۴ (۲) ایضا ۹۰

Marfat.com

کی حمایت، اور وجد انگیز نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانے میں حضرت مخدوم کے مکاتیب اور مکتوباتِ امام ربانی کی نظیر نہیں آتی، ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے محققین وعارفین کے علم وفکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے اور انھوں نے معرفت الٰہی، ایمان ویقین مشاہدہ وادراک، تصفیۂ قلب وتزکیۂ نفس، روح کی لطافت وذکاوت، اخلاق کی باریکیوں، اور نفس انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات وفتوحات حاصل کیں، اور ان کی ذکاوت اور قوت فکریہ کے طائر بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا اور کن کن فضاؤں میں پرواز کی۔

علوم ومعارف کے علاوہ یہ مکاتیب زور قلم، قوت بیانی اور حسن انشاء کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہتر ادبی نمونوں میں شامل اور "ادب عالی" میں شمار کیے جائیں" (۱) افسوس ہے کہ حضرت مخدوم کی کوئی عربی تصنیف محفوظ نہیں، تبرک کے طور پر عربی میں ان کے استغفار کی عبارت پچھلے صفحات پر پیش کی جا چکی ہے جو غالباً اس وقت ان کی واحد عربی تحریر کہی جا سکتی ہے۔

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت ۳/۲۴۰، ۲۴۱

(۸)

باب

(عربی ادب لودھی عہد میں)

(۸۵۵-۹۳۲ھ/۱۴۵۱-۱۵۲۶ء)

فیروز شاہ کے بعد محمود شاہ جیسے کمزور بادشاہ کے عہد میں تیمور نے ہندستان پر حملہ کر کے دہلی کی مسلم سلطنت کو عرصے تک کے لیے کمزور کر دیا جس کے نتیجے میں کئی صوبائی حکومتیں مستحکم اور قائم ہو گئیں اور قریب نصف صدی تک انتشار و بحران کی کیفیت طاری رہی۔ اس کی واپسی کے بعد دولت خاں لودی نے دہلی سلطنت کو سہارا دیا اور فوجی مہمات سر کیں، مگر ۱۴۱۴ء میں خضر خاں کے مقابلے میں شکست کھائی اور حصار میں محصور ہو گیا اور اس طرح دہلی سلطنت خاندان تغلق سے نکل کر سادات کے ہاتھ میں چلی گئی، مگر حالات اتنے خراب ہو چکے تھے اور ہر طرف بغاوت و خود مختاری کی ایسی ہوائیں چل رہی تھیں کہ سلاطین سادات اپنے ۳۷ سالہ عہد میں کوئی بڑا کارنامہ نہیں انجام دے سکے، نہ مورخین نے ان کے عہد کی علمی سرگرمیوں کا کچھ حال لکھا، معاصر مورخ (V.D.Mahajan) نے سید عہد پر نظامی صاحب کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے کہ "(آخری سید بادشاہ علاء الدین عالم شاہ

Marfat.com

کی رضا کارانہ ترک سلطنت کے بعد) سادات کی ۳۷ سالہ حکومت جو ملتان کی صوبیداری سے شروع ہوئی تھی، بدایوں کی صوبہ داری پر ختم ہوئی اور عہد وسطیٰ کی تاریخ کے لیے کوئی سیاسی و تہذیبی طور پر قابل ذکر چیز چھوڑے بغیر دہلی سلطنت کی تخریب و تعمیر کے درمیان ایک ناگزیر مرحلہ ثابت ہوئی "(۱)

نظامی صاحب اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

"۱۳۸۸ء سے ۱۴۵۱ء تک جو ۶۴، ۶۵ سال کا عرصہ گزرا وہ شمالی ہندستان میں بڑی ابتری اور انتشار کا دور تھا، ۱۳۹۸ء میں تیمور کا حملہ ہوا جس سے شمالی ہندستان کی سیاسی اور تمدنی زندگی کی بنیادیں ہل گئیں اور دہلی کی عظمت خاک میں مل گئی، فیروز شاہ کے کمزور اور نااہل جانشیں حالات پر قابو نہ پا سکے، ۱۴۱۳ء میں تغلق خاندان کا خاتمہ ہوا اور سیدوں کی حکومت قائم ہو گئی، یحییٰ سرہندی نے تاریخ مبارک شاہی میں ان سلاطین کا حال لکھا ہے لیکن ان کے مذہبی رجحانات کے متعلق کوئی معلومات بہم نہیں پہنچائی "(۲)

سلطان بہلول لودھی

(۱۴۵۱ - ۱۴۸۹ء)

لودھی سلاطین کی بادشاہت، ہندستان میں باقاعدہ افغانی النسل حکومت تھی، جس کی ابتدا سلطان بہلول لودھی سے ہوئی۔ بہلول کے دادا ملک بہرام ملتان میں مقیم تھے جہاں ان کے ۵ بیٹے بھی ان کے ساتھ تھے، ان میں ایک کالا لودھی، بہلول کا باپ تھا، دوسرا بیٹا سلطان شاہ تھا جسے خضر خاں حاکم

---

(۱) The Sultanate of Delhi, V.D. Mahajan, P. 244

(۲) سلاطین دہلی ص ۴۳۸

Marfat.com

ملتان نے اسلام شاہ کا والیٔ سرہند بنایا، کالا بھی اس کے ساتھ تھا جہاں بہلول کی ولادت ہوئی۔ کالا نیازی افغانوں کی ایک جنگ میں مارا گیا اور بہلول اپنے چچا اسلام شاہ کے زیر تربیت آگیا، وہ اسے بیٹے کی طرح مانتا تھا، اس نے اس کی لیاقت سے متاثر ہوکر اپنا داماد اور جانشیں بھی بنایا۔

بہلول سرہند، لاہور، پنجاب اور سندھ کا والی بھی بنا اور پھر ۸۵۰ھ میں ہندستان کا بادشاہ ہوا، مورخین نے بہلول کے اقتدار میں آنے کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ وہ تجارت کے سلسلے میں سامانہ سے گزر رہا تھا، جہاں وہ ابن سید نامی مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے پوچھا، تم میں سے کون شخص دو ہزار تنکہ میں دہلی کی بادشاہی خریدے گا؟، بہلول کے ساتھی قطب خاں اور فیروز خاں خاموش رہے، بہلول کے پاس ۱۶۰۰ تنکے تھے جنھیں اس نے یہ کہہ کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا کہ اس سے زیادہ نہیں، ان بزرگ نے وہ رقم قبول کرتے ہوئے خوشخبری دی کہ "بادشاہی ذھلی مبارک باشد" اور تمہارے یہ دو ساتھی تمہاری نوکری کریں گے اور یہ شعر پڑھا ؎

سالکانِ رہِ ہمت چو ارادت بینند ملک کاؤس و فریدوں بہ گدای بدہند

خود بہلول یہ شعر پڑھتا تھا ؎

نعمتِ من ہیچ دانی از کجا است از درِ دلہا گدائی کردہ ام (۱)

بہلول حکمت و شجاعت، دینداری اور رعایا پروری، علم دوستی اور علماء نوازی میں امتیازی شان کا مالک تھا، اس نے چالیس سالہ عہد میں ہمیشہ فتح حاصل کی اس کے ساتھ ہی باہمی خونریزی و خانہ جنگی سے بھی بچنے کی کوشش کرتا تھا، شرقی سلطان نے جب اس پر کئی بار فوج کشی کی تو بالآخر اس نے اسے شکست دے کر جونپور کو اپنی مملکت میں

---

(۱) تاریخ داؤدی از عبداللہ (بتصحیح شیخ عبدالرشید) ۳، ۴ (علی گڑھ ۱۹۶۹ء)

Marfat.com

شامل کرلیا، اس کا طویل عہد حکومت عہدِ وسطیٰ کے بہترین زمانے میں شمار ہوسکتا ہے، شخصی طور پر بھی وہ بہت سے محاسن و فضائل کا حامل تھا، مؤرخ عبداللہ لکھتا ہے:

"وہ دین پرور شجاعت شعار اور سخاوت آثار تھا طبعی حلیم و کریم تھا، شریعت کا سختی سے پابند تھا، بیشتر اوقات علماء و فقراء کی صحبت میں گزارتا تھا اور محتاجوں کی پرسشش احوال کرتا اور سائل کو کبھی محروم نہ کرتا تھا، پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھتا تھا، انصاف کا بڑا خیال رکھتا تھا اور رعایا کی عرضیاں خود سنتا تھا الخ"(۱)

عبداللہ نے بہلول کے عفو و حلم اور علماء کے احترام کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اس عہد کے ایک عالم ملا قادن نے جمعہ کے دن خطبہ کے بعد افغانوں کا مذاق اڑایا مگر بہلول نے مسکراتے ہوئے صرف اتنی تنبیہ کی کہ "ملا قادن! بس کن کہ ما ہم بندگان خدائیم"، (ملا قادن! بس کیجیے کہ ہم بھی خدا کے بندے ہیں) (۲)

بہلول نے سہروردی مشائخ کی بڑی قدردانی کی شیخ سماء الدین بھی اس پر شفقت فرماتے تھے جونپور کی تسخیر کے وقت بھی ان کی ہمدردیاں بہلول کے ساتھ تھیں، بہلول کی وفات پر وہ اس کی قبر پر مراقب ہوئے اور سلطان کی نجات اخروی کی بشارت سنائی۔

سکندر لودھی ۱۴۸۹-۱۵۱۷ء

سلطان سکندر لودھی بہ حیثیت مجموعی، سلاطین دہلی کے ان چند سلاطین میں ہے جو اپنی دینداری، علم پروری اور اچھے طرز حکومت کے لیے یاد کیے جاتے ہیں۔

---

(۱) تاریخ داؤدی ص ۱۰ (۲) ایضاً ص ۱۲ نیز واقعات مشتاقی ۱۰، ۱۱ بحوالہ سلاطین دہلی ۳۴۳

Marfat.com

وہ خود عالم تھا اور علم و علماء کی قدر دانی بھی کرتا تھا، اس وجہ سے اس کے ۲۸ سالہ عہد میں علوم دینیہ اور علوم عقلیہ کے ساتھ فارسی ادب نے بھی بہت ترقی کی اور ہندوؤں نے بھی فارسی پڑھنی شروع کی۔ شیخ اکرام لکھتے ہیں: "سکندر ایک قابل اور بیدار مغز بادشاہ تھا، اس نے آگرہ کی بنیاد رکھی اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا..... اس نے علم و فن کی طرف بہت توجہ کی، اس کے زمانے میں ملتان کے دو بڑے عالم شیخ عبداللہ تلنبی، اور شیخ عزیز اللہ دہلی تشریف لائے انھوں نے درس و تدریس کے معیار کو بہت بلند کیا"۔ (۱)

نظامی صاحب نے سکندر لودھی کے مذہبی تعصب و مبالغہ کو اس کے عہد میں غیر اسلامی رجحانات اور ارتداد کے واقعات کا ردِ عمل قرار دیا ہے، مگر مذہب کی حمایت کے باوجود اس نے رعایا پروری اور انصاف کا دامن نہیں چھوڑا چنانچہ ہندو، سرکاری دفاتر میں بڑی تعداد میں داخل ہوئے اور اہم عہدوں پر بھی فائز رہے، اور خود مسلمانوں نے بھی ہندی زبان میں شعر و ادب کی خدمت کی۔

علماء و مشائخ کی قدر دانی میں وہ اپنے نامور والد بہلول ہی کے نقشِ قدم پر تھا کرکشیتر کے اجتماع پر پابندی لگانے کے سلسلے میں اس نے علماء اور خاص طور پر ملک العلماء میاں عبداللہ جودھنی سے مشورہ کیا اور ان کا کلمۂ حق قبول کیا، اسی طرح تخت نشینی سے پہلے شیخ سماء الدین رح کی خدمت میں میزان پڑھنے کے بہانے تین بار ان کی زبان سے "بداں أسعدك اللہ فی الدارین" کہلانا اور پھر کتاب بند کرکے ان کی دست بوسی اس کے حسن عقیدت کا غماز ہے (۲)

بہار کے سفر میں اس نے علماء و مشائخ کے پاس حاضری دی اور شیخ بدھ حقانی

---

(۱) آبِ کوثر ۴۵۴ (۲) تاریخ داؤدی ۳۴

Marfat.com

شیخ بدن منیری، شیخ بدھ طیب اور شیخ فخر الدین کو نذریں پیش کیں (۱) واقعات مشتاقی میں ہے کہ وہ ہر رات کھانے پر ۷۰ علماء کے ساتھ علمی مسائل پر گفتگو کرتا تھا (۲)

اس عہد کے علماء میں شیخ سعد اللہ (شیخ عبد الحق محدث کے دادا) شیخ رزق اللہ مشتاقی (شیخ محدث کے چچا) مولانا الہداد جونپوری، شیخ عبدالوہاب بخاری، شاہ جلال شیرازی، میاں طٰہٰ، حکیم بہوہ، میاں خواجگی، تلنبی برادران رفیع الدین صفوی، اور مولانا جمال الدین دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عبد اللہ لکھتا ہے کہ "اس کی سلطنت کے زمانے میں عرب و عجم" اور اطراف ہند کے اکابر، علماء، اور مشائخ اس کی عنایت و محبت کی وجہ سے دھلی و آگرہ آکر بس گئے تھے اور وہ خود بھی زیادہ تر آگرہ میں رہتا تھا"، (۳)

بادشاہ کی علم پروری کے رجحان کے سبب رعایا میں بھی یہ میلان پیدا ہوگیا تھا، عبد اللہ لکھتا ہے کہ :

"دکار خانۂ علمیت کار بجائے	علم کا ایسا رواج ہوا کہ تمام امراء
رسانیده که جمیع امرازادہا و پاہیاں	کے لڑکے اور سپاہی تک تحصیل علم و
به کسب فضائل مشغول بودند" (۴)	وفضل میں مشغول ہو گئے تھے ۔

عبد اللہ اخیر میں کہتا ہے کہ "عہد سکندر عجیب عہد تھا اس زمانے کے لوگ خوش نصیب تھے کہ سکندر جیسا حاکم ان کو ملا تھا

بقومی کہ نیکی پسند د خدای
دہد حاکم نیک رای
چو خواہد کہ ویراں شود عالمے
کند ملک در پنجۂ ظالمی (۵)

---

(۱) سلاطین دھلی ۷۵ ۴ (۲) ایضا ۵۸ ۴ نیز تاریخ داؤدی ۳۵ ، ۳۶

(۳) تاریخ داؤدی ۳۶ (۴) ایضا ۴۰ (۵) ایضا ۷۹

Marfat.com

اور پھر اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے :-

شہنشاہی چو ذوالقرنین گشت اسلام ربانی   مسلم شد از اں بروی خطاب اسکندر ثانی (۱)

سلطان ابراہیم لودھی

۷ ذی الحجہ ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء میں سلطان سکندر لودھی کے انتقال پر اس کا بیٹا ابراہیم لودھی اس کا جانشیں ہوا وہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا، اس نے علماء کی قدر دانی بھی کی اور طبعاً بہادر اور شجاع بھی تھا، مگر غلط مشیروں کے مشوروں پر عمل کر کے وہ اپنے امراء اور ارکان سلطنت سے بدگمان ہوتا گیا جس کے نتیجے میں خود افغان امراء نے بابر کو ہندستان کی دعوت دی اور اس کے ساتھ مل کر ابراہیم کے ساتھ افغانی حکومت کو بھی ختم کر دیا۔

عبد اللہ لکھتا ہے کہ "جب اقتدار پر پوری طرح قابض ہو گیا تو اپنے والد کے امراء سے بدگمان ہو گیا اور ان کو پریشان کرنے لگا جس کی وجہ سے وہ خوف و نفرت میں مبتلا ہو گئے اکثر امراء سکندری پر بداعتمادی کر کے انھیں قید میں ڈال دیا۔ سکندر کے امیر کبیر میاں بھوا جب کچھ کنارہ کش ہوئے تو ان سے بدگمان ہو کر ان کے پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر ملک آدم کے سپرد کر دیا جس کے یہاں انھوں نے وفات پائی، کچھ امراء قلعۂ گوالیار پر قبضہ کرنے والے تھے مگر اس نے انھیں آگرہ طلب کر کے ان کے اخلاص کے باوجود انھیں قید کر دیا، خان بزرگ اعظم ہمایوں شروانی کو بے قصور مقید کر دیا، اس وجہ سے بہت سے امراء نے علم مخالفت بلند کر دیا" (۲)

---

(۱) تاریخ داؤدی ۸۴ (۲) ایضاً ۹۰

Marfat.com

جنگ پانی پت (۸ رجب ۹۳۲ھ) کے دن جب بقول عبداللہ خونریزی کے سبب چشم روزگار خیرہ ہوگئی تو کسی مقرب نے ابراہیم سے کہا کہ جنگ ختم کرکے کوئی اور تدبیر کی جائے تو ابراہیم نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ بادشاہ سرخروئی کی علامت کے طور پر اپنے خیمے سرخ بناتے ہیں اور ہم نے تو اسے اپنے خون سے سرخ کیا ہے اب زرد کیسے کریں ؎

دگر سوی ردیم آں نخود نہ مردی است　　　نہ کار سرخرویاں روی زردی است" (۱)

یہ ابراہیم کی بدنصیبی ہے کہ مؤرخین نے بابر کے چڑھتے سورج کے مقابلے میں افغانی حکومت کے اس ڈوبتے ہوئے سلسلے کی روشنی کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اس کے عہد کے حالات پردۂ خفا میں رہ گئے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ لودھی عہد ہندستان کے لیے ایک مثالی عہد تھا جس میں اسلامیت کے ساتھ ہندستانیت کا ایک خوشگوار امتزاج پیش کرنے کی کوشش جاری تھی جسے بابر و ہمایوں کے بعد پھر شیر شاہ سوری نے فروغ دینے کی سعیٔ مشکور کی، لودھی اور سوری عہد میں ہندی ادب کو ترقی دی گئی، ہندوؤں کو فارسی کی طرف متوجہ کیا گیا، طرز تعمیر میں بھی ہندستانیت کو شامل کیا گیا اس طرح مغلوں کے مبالغہ آمیز سیکولر طرز حکومت کے بجائے ایک مثالی قومی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔

لودھی عہد کے ممتاز علماء و ادباء

(شیخ عبداللہ عثمانی تلنبی) معقولات کے ممتاز عالم شیخ عبداللہ

---

(۱) تاریخ داؤدی ۱۰۳

بن الہ داد عثمانی ملتانی ثم دھلوی ملتانہ (ملتان) کے رہنے والے تھے، معقولات کی تعلیم آپ نے عراق جا کر عبد اللہ یزدی سے پائی پھر ملتان میں درس و افادہ میں لگے رہے، ملتان کی تباہی کے بعد دھلی آگئے جہاں سکندر لودھی نے آپ کا بہت استقبال کیا اور ملک العلماء کا خطاب دیا۔

آپ سے پہلے ہندستان کے عربی مدارس میں شرح شمسیہ، اور شرح صحائف ہی متداول تھیں، وہ عراق سے اپنے ساتھ معقولات کی اور کتابیں لائے اور انھیں داخل نصاب کیا، سلطان سکندر لودھی پہلے سے ان کے درس میں شریک ہو جاتا اور درس کے بعد دیر تک استفادہ کرتا تھا، ایک بار مولانا عبد اللہ اور ان کے ہم وطن مولانا عزیز اللہ تلنبی اور شیخ الہ داد جونپوری اور ان کے صاحبزادے شیخ بھکاری جونپوری کے مابین سکندر کے دربار میں مناظرہ ہوا جس کے بارے میں سلطان نے فیصلہ کیا کہ تقریر میں تلنبی حضرات اور تحریر میں شیخ الہداد اور ان کے صاحبزادے کا پلہ بھاری ہے (۱)

مولانا عبد اللہ تلنبی علم و فضل کے ساتھ جرأت و حق گوئی کے بھی مالک تھے چنانچہ کوکشتیر میں ہندوؤں کے کسی ہنگامہ سے ناخوش ہو کر ان پر سختی کا ارادہ کیا تو مولانا عبد اللہ نے یہ کہہ کر کہ یہ اہل ذمہ کے بارے میں اسلامی احکام کے خلاف ہے، سلطان کو باز رکھنے کی کوشش کی جس پر سلطان نے غضبناک ہو کر ان کو بھی دھمکایا مگر وہ اپنے موقف پر قائم رہے اور بالآخر سلطان کو شرعی فیصلے کے سامنے جھکنا پڑا۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر ۴/۲۰۴، ۲۰۵

Marfat.com

بدایونی کا بیان ہے کہ ۴۰ سے زیادہ متبحر علماء مولانا تلبنی کے شاگرد تھے جن میں میاں لاڈن عبدالغفور بن نصیر الدین دھلوی، حمبالی دہلوی شیخ گوالیاری، میراں سید جلال الدین بدایونی بھی ہیں، شیخ عبدالحق کے نانا شیخ اڈھن (زین العابدین دھلوی) بھی ان کے شاگرد تھے، ان کی وفات ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء میں ہوئی۔ آزاد بلگرامی انھیں تاج العلماء سراج الفضلاء اور وحید عصر کہتے ہیں (۱) نواب صدیق حسن خاں علوم عقلیہ ونقلیہ کا سردار بتاتے ہیں (۲) ان کی میزان المنطق اور شرح بدیع المیزان کو ہندستان میں علوم عقلیہ پر اولیں کتابیں ہونے کا فخر حاصل ہے۔

شیخ عبداللہ تلبنی

شیخ عزیزاللہ، شیخ عبداللہ کے معاصر، ہم وطن اور علم وفضل میں ہم پلہ تھے، انھوں نے سنبھل کو اپنا مرکز درس بنایا، سلطان سکندر کی سرپرستی آپ کو بھی حاصل تھی، تلامذہ میں نظام الدین خیرآبادی شیخ حاتم سنبھلی کے نام ہیں ۹۳۲ھ میں انتقال کیا (۳) تصانیف میں رسالہ عینیہ، امان اللہ پانی پتی (م ۹۵۷ھ) کے رسالہ غیریہ کے جواب میں لکھا

شیخ رفیع الدین صفوی شیرازی

لودھی عہد کے ممتاز عالم ومحدث شیخ رفیع الدین بن مرشدالدین حسینی

---

(۱) سبحۃ المرجان ۱۰۳ (۲) ابجدالعلوم ۸۹۴ (بھوپال) (۳) نزہتہ ۴/۲۲۵

Marfat.com

شیرازثم اکبرآبادی نے محقق دوّانی سے تحصیل علم کی اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور نامور مصری محدث شمس الدین سخاوی سے سند لے کر ہندستان آئے تو سکندر لودھی ان کا معتقد ہوگیا، وہ انھیں حضرت عالیٰ سے خطاب کرتا تھا، سکندر کی اجازت سے وہ آگرہ میں مقیم ہوگئے تھے، ۹۵۴ھ میں وفات پائی (۱)

ڈاکٹر اسحاق لکھتے ہیں "سلطان سکندر کو علم حدیث سے گہری دلچسپی تھی اور اس کے حکم سے صحیح مسلم کا ایک نسخہ نقل کیا گیا تھا جو بانکی پور کے کتب خانہ علوم مشرقیہ میں محفوظ ہے (فہرست ۵/۲۱۹) سلطان سکندر لودھی نے رفیع الدین کے لیے شہر کے ایک محلہ میں مکان بنوایا اور اس محلہ کا نام ان کے نام پر رکھا گیا، یہاں رفیع الدین ۳۴ برس تک حدیث کا درس دیتے رہے .... رفیع الدین کے شیر شاہ سوری سے بھی گہرے مراسم تھے، شیر شاہ کی بے وقت موت سے اس کا یہ منصوبہ پورا نہ ہوسکا کہ رفیع الدین کو سلطان ترکی کے دربار میں اس مقصد سے متعین کیا جائے کہ ایران میں فرقہ واری خطرہ کا سدباب کیا جائے اور حاجیوں کے لیے ایک شاہراہ کے ذریعہ ہند کو حجاز سے مربوط کر دیا جائے (۲) ابوالفتح تھانیسری محدث بھی آپ کے تلامذہ میں ممتاز تھے

حاجی سید عبدالوہاب بخاری

بقول مولوی رحمان علی صاحب، شاہ جلال بخاری کی اولاد میں ہیں جو جلال الدین مخدوم جہانیاں کے دادا تھے، سکندر لودی انکا بہت معتقد تھا۔۔۔ ان کی ایک

---

(۱) نزہتہ ۴/۱۱۵، اخبار الاخیار ۲۴۰ (۲) علم حدیث ۱۲۴، ۱۲۵

Marfat.com

تفسیر ہے جس میں اکثر بلکہ تمام قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت سے تعبیر کیا ہے (۱)

شیخ عبد الحق ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک دن اپنے استاذ، پیر اور خسر صدر الدین بخاری کی خدمت میں تھے کہ ان سے سنا کہ دو بڑی نعمتیں موجود ہیں لیکن لوگ ان کی قدر نہیں کرتے ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک ہے جو بصفت حیات مدینہ منورہ میں موجود ہے اور دوسرا قرآن جو کلام الٰہی ہے اور اس کے ذریعہ حق تعالیٰ بلا واسطہ ہم کلام ہے مگر دونوں کی لوگ قدر نہیں کر پاتے، یہ سن کر وہ عازم مدینہ ہوئے اور زیارت کے بعد واپس آئے اور سلطان سکندر نے بڑا اکرام کیا، دوسری بار بھی زیارت حرمین سے مشرف ہوئے اور ۹۳۲ھ میں دہلی میں انتقال کیا۔

انھوں نے پورے قرآن کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے طور پر کی ہے اور دقائق عشق اور اسرار محبت بیان کیے ہیں، جو غلبۂ حال میں لکھے گئے ہیں اور کہیں کہیں تکلف نمایاں ہو گیا ہے" (۲)

شیخ عبد الحق نے اس تفسیر کے نمونے ۴ صفحات میں دیے ہیں اور لکھا ہے کہ انھوں نے کل ۶ ماہ اور چند دنوں میں یہ تفسیر لکھ لی تھی (۳) اس سے ان کی ذہانت و طباعی اور حبِ رسولؐ کا پتہ چلتا ہے ان کی عربی بھی صاف اور سلیس ہے

حکیم بہوہ بن خواص خاں

میاں بہوہ اکبر آبادی سلطان سکندر

---

(۱) تذکرہ علماء ہند: ۱۳۸ (۲) اخبار الاخیار ۷۰ (۳) ایضاً ص ۲۱۱

Marfat.com

کے وقت کی ایک جامع الجہات شخصیت ہے جو عربی و فارسی کا فاضل، یونانی و ہندستانی طب کا ماہر، سنسکرت کا واقف کار، صاحب تصنیف عالم اور لودھیوں کا وزیر باتدبیر تھا اور جس کی غیر معمولی ذہانت و فطانت کے قصے واقعات مشتاقی اور "افسانۂ شاہاں" میں نقل ہوئے ہیں، وہ عالم ہونے کے ساتھ علم نواز بھی تھا اس لیے اس کے گرد علماء و ماہرین فن کا مجمع لگا رہتا تھا اور وہ ہر فن کی کتابیں اہل علم کو فراہم کرتا رہتا تھا (۱)

حمیدیہ کالج بھوپال کے استاذ تاریخ کشوری سرن لال لکھتے ہیں:

"سکندر کے وزیر میاں بھوہ نے ہندستانی اور غیر ملکی مصنفین سے ہر موضوع پر کتابیں لکھنے کی فرمائش کی" (۲) ۹۲۳ھ کے قریب وفات پائی۔

اس وقت میاں بھوہ کی ایک ہی کتاب ملتی ہے جو "معدن الشفا یا طب سکندری" کے نام سے معروف ہے اور ۴۹۲ بڑے صفحات پر نولکشور پریس سے ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس نے کتاب کے دیباچہ میں سلطان سکندر کی بڑی تعریف کی ہے اور اس کی اسلامیت، ذہانت، رعیت نوازی، علم پروری اور بذل و کرم کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ فصحائے روزگار اور علمائے کبار نے ہر علم و فن میں کتابیں لکھیں اور ہر فتح کے موقع پر فتح نامے لکھے (۳)

معدن الشفا میں ہندستانی ادویہ کے عربی فارسی نام، ان کے خواص اور امراض و علاج کی مفصل اور حیرت انگیز معلومات ملتی ہیں۔

---

(۱) معدن الشفا ۴۹۰ (۲) Twilight of the Sultanate: Kishori Saran Lal P-247, Bombay (1963)

(۳) معدن الشفا ص ۳ (لکھنؤ ۱۸۷۷ء)

Marfat.com

مولانا جمالی دہلوی

علمی لحاظ سے عہد سکندری کی ایک اور نمایاں شخصیت جلال الدین خاں بن فضل اللہ جمالی دہلوی کی ہے جو شیخ سماء الدین کے مرید بھی تھے، وہ اپنے عہد کے بڑے شاعر عالم اور سیاح تھے، شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ عہد سکندر سے لے کر عہد بابر تک سلاطین سے ان کے تعلقات رہے اور ان کے اس نعتیہ شعر کی بارگاہ رسالت میں قبولیت کی اہل دل نے بشارت دی ہے ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات　　تو عین ذات می نگری در تبسمی!

۱۰ ذی القعدہ ۹۴۲ھ کو گجرات میں ہمایوں کی ہمراہی میں انتقال کیا، مزار خواجہ قطب الدین کے پاس زندگی میں بنوا رکھا تھا ان کے ایک صاحبزادے عبدالحی حیاتی بھی شاعر، آزاد منش اور انسان دوست تھے ۹۵۹ھ میں وفات پائی۔ (۱)

دوسرے فرزند گدائی ہمایوں کے مقرب تھے شیر شاہ کے غلبہ کے بعد حرمین چلے گئے اور اکبر کے وقت میں واپس آئے اور اعزاز پایا ۹۶۸ھ میں وفات پائی (۲)

جمالی نے اپنی سیاحت کے ممالک میں حرمین شریفین، مغرب، یمن، قدس، روم و شام، عراق، ایران اور افغانستان کے نام لیے ہیں اور ہرات کے بارے میں لکھا ہے کہ "شیخ محمد زوجی، عبدالعزیز جامی، مولانا جامیؒ، شیخ الاسلام ہروی (شہید بدست اسماعیل صفوی) مولانا مسعود شروانی، حسین واعظ کاشفی اور مولانا عبدالغفور لاری سے مستفید ہوا البتہ اور قیام اس فقیر کا مولانا جامی کے پاس تھا، (۳) مولانا جامی کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے لمعات عراقی

---

(۱) اخبار الاخیار ۲۱۸ (۲) سیر العارفین از جمالی اردو ترجمہ از غلام احمد سنبھلی ۱/۱۶۰ مراد آباد ۱۹۰۱ء
(۳) سیر العارفین ۱/۱۳

کو ابن عربی کا فیض بتایا اور میں نے اختلاف کیا خواب میں مولانا جامی نے عراقی کو شیخ صدر الدین ملتانی کی نعلین اٹھائے دیکھا اور صبح کو جمالی کے ہم خیال ہو گئے "(۱) تذکروں میں ہے کہ انھوں نے مولانا جامی کے سامنے اپنا یہ شعر پڑھا جس سے وہ انھیں پہچان گئے (۲)

ما را ز خاک کویت پیراہن ست برتن — آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

تذکرہ نگاروں نے ان کا یہ اچھا شعر بھی نقل کیا ہے ؎

چوں زید دل خستہ بیمارے کہ صد بار از امید — چشم بکشاد و ترا یک بار بر بالیں ندید

مولانا عبدالحی حسنی نے جمالی کی ملاقات جلال الدین دوانی، احمد اندلسی وغیرہ سے بتانے کے بعد لکھا ہے کہ انھوں نے حجاز میں ابن حجر ہیتمی سے حدیث کی تعلیم پائی تھی (۳)

سیر العارفین میں انھوں نے حضرت خواجہ معین الدین سے لے کر اپنے عہد تک کے مشاہیر صوفیہ کا اچھا تذکرہ لکھا ہے مگر کشف و کرامت اور عجائب وغرائب پر زیادہ زور دیا ہے۔ پھر بھی وہ ایک معلومات افزا تذکرہ ہے۔

جمالی اگرچہ صوفی تھے لیکن درباداری کی بدولت ان میں اتنی دنیا داری ضرور آگئی تھی کہ سکندر اور ابراہیم لودھی کے قصائد لکھنے کے بعد نہ صرف یہ کہ بابر و ہمایوں کے قصیدے لکھے بلکہ ابراہیم پر بڑی جارحانہ تعریض بھی کی جو باعثِ حیرت ہے۔

عیسیٰ بن محمد صفوی شافعی

نجم الدین غزی دمشقی (م ۱۰۶۱ھ) نے عہد ابراہیم لودھی کے ایک عالم عیسیٰ بن محمد

---

(۱) سیر العارفین ۱/۱۴۴ (۲) ایضاً ۱/ ۵۹ (۳) نزہۃ الخواطر ۴/ ۱۷

صفوی کے ذکر میں لکھا ہے کہ، وہ گجرات میں ۶ سال ابوالفضل گازرونی (صاحب حاشیہ بیضاوی و شرح ارشاد) کے پاس رہے پھر ابوالفضل استرابادی سے سماعت کے بعد دلی میں سلطان ابراہیم بن سکندر کی مجلس علماء میں حاضر ہوئے اور ان سے بحث میں جب ان کی فضیلت ظاہر ہوئی تو سلطان نے ان کا بڑا اکرام کیا، انھیں علامہ دوانی سے بھی اجازت تھی۔۔۔۔۔ ۹۳۹ھ میں دمشق آئے تو اہل دمشق و حلب نے ان سے تحصیل علم کی اور انھوں نے وہاں علامہ رضی کی شرح کافیہ کا درس دیا۔

ان کی کتابوں میں شرح کافیہ، سید شریف جرجانی کی الغرۃ کی شرح (جو منطق میں ہے) اور معانی و بیان میں فوائد غیاثیہ کی شرح ہے" (۱)

---

(۱) الکواکب السائرۃ باعیان المائۃ العاشرۃ، للغزی ۲/۲۳۴-۲۳۳ (بیروت ۱۹۷۲ء)

(ضمیمہ) (۱)

ہندستان کے قدیم ترین عربی کتبات

ہندستان میں عربی ادب کے مؤرخین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہندستان بھر میں پھیلے ہوئے اسلامی عہد کے آثار میں عربی کتبات کے نقش و نگار کو نمایاں کریں کہ اب ان آثار ہی کے ذریعہ اس عہد کی صحیح تاریخ سے واقف ہو سکیں گے ؎

تلك آثارنا تدل علينا فانظروا بعدنا الى الآثار

ان آثار کے علاوہ اس عہد کے شاہی فرامین میں عربی کے طغرے ہوتے تھے، کتابوں کے دیباچے عام طور پر عربی میں لکھے جاتے تھے،

سکوں پر سلاطین کے نام عربی میں ہوتے تھے، ان سب پر توجہ کی ہے جو تاریخ کا مواد خام ہیں،

سرسید مرحوم نے 'آثار الصنادید' میں دہلی کے عربی فا کتبات کے بڑے حصہ کو جمع کرنے کی کوشش کی تھی۔

ایک مستشرق نے قطب مینار کے کتبات مرتب کیے ہیں جن معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے بعد قطب مینار کے عربی کتبات قدیم ترین

کتبات ہیں، قطب مینار (دہلی) پر متعدد عربی عبارات اور قرآنی آیات بخط طغرا موجود ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

"فی شہور سنة اثنی وتسعین ۵۹۲ھ وخمسمائة جرت هذه العمارة بعالی امر السلطان المعظم معز الدنیا والدین محمد بن سام ناصر امیر المؤمنین"۔

مینار کی نچلی منزل کے تیسرے چوتھے بند میں یہ عبارت ہے:

"السلطان المعظم، شاهنشاه الأعظم، مالك رقاب الأمم مولی ملوك العرب والعجم سلطان السلاطین فی العالم غیاث الدنیا والدین معز الاسلام والمسلمین، محی العدل فی العالمین ......شهاب الخلافة، باسط الاحسان والرأفة فی الثقلین ظل الله فی الخافقین، الحامی لبلاد الله الراعی لعباد الله، محرز ممالك الدنیا ومظهر کلمة الله هی العلیا، ابو المظفر محمد بن سام قسیم أمیر المومنین أنار الله برهانه"۔(۱)

بہار کے ایک محقق ڈاکٹر قیام الدین احمد کا کہنا ہے کہ مشرقی ہندستان کا سب سے پرانا کتبہ حضرت مخدوم بہاریؒ کے مزار پر اس طرح ہے:

"أمر ببناء هذه العمارة فی أیام مملکة المجلس

---

(1) An Historical Memoir on the Qutb: Delhi, -P. 29,31, by: J.A. Page, Delhi (1970)

العالی خان الأعظم خاقان المعظم عز الحق والدین غیاث الاسلام والمسلمین، مغیث الملوک والسلاطین أبی الفتح طغرل السلطانی خلد اللّٰہ ملکہ۔ العبد مبارک الخازن تقبل اللّٰہ منہ فی المحرم ۶۴۰ھ" (۱۲۴۲ء)

وہ لکھتے ہیں کہ طغرل طوغان خاں ترکی غلام تھا جو التمش کے بعد ۶۳۰ھ میں بہار کا گورنر بنا اور پھر تقریباً خود مختار حکمراں ہوگیا، ۱۲۴۷ء میں اودھ کے گورنر کی حیثیت سے انتقال کیا(۱)

ڈاکٹر احمد نے ذیل کی عبارت کو پٹھان عہد کا آخری عربی کتبہ کے طور پر پیش کیا ہے:

"بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، لاالٰہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔ فی عہد الدولۃ نصیر الملۃ والمسلمین قاطع اھل البدعۃ ومحی السنۃ المؤید من السماء المظفر من الأعداء سلیم شاہ سلطان خلد اللّٰہ ملکہ وسلطانہ وأعلا امرہ وشانہ ۹۵۲ھ"

یہ کتبہ شیر شاہ کے مزار (سہسرام، بہار) کی مغربی دیوار کی محراب پر لگا ہوا ہے۔ (۲)

---

(۱) (۲) Corpus of Arabic & Persian inscription of Bihar — by: Qeyamuddin Ahmed, pp. 6, 142, (PATNA, 1973)

Marfat.com

ماخذ و مصادر

۱۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان۔	مولانا غلام علی آزاد بلگرامی	علی گڈھ ۱۹۷۶ء
۲۔ خزانۂ عامرہ	،،	کانپور ۱۸۷۱ء
۳۔ عرب و ہند کے تعلقات	مولانا سید سلیمان ندوی	الہ آباد ۱۹۳۰ء
۴۔ تاریخ الصلات بین الہند والبلاد العربیہ	الدکتور اسماعیل الندوی	بیروت ۱۹۶۸ء
۵۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (جلد دوم)	مدیر: پروفیسر عبدالقیوم	لاہور ۱۹۷۲ء
۶۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ۔	ڈاکٹر زبید احمد	لاہور ۱۹۷۳ء
۷۔ لغات جدیدہ	مولانا سید سلیمان ندوی	اعظم گڈھ، ۱۹۳۷ء
۸۔ ارض القرآن (۱)	،،	،، ۱۹۵۵ء
(۲)	،،	،، ۱۹۵۶ء
۹۔ تاریخ الحکماء (اردو)	جمال الدین قفطی	دہلی ۱۹۴۵ء
۱۰۔ نذر عرشی	مالک رام و ڈاکٹر آرزو	دہلی ۱۹۶۵ء
۱۱۔ تاریخ الکامل	ابن الاثیر	بیروت ۱۹۷۸ء
۱۲۔ فتوح البلدان	بلاذری	قاہرہ ۱۹۰۱ء
۱۳۔ تاریخ ہند	سید ہاشمی فرید آبادی	حیدرآباد ۱۹۳۹ء
۱۴۔ علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ (اردو)	ڈاکٹر محمد اسحاق	دہلی ۱۹۸۳ء
۱۵۔ نزہۃ الخواطر (۱—۸)	مولانا سید عبدالحی حسنی	حیدرآباد (مختلف سنین)
۱۶۔ موسوعۃ التاریخ الاسلامی لبلاد السند والپنجاب،	الاستاذ مبشر الطرازی	جلد ۵، ۱۹۸۳ء
۱۷۔ احسن التقاسیم	بشاری مقدسی	لیڈن ۱۸۷۷ء
۱۸۔ معجم البلدان	یاقوت حموی رومی	بیروت ۱۹۷۷ء
۱۹۔ عرب و ہند عہد رسالت میں	مولانا قاضی اطہر مبارکپوری	دہلی ۱۹۶۵ء

۲۰۔ تذکرۂ مورخین — نبی احمد سندیلوی — بنارس ۱۹۳۶ء

۲۱۔ اسلامی ہند کی عظمت رفتہ — قاضی اطہر مبارکپوری — دہلی ۱۹۶۹ء

۲۲۔ عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان — پروفیسر خورشید احمد فارق — دہلی۔ ۱۹۷۳ء

۲۳۔ رسائل الجاحظ — الجاحظ — مصر ۱۳۲۴ھ

۲۴۔ تاریخ الیعقوبی — الیعقوبی — دار صادر بیروت (غیر مورخ)

۲۵۔ مروج الذہب ومعادن الجوہر — ابوالحسن المسعودی — قاہرہ ۱۳۰۳ھ

۲۶۔ التنبیہ والاشراف — " — بیروت ۱۹۸۱ء

۲۷۔ الفہرست — ابن الندیم — " ۱۹۷۸ء

۲۸۔ آثار البلاد واخبار العباد — زکریا القزوینی — " ۱۹۷۹ء

۲۹۔ تاریخ ہند پر نئی روشنی — پروفیسر خورشید احمد فارق — دہلی ۱۹۶۱ء

۳۰۔ صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء، ابوالعباس القلقشندی — قاہرہ ۱۹۱۴ء

۳۱۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، قاضی اطہر مبارکپوری — دہلی ۱۹۶۷ء

۳۲۔ العقد الثمین — " — بمبئی ۱۹۶۸ء

۳۳۔ سیر اعلام النبلاء — شمس الدین الذہبی — بیروت ۱۹۸۱ء

۳۴۔ مقدمۃ فتح الباری — حافظ ابن حجر — طبع سعودیہ (غیر مورخ)

۳۵۔ کشف الظنون — حاجی خلیفہ چلپی — استانبول ۱۳۱۰ھ
طبع دار الفکر ۱۹۸۲ء

۳۶۔ التاریخ الکبیر والصغیر — امام بخاریؒ — قاہرہ ۱۹۷۷

۳۷۔ طبقات بن سعد — ابن سعد — دار صادر بیروت

۳۸۔ معجم المصنفین — مولانا محمود حسن خاں ٹونکی — بیروت ۱۳۴۴ھ

۳۹۔ نقوش، (رسول نمبر) — مدیر محمد طفیل — لاہور ۱۹۸۲ء

Marfat.com

۴۰- دائرۃ المعارف الاسلامیہ (اردو) مدیر ڈاکٹر سید عبداللہ لاہور ۱۹۶۴ء و ما بعد

۴۱- دراسات فی الحدیث النبوی الدکتور مصطفی الاعظمی بیروت ۱۹۸۵ء

۴۲- الأنساب عبدالکریم السمعانی حیدرآباد ۱۹۷۶ء

۴۳- رجال السند والہند القاضی اطہر المبارکفوری بمبئی

۴۴- کتاب اللمع ابو نصر الطوسی (مرتب ڈاکٹر نکلسن) لندن ۱۹۱۴ء

۴۵- وفیات الأعیان ابن خلکان بیروت ۱۹۷۷ء

۴۶- ضحی الاسلام احمد امین بیروت

۴۷- حماسۃ البحتری ابو عبادہ البحتری قاہرہ، ۱۹۲۹ء

۴۸- الشعر والشعراء ابن قتیبہ بیروت ۱۹۸۱ء

۴۹- معجم الشعراء المرزبانی بیروت ۱۹۸۲ء

۵۰- تاریخ الأدب العربی عمر فروخ " ۱۹[illegible]ء

۵۱- دائرۃ المعارف البستانی " ۱۸۷۷ء

۵۲- معجم المؤلفین عمر رضا کحالۃ المثنی بیروت (غیر مؤرخ)

۵۳- سلطان محمود غزنوی پروفیسر محمد حبیب الہ آباد ۱۹۴۰ء

۵۴- آب کوثر شیخ محمد اکرام لاہور ۱۹۶۶ء

۵۵- تاریخ ابن خلدون ابن خلدون مصر ۱۲۸۴ھ

۵۶- الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ، عبدالقادر القرشی حیدرآباد ۱۳۳۲ھ

۵۷- الیمینی عبدالجبار العتبی لاہور ۱۳۰۰ھ

۵۸- الرد علی القفال (مخطوطہ) (نمبر ۹ فقہ) علی گڑھ، مولانا آزاد لائبریری

۵۹- البدایۃ والنہایۃ حافظ ابن کثیر مصر ۱۳۵۸ھ
بیروت (طبع جدید غیر مؤرخ)

Marfat.com

۶۰ - طبقات ناصری — منہاج سراج — لاہور — ۱۹۵۲ء

۶۱ - امیر خسرو — ڈاکٹر وحید مرزا — الہ آباد — ۱۹۴۹ء

۶۲ - تاریخ ادبیات ایران، رضا زادہ شفق — دھلی — ۱۹۸۵ء

۶۳ - لباب الالباب — محمد عوفی — لیڈن — ۱۹۰۳ء

۶۴ - قصۃ الادب فی العالم — احمد امین — قاہرہ — ۱۹۴۳ء

۶۵ - چہار مقالہ، نظامی سمرقندی (تحقیق ڈاکٹر عنیب حسین) الہ آباد (غیر مؤرخ)

۶۶ - یتیمۃ الدھر — ابو منصور الثعالبی — مصر — ۱۹۴۷ء

۶۷ - تاریخ آداب اللغۃ العربیہ — جرجی زیدان — بیروت — ۱۹۷۸ء

۶۸ - حصار نامی — سہیلی خوانساری — تہران

۶۹ معجم الأدبار — یاقوت الرومی — بیروت — ۱۹۸۰ء

۷۰ - الآثار الباقیۃ — البیرونی — لیزگ — ۱۸۷۸ء

۷۱ - روح اسلام — سید امیر علی، ترجمہ، ہادی حسین، دھلی — ۱۹۸۶ء

۷۲ - البیرونی اور جغرافیۂ عالم، مولانا ابوالکلام آزاد — دھلی — ۱۹۸۰ء

۷۳ - ہندستانی دور وسطی کے مورخین — محب الحسن — دھلی — ۱۹۸۴ء

۷۴ - البیرونی — سید حسن برنی — علی گڈھ — ۱۹۲۷ء

۷۵ - کتاب الہند — البیرونی — حیدرآباد — ۱۹۵۸ء

۷۶ - " (اردو) ترجمہ: سید اصغر علی — دھلی — ۱۹۴۱ء

۷۷ - الجماہر فی معرفۃ الجواہر — البیرونی — حیدرآباد — ۱۳۵۵ھ

۷۸ - رسائل البیرونی — " — ۱۹۴۸ء

۷۹ - کشف المحجوب (اردو) سید علی ہجویریؒ / ترجمہ طفیل محمد صاحب دہلی — ۱۹۸۱ء

۸۰ - حیات شیخ عبدالحق — پروفیسر خلیق احمد نظامی — دھلی — ۱۹۵۳ء

۸۱۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	پروفیسر خلیق احمد نظامی	دہلی	۱۹۸۱ء
۸۲۔ تاریخ مشائخ چشت	〃	〃	
۸۳۔ رحلۃ ابن بطوطہ	ابن بطوطہ	قاہرہ	۱۳۸۷ھ
۸۴۔ جوامع الحکایات	محمد عوفی	تہران	۱۹۶۱ء
۸۵۔ اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق دہلوی	مطبع ہاشمی میرٹھ	
۸۶۔ تاریخ فیروز شاہی	ضیاء الدین	کلکتہ	۱۸۶۲ء
۸۷۔ ہندستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (۱)	مولانا مناظر احسن گیلانی	دہلی	۱۹۶۶ء
〃	(۲)	〃	۱۹۸۴ء
۸۸۔ اوراق مصور	پروفیسر خلیق احمد نظامی	〃	۱۹۷۲ء
۸۹۔ سیر الاولیاء	میر خورد	لاہور	۱۹۷۸ء
۹۰۔ تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ	لکھنؤ	۱۸۶۵ء
۹۱۔ بغیۃ الوعاۃ	علامہ سیوطی	قاہرہ	۱۳۲۶ھ
۹۲۔ شذرات الذہب	ابن العماد حنبلی	بیروت	۱۳۹۹ھ
۹۳۔ کتاب الانفحال	علامہ صغانی، (تحقیق ڈاکٹر احمد خاں)	اسلام آباد	۱۹۷۷ء
۹۴۔ الفوائد البہیۃ	مولانا عبدالحی فرنگی محلی رح	بنارس	۱۹۶۷ء
۹۵۔ السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی،	مصطفیٰ السباعی	بیروت	۱۹۷۸ء
۹۶۔ حضرت نظام الدین اولیاء	پروفیسر حبیب	دہلی	۱۹۷۲ء
۹۷۔ الدرر الکامنۃ	ابن حجر رح	حیدرآباد	۱۳۴۹ھ
۹۸۔ تاریخ الادب العربی (عربی)	کارل بروکلمن	مصر	۱۹۸۳ء
۹۹۔ مقدمۃ الصحاح	احمد عبدالغفور العطار	قاہرہ	۱۹۸۲ء
۱۰۰۔ مآثر رحیمی	عبدالباقی نہاوندی	کلکتہ	۱۹۱۰ء

Marfat.com

۱۰۱- تاریخ دعوت وعزیمت (۳)	مولانا ابوالحسن علی ندوی	لکھنؤ ۱۹۷۸ء	
۱۰۲- الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند	مولانا عبدالحی حسنی	دمشق ۱۹۸۳ء	
۱۰۳- اعجاز خسروی	امیر خسرو	لکھنؤ ۱۸۷۶ء	
۱۰۴- تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف	کلکتہ ۱۸۹۱ء	
۱۰۵- انوار العارفین	محمد حسین مرادآبادی	بریلی ۱۲۹۰ھ	
۱۰۶- صحائف السلوک	چراغ دہلیؒ	جھجر، رہتک (غیر مؤرخ)	
۱۰۷- تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمٰن علی	لکھنؤ ۱۸۹۴ء	
۱۰۸- 〃	مرتبہ ایوب قادری	کراچی ۱۹۶۱ء	
۱۰۹ ذیل تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین الدمشقی، داراحیاء التراث بیروت، غیر مؤرخ		
۱۱۰- البدر الطالع	علامہ شوکانی	مصر ۱۳۴۸ھ	
۱۱۱- حدائق الحنفیہ	مولوی فقیر محمد جہلمی	لکھنؤ ۱۸۸۶ء	
۱۱۲- آثار منیر	مولوی مراد اللہ ندوی	پٹنہ ۱۳۶۷ھ	
۱۱۳- مکتوبات سہ صدی	شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ	لاہور ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء	
۱۱۴- مکتوبات صدی	〃	کراچی ۱۹۷۶ء	
۱۱۵- تاریخ داؤدی	عبداللہ	علی گڑھ ۱۹۶۹ء	
۱۱۶- معدن الشفا	میاں بھوہ	لکھنؤ ۱۸۷۷ء	
۱۱۷- سیر العارفین (اردو)	جمالی دہلوی/غلام احمد سنبھلی	مرادآباد ۱۹۰۴ء	
۱۱۸- الکواکب السائرۃ	نجم الدین الغزی	بیروت ۱۹۷۲ء	
۱۱۹- مفتاح الکنوز الخفیہ (فہرست خدابخش لائبریری پٹنہ)	از مولوی عبدالحمید	پٹنہ ۱۹۱۸ء	
۱۲۰- بزم مملوکیہ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	اعظم گڑھ ۱۹۸۱ء	
۱۲۱- روضات الجنات	معین الدین محمد الزمجی الاسفزاری	علی گڑھ ۱۹۶۱ء	

Marfat.com

۱۲۲- جوامع الحکایات (اردو) محمد عوفی دھلی ۱۹۴۳ء

۱۲۳- طبقات الامم قاضی صاعد اندلسی اعظم گڈھ ۱۹۲۸ء

۱۲۴- ہندستان عربوں کی نظر میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی ”

۱۲۵- الفتاوی التاتارخانیۃ، عالم بن العلا اندریتی حیدرآباد ۱۹۸۴ء

۱۹۸۷ء

۱۲۶- ملہمات جمال الدین ہانسوی الور ۱۳۰۶ھ

۱۲۷- اصول السماع۔ فخرالدین زرادی جھجر ۱۳۱۱ھ

Marfat.com

انگریزی کتابیں

1- Indian History & Culture; J. Fuste, I.R Mehta Delhi, 1975

2- The Arabs in history, Bernard lewis, Landon, 1958

3- The Sultanate of Delhi, V.D. Mahjan, Delhi, 1978

4- Some Aspects of Religion & Politics in India, K.A- -Nizami, Aligarh, 1961

5- glimpses of Medieval Indian Culture, - -Yusuf Hasain Khan. Bomboy, 1959

6- The Delhi Sultanate, R.C. Majumdar, Bombay,

7- An Overview of Sufi literature - 1967 -Bruse lawrence, Patna (not dated)

8- Twilight of the Sultanate, K.S. Lal, Bombay, 1967

9- An Historical Memair on the Qutb, J.A. Page - - Delhi, 1970

10- Corpus of Arabic & Persian inscriptions of Bihar- -Q. Ahmed. PATNA, 1973

11- Catalogue of Arabic Manuscripts in Raza- -library, Rampur, 1963, 1966

12- Catalogue of Khuda Bukhsh library, Vol XII - -Muinuddin Nadvi, Patna, 1927

13- " " " " Vol. XV " " Patna, 1929

Marfat.com